تفسیرِ سیاسی

قیامِ امام حسین علیہ السلام

سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

[illegible]

تفسیرِ سیاسی

قیامِ امام حسین علیہ السلام

تالیف

سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

یکے از مطبوعات

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

۲ - بے - ۵/۴ ــــــ ناظم آباد ــــ نمبر ۲ ــــ کراچی

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نامِ کتاب ---------------------- تفسیر سیاسی قیامِ امام حسینؑ

تالیف ------------ سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

تصحیح و ترتیب --------- سید ابرار حسین رضوی۔ سید رسالت حسین کوثر

سید محمد علی اجہدی۔ سید نصیر حسن رضوی

ناشر ---------------- دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

طبع اول ------------ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ - مئی ۱۹۹۴ء

طبع دوم ------------ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ - جون ۱۹۹۵ء

طبع سوم ---------- شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ - جنوری ۱۹۹۶ء

ترتیب

- تمہید ۱۱
- مقدمہ ۱۵
- کیا امام حسینؑ کا قیام سیاسی تھا؟ ۲۱
- سیاست کے لغوی معنی ۲۲
- سیاست فلاسفہ کی نظر میں ۲۳
- سیاست کے اصطلاحی معنی ۲۴
- سیاست روایاتِ ائمہ اطہارؑ کی روشنی میں ۲۴
- سیاست آیاتِ قرآنی کی روشنی میں ۳۱
- سیاست فقہ اسلامی میں ۳۸
- سیاست جزوِ دین ہے ۴۳
- مغربی مفکرین کی آراء ۴۵
- سیاست سے مسلمانوں کی نفرت کی وجوہات ۴۶
- سیاسی عمل کی کسوٹی ۵۳

- امام حسینؑ کا قیام بنی امیہ اور ان کے حامیوں کی نظر میں ـــــــ ۵۹

معاویہ ابنِ ابو سفیان ـــــــ ۵۹

یزید ابنِ معاویہ ـــــــ ۶۰

عبیداللہ ابنِ زیاد ـــــــ ۶۲

مروان بن الحکم ـــــــ ۶۵

قیامِ امام حسینؑ حامیانِ بنی امیہ کی نظر میں ـــــــ ۶۶

شمر ابنِ ذی الجوشن ـــــــ ۶۷

- قیامِ امام حسینؑ غیر جانبدار شخصیات کی نظر میں ـــــــ ۷۰

عبداللہ ابنِ عمر ـــــــ ۷۰

عبداللہ ابنِ زبیر ـــــــ ۷۱

عبداللہ ابنِ مطیع ـــــــ ۷۲

- قیامِ امام حسینؑ خوارج کی نظر میں ـــــــ ۷۳

- امام حسینؑ کا قیام سیاسی سوداگروں کی نظر میں ـــــــ ۷۴

- ائمہ اطہارؑ کی ذمہ داریاں ـــــــ ۷۶

- قیامِ امام حسینؑ امامؑ کے اصحاب اور دوستوں کی نظر میں ـــــــ ۸۳

محمد ابنِ حنفیہ ـــــــ ۸۴

عبداللہ ابنِ عباس ـــــــ ۸۴

ابوبکر ابنِ عبدالرحمن مخزومی ـــــــ ۸۵

یزید ابنِ مسعود نہشلی ـــــــ ۸۶

سلیمان ابنِ صردِ خزاعی ـــــــ ۸۸

زُہیر ابنِ قین ـــــــــــــــــــــ ۹۱

بریر ابنِ خضیر ہمدانی ـــــــــــــــــــــ ۹۲

حضرت مسلم ابنِ عقیل ـــــــــــــــــــــ ۹۳

حضرت علی اکبرؑ ـــــــــــــــــــــ ۹۴

⬤ قیامِ امامؑ خود امامؑ کی نظر میں ـــــــــــــــــــــ ۹۵

طلبِ بیعت ـــــــــــــــــــــ ۹۵

اصلاحِ اُمّت ـــــــــــــــــــــ ۱۱۵

احیاءِ سیرتِ جد ـــــــــــــــــــــ ۱۲۹

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ـــــــــــــــــــــ ۱۳۴

ولید سے خطاب ـــــــــــــــــــــ ۱۵۳

مروان سے خطاب ـــــــــــــــــــــ ۱۵۷

اہلِ بصرہ کے نام خط ـــــــــــــــــــــ ۱۵۸

کوفہ والوں کے نام خط ـــــــــــــــــــــ ۱۵۹

لشکرِ حُر سے خطاب ـــــــــــــــــــــ ۱۶۳

شبِ عاشور آپؑ کا خطاب ـــــــــــــــــــــ ۱۶۷

واقعہ تنعیم ـــــــــــــــــــــ ۱۶۸

قیامِ امام حسینؑ میں اسرار پوشی ـــــــــــــــــــــ ۱۷۰

⬤ امام حسینؑ کا قیام اکابر علماء و دانشوروں کی نظر میں ـــــــــــــــــــــ ۱۷۳

علامہ شیخ محمد عبدہ مصری ـــــــــــــــــــــ ۱۷۳

ابنِ مفلح حنبلی ـــــــــــــــــــــ ۱۷۴

ابوبکر ابنِ عربی مالکی ـــــــ ۱۷۴
ابنِ تیمیہ ـــــــ ۱۷۵
شیخ محمد خضری ـــــــ ۱۷۶
استاد عبداللہ العائلی ـــــــ ۱۷۶
خالد محمد خالد ـــــــ ۱۷۷
ڈاکٹر عبدہ یمانی ـــــــ ۱۷۸
مولانا ابو الاعلیٰ مودودی ـــــــ ۱۷۹
شیخ مفید ـــــــ ۱۸۰
علاّمہ سید مرتضیٰ علَم الہدیٰ ـــــــ ۱۸۲
علاّمہ حلّی ـــــــ ۱۸۳
علاّمہ شیخ محمد حسین کاشف الغطا ـــــــ ۱۸۵
علاّمہ شہرستانی ـــــــ ۱۸۶
آیت اللہ سید نعمت اللہ الجزائری ـــــــ ۱۸۹
آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری ـــــــ ۱۹۰
آیت اللہ شہید سید محمد باقر الصدر ـــــــ ۱۹۳
آیت اللہ حسین علی منتظری ـــــــ ۱۹۵
آیت اللہ محمد حسین فضل اللہ ـــــــ ۱۹۶
آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی ـــــــ ۱۹۹
آیت اللہ سید علی خامنہ ای ـــــــ ۱۹۹
حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ ـــــــ ۲۰۲

تبصرہ ---------- ۲۰۲
○ کوفہ کے انتخاب کی وجہ ---------- ۲۰۶
○ اعتراضات ---------- ۲۲۵
قیام کا مقصد طلبِ شہادت تھا ---------- ۲۲۵
اہل وعیال کو ہمراہ لے جانا ---------- ۲۳۸
قیام کے لئے طاقت وقدرت کا لزوم ---------- ۲۴۵
دو قبیلوں کی جنگ ---------- ۲۵۰
امامؑ نے معاویہ کے دور میں قیام کیوں نہ کیا ---------- ۲۵۵
○ کچھ ناگزیر حقائق سے آشنائی ---------- ۲۷۵
○ واقعۂ کربلا سے مربوط بعض شخصیات کا مختصر تعارف ---------- ۲۸۵
عبداللہ ابنِ عباس ---------- ۲۸۶
محمد ابنِ حنفیہ ---------- ۲۹۷
معاویہ ابنِ ابی سفیان ---------- ۳۰۶
یزید ابنِ معاویہ ---------- ۳۲۵
مروان ابن الحکم ---------- ۳۳۸
ولید ابنِ عتبہ ---------- ۳۴۸
عمر ابنِ سعد ---------- ۳۵۵
نعمان ابنِ بشیر ---------- ۳۶۹
○ اس کتاب کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ۳۷۹
○ واقعۂ کربلا کے مصادر وماخذ ---------- ۳۸۵

تقدیم

یہ حقیر پیش کش ہدیہ ہے۔

- سرورِ آزادگان حسین ابنِ علی کی بارگاہ میں۔
- منتقمِ خونِ حسینؑ حضرت امام مہدیؑ کی بارگاہ میں۔
- عظیم حسینی فرزند آیت اللہ العظمیٰ شہید سید محمد باقرالصدرؒ کی بارگاہ میں۔
- اس رہبرِ عظیم الشان آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ کی بارگاہ میں جس نے چودہ سو سال بعد امام حسینؑ کے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا اور ایران میں ایک عادلانہ اسلامی حکومت تشکیل دی۔

اور

ولی امرِ مسلمین آیت اللہ سید علی خامنہ ای کی خدمت میں...

نیز

مادرِ حسینؑ 'سیدہ کونین حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی درگاہ میں دعاگو ہوں کہ اس ہدیۂ ناچیز کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں اور ان ہی سیدہ عالم 'زہرہ مرضیہ کے طفیل بارگاہِ احدیت سے ملنے والے اجروثواب کو اپنے والدین 'جملہ اساتیدِ محترم 'شہدائے اسلام اور تمام مومنین و مومنات کی خدمت میں نذر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ مؤلف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید

ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے حسینی سیرت و کردار کے بیس سالہ مطالعہ کے دوران ایک فکر ذہن میں پرورش پا رہی تھی کہ قیام و نہضتِ ابی عبداللہ الحسینؑ کے اہداف و مقاصد پر ایک سیر حاصل بحث مومنین کی خدمت میں پیش کروں۔ ایک سال سے دل اس بات پر ملول اور رنجیدہ رہا کہ توفیق کیوں نہیں ہو پا رہی۔ لیکن قرآن کی یہ آیت دل کی تسکین کا سبب بنی ہوئی تھی کہ:

وَعَسٰٓی اَنۡ تَکۡرَهُوۡا شَیۡئًا وَّهُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَعَسٰٓی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝

"اور ممکن ہے کہ جسے تم برا سمجھتے ہو وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور جسے تم دوست رکھتے ہو وہ برا ہو۔ خدا سب کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔" (سورہ بقرہ ۲ آیت ۲۱۶)

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس تاخیر کے نتیجہ میں کتبِ تاریخ و سیر اور مقاتل کا ایک مرتبہ پھر مطالعہ کرنے کا موقع مل گیا۔ مطالعہ کے دوران تمام عرصہ خلوص

دل سے یہ نیت رہی کہ جو فکر مومنین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں اس کی صحت یا عدم صحت دونوں میں سے کسی ایک پر اطمینان ہو جائے۔ خداوند متعال کا شکر ہے کہ اس نے اس معصومؑ ہی کے طفیل اور تصدق میں کہ جس کی فکر پیش کرنا چاہتا ہوں' یہ توفیق عطا فرمائی کہ ایک مرتبہ پھر ان تمام مصادر کو اور اس موضوع پر بہت سے دیگر مصادر کے مطالعہ کا موقع ملا۔ الحمد للہ اس دوبارہ مطالعہ نے ہماری فکر کی مزید تائید کی اور اسے تقویت پہنچائی۔ اس کے علاوہ جہاں خلا تھا وہ بھی پُر ہو گیا۔

جو نکات اس کتاب میں پیش کئے گئے ہیں ان کے مصادر اور اسناد سے الحمد للہ ہم مطمئن ہیں اور جس فکر کو ہم پیش کر رہے ہیں اس میں نہ ہمیں کوئی جھجک ہے اور نہ خوف۔ کیونکہ یہ کیفیت وہاں ہوتی ہے جہاں انسان کو اپنی فکر پر غرور ہو 'اپنی منطق کو آخری منطق سمجھتا ہو اور کسی غلطی اور اشتباہ کی نشان دہی کو اپنی توہین سمجھتا ہو۔

الحمد للہ نہ ہمیں تکبرِ علمی ہے اور نہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کو ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہم قارئینِ کرام کی طرف سے ہر قسم کی غلطی 'خامی اور کوتاہی کی نشان دہی کا خیر مقدم کریں گے۔ اس قسم کی نشان دہی سے نہ صرف اس کتاب کی اصلاح ہو جائے گی بلکہ ہماری بھی اصلاح ہو گی۔

جہاں تک اس کتاب کو پیش کرنے کی غرض و غایت کا سوال ہے تو وہ صرف حسینیؑ فکر کو حسینیوں تک قربۃً الی اللہ پہنچانا ہے۔ اس کتاب میں ہم نے نہ کوئی نئی فکر پیش کی ہے اور نہ کوئی ابتکاری نظریہ۔ بلکہ اہداف قیامِ ابی عبداللہ الحسینؑ سے متعلق تاریخ و مقاتل کے نصوص کی روشنی میں خود امام علیہ السلام

ہی کی فکر کو پیش کیا ہے۔ حسینی فکر کو حسینیوں تک پہنچانا ہم اپنا وظیفہ اور ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ اس وظیفہ کی انجام دہی پر ہمیں کوئی طمع و لالچ نہیں ہے۔ لیکن یہ کہ خداوندِ رؤف و مہربان سے اجر و ثواب کے امیدوار ہیں اور اس کے حضور اپنی اور تمام مومنین کی نیک توفیقات کے لئے دعاگو ہیں۔ البتہ مومنینِ کرام سے ہم یہ توقع ضرور رکھتے ہیں کہ وہ اس کتاب کے اصل نصوص کی صحت و سقم اور اخذ شدہ نتائج کے بارے میں اپنا نظریہ پیش فرمائیں گے۔ اس کو ہم اپنی حوصلہ افزائی سمجھیں گے اور ایسی تمام معلومات اور نشان دہی کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔

آخر میں اس حدیثِ شریف کے تحت کہ جو مخلوق کا شکر نہیں کرتے وہ خالق کا بھی شکر نہیں کرتے' یہ ہم سے کوتاہی ہوگی اگر ہم اپنے کرم فرما' مشفق و مہربان دوستوں کا جنہوں نے اس کتاب کو دوستدارانِ امام حسینؑ کی خدمت میں پیش کرنے میں مدد اور تعاون فرمایا' شکریہ ادا نہ کریں۔

یہ برادران جناب الحاج سید ابرار حسین رضوی' سید رسالت حسین کوثر' سید نصیر حسن رضوی اور سید محمد علی تقوی (اجمدی) ہیں۔ خداوندِ ربِّ قدوس سے دعا ہے کہ وہ اپنی بندہ نوازی سے ان کو ہر آفات و بلیات و آسیبِ جن و انس سے محفوظ رکھے اور ہمارے لئے ہر آن و ہر لحظہ مکتبِ حسینیؑ کا دروازہ کشادہ کرے اور مزید در ہمارے لئے کھولے کیونکہ دنیا و آخرت دونوں میں نجات و سعادت کی گزرگاہ صرف بابِ اہل بیتؑ اور بابِ حسینیؑ ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی ۱۰ ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ

مقدمہ

اس وقت خطۂ ارض پر کوئی مملکت ایسی نہیں ہے جہاں امام حسین علیہ السلام کی مجالسِ عزا برپا نہ ہوتی ہوں۔ کیفیت اور کمیت میں البتہ فرق ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی مجلسِ عزا میں افراد کی تعداد کم ہوتی ہو اور کسی میں ہزاروں کی تعداد میں اجتماع ہوتا ہو۔ کسی مجلس میں کوئی خطیب اپنا عنوانِ کلام اسلامی اخلاق کو قرار دیتا ہو، کوئی فقہی مسائل بیان کرنے کو ترجیح دیتا ہو، کوئی مقرر اصولِ عقائد کو بیان کرتا ہو تو کوئی تفسیرِ قرآن بیان کرتا ہو، کوئی خطیب اپنا زورِ بیان اسلام اور دیگر ادیان کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے اسلام کی فوقیت کو ثابت کرنے پر صرف کرتا ہو، جب کہ کوئی ذاکر اپنی تقریر کا مرکز و محور صرف واقعۂ کربلا اور مصائبِ اہل بیتؑ کو قرار دیتا ہو۔

ان تمام موضوعات کے مستحسن ہونے میں نہ ہمیں کوئی کلام ہے اور نہ ان کی افادیت اور اہمیت سے انکار ہے لیکن یہ تلخ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ ہماری مجالسِ عزا جس اہم بیان اور ذکر سے خالی نظر آتی ہیں وہ ہے —— "قیام و نہضتِ امام مظلومؑ کے اہداف و مقاصد کا بیان۔"

ہماری مجالس میں اس موضوع پر یا تو بالکل بات ہی نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو بہت کم اور شاذ و نادر۔ ہماری مجالسِ عزا کے سامعین نہیں جانتے کہ کربلا کی جنگ میں امام حسین علیہ السلام کیا اہداف و مقاصد رکھتے تھے اور آپؑ کے دشمن کے کیا مقاصد تھے۔

اس موضوع پر اگر گفتگو ہوئی بھی تو زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ خطیبوں اور علماء کی فکر و نظر میں اختلاف بھی پایا جاتا رہا۔ کسی نے شہادت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہونے کو امام حسینؑ کے قیام کا اصل محرک قرار دیا ہے تو کوئی اہل بیتِ پیغمبرؐ کے خلاف بنی امیہ کی دیرینہ دشمنی اور کینہ کو کربلا کی جنگ کا اصل سبب اور محرک قرار دیتا ہے۔

ان دونوں اسباب کو واقعۂ کربلا کا محرک قرار دینے کے بعد اس موضوع پر مزید تحقیق اور بحث کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ اگر واقعہ کربلا کے سبب کو تمنائے شہادت مانا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہادت تو کسی اعلیٰ ہدف تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے نہ کہ خود اپنی جگہ بذاتہٖ ایک ہدف اور اگر بنی امیہ کے دیرینہ کینہ و عناد کو کربلا کی جنگ کا سبب قرار دیا جائے تو پھر خود اس کینہ و عداوت کے اصل سبب کا کھوج لگانا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ کینہ و عداوت خود کسی سبب کا محتاج ہے۔ اس سبب کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ بنی امیہ کو پیغمبرِ اکرمؐ کے گھرانے سے یہ کینہ و عداوت کس بناء پر تھی اور کب سے تھی؟

امامِ مظلومؑ کی کاوشوں اور قربانیوں پر سب سے بڑا ستم ان لوگوں نے ڈھایا ہے جو مجالسِ عزا میں برملا یہ بیان کرتے ہیں کہ امامؑ نے کربلا میں شہادت کو اس

لئے گلے لگایا کہ وہ خدا سے روزِ محشر امت کو بخشوانے کا حق حاصل کرلیں۔ دوسرے معنوں میں یہ اسلام میں مسیحی عقیدہ کو داخل کر کے امت کے فکر و عمل میں جمود پیدا کرنے کی ایک سازش ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن اور روایات سے ہٹ کر شفاعت کے مفہوم کو وہ معنی پہنانا چاہتے ہیں جو آج کے دور میں عام "سفارش" کا مفہوم ہے۔

غرض قیامِ امام حسینؑ کی نت نئی اور عجیب و غریب تفسیریں کی جاتی رہی ہیں لیکن قیامِ امام حسینؑ کے اہداف میں جس تفسیر کو سب سے زیادہ اجنبی بنا کر رکھا گیا اور جس تفسیر سے قطعی صرفِ نظر کیا گیا وہ امامؑ کے قیام و نہضت کی "سیاسی تفسیر" ہے۔

"کیا امام حسینؑ کے قیام کا ہدف خلافت و حکومت کا حصول تھا؟......"

یعنی امامؑ عنانِ خلافت و حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر یزید اور بنی امیہ کی طاغوتی حکومت کو نابود اور حکومتِ الٰہی اور حکومتِ قرآن کو قائم کرنا چاہتے تھے یا نہیں؟۔

یہ وہ موضوع ہے جس پر سیر حاصل بحث ہونا چاہئے اور اس بحث میں اگر کوئی مسئلہ محلِ اختلاف ہو تو اس کے حل کا ذریعہ نہ تہمت و الزام تراشی ہے اور نہ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا بلکہ عواطف، جذبات اور احساسات سے کام لینے کی بجائے اس کے حل کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ مسئلہ میں موجود تمام احتمالات کو سامنے رکھ کر اس کے ہر ہر پہلو پر قوی دلائل و براہین کے ذریعہ مسئلہ کے نفی یا اثبات تک پہنچا جائے اور مسئلہ کو منطقی نتیجہ تک پہنچایا جائے۔

زیرِ نظر کتاب میں ہم اس مسئلہ کے بارے میں نفی یا اثبات میں کوئی نتیجہ

پیش کرنے سے عاجز ہیں کیوں کہ یہ کام بزرگ محققین کی ذمہ داری ہے اور ہم خود کو ان کی صف میں شمار کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے۔ البتہ امام حسینؑ کے کلمات، خطبات، تاریخی شواہد اور اس واقعہ کے دوران موجود فریقین کی شخصیات کے نقطۂ نظر کو ضرور پیش کریں گے۔ ان کی روشنی میں فیصلہ کرنا خود قارئین کا کام ہے۔

یہاں مقدمہ کے طور پر ہم اس بات کی وضاحت کرنا ضرور چاہیں گے کہ آخر بعض حضرات اس مسئلہ میں اپنے مدعا کو دلائل و براہین سے پیش کرنے کی بجائے جذبات اور احساسات کا سہارا کیوں لیتے ہیں۔ ان حضرات کو کلی طور پر منحرف یا غرض مند کہنا صحیح نہیں۔ ان میں بعض حضرات یقیناً امام حسینؑ کے انتہائی مخلص اور معتقد ہوں گے۔ لیکن امامؑ کے مخلصین اور معتقدین کے دلائل اور براہین کو چھوڑ کر جذبات اور احساسات کا سہارا لینے کی کچھ وجوہات ہیں۔

ان میں سے چند وجوہات یہ ہیں:

۱۔ ایک وجہ لفظ 'سیاست' سے لوگوں کی نفرت ہے اور اس کی وجہ زمانے کے سیاسی بازیگروں کی عیاری و مکاری ہے جنھوں نے سیاست کے معنی اور مفہوم ہی کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ امامؑ کے مخلصین اور معتقدین آپؑ کی سیاست سے وابستگی اور آپؑ کی حیاتِ مبارکہ کے سیاسی پہلوؤں کے متعلق غور و فکر تو درکنار آپؑ کے بارے میں لفظ 'سیاست' کے استعمال کو بھی نازیبا اور گناہ سمجھتے ہیں جب کہ لفظ 'سیاست' میں کوئی ایسا معیوب پہلو نہیں جس کی ہم آگے وضاحت کریں گے۔

بہرحال عقل کا تقاضہ ہے کہ کسی لفظ کے مسخ شدہ تصوّر سے صرفِ نظر

کرتے ہوئے اس لفظ کے اصل معنیٰ و مفہوم پر نظر رکھی جائے۔ کیونکہ لفظ تو کسی معنیٰ و مفہوم کے لئے ایک لباس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر کوئی لباس ناپسندیدہ اور مکروہ ہو تو اس لباس کے اندر چھپے ہوئے پیکر سے نفرت کرنے کی نہ کوئی وجہ ہے اور نہ ہی یہ دانشمندی ہے۔ لفظ 'سیاست' مسخ ہو کر مکروہ صورت اختیار کر سکتا ہے لیکن سیاست 'جو انسانی معاشرے کی رہبری اور انسان کی دین و دنیا کی بہتری اور فلاح کی طرف قیادت کا نام ہے' اس سے نفرت کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام کے دشمن آج تک اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ معاشرے کی قیادت و رہبری ان کے خونیں پنجوں سے نکل کر کہیں صالح اور شائستہ افراد کے ہاتھوں میں نہ چلی جائے۔ چنانچہ وہ اپنی تمام تر قوت و وسائل کو بروئے کار لا کر سیاست 'قیادت اور رہبری کو مسلمانوں اور خصوصاً ائمہ طاہرینؑ کے ماننے والوں کے لئے شجرِ ممنوعہ قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کے مذموم عزائم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ائمہ علیہم السلام کے مخلصین اور معتقدین نے ان کی تبلیغات اور پروپیگنڈہ کو ایک مسلّمہ حقیقت کے طور پر قبول کر لیا ہے اور سیاست سے ایک دلی نفرت پیدا کر لی ہے۔

۳۔ منبر وہ جگہ تھی جہاں سے انبیاء و ائمہ علیہم السلام اور علماءِ ربانی محکم دلائل و براہین کے ذریعہ اپنے مدعا کو سامعین تک پہنچاتے تھے۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ منبر لفاظی 'قافیہ سازی اور داستان طرازی کے لئے استعمال ہونے لگا اور چونکہ سامعین کے کان لفاظی 'شاعری' شوکتِ بیان اور حسنِ بیان کے مقابلہ میں ٹھوس اور سنجیدہ دلائل سننے کے عادی

نہیں رہے اس لئے منبر سے ایک خطیب کے لئے حقائق کو دلائل و براہین سے پیش کرنا جتنا آج مشکل ہو گیا ہے اتنا کبھی نہیں تھا۔

چنانچہ امام حسینؑ کے بارے میں لوگ عام طور پر اور ایامِ عزاء میں خاص طور پر صرف مصائب یا محض فضائل کو سننا پسند کرتے ہیں لیکن امامؑ کے قیام و نہضت کے مقاصد و اہداف پر بحث و گفتگو اور تجزیہ و تحلیل کو پسند نہیں کرتے۔

۴۔ چوتھی وجہ لفظ 'امام' کے مفہوم سے ناآشنائی ہے۔ امام کے لغوی معنی ہیں ——— پیشوا 'مقتدا' پیش رو 'سالارِ قافلہ۔ اصطلاح میں امام اس کو کہتے ہیں جو بندگانِ خدا کے دین و دنیا کے امور میں مسئول اور ذمہ دار ہوتا ہے۔ آیاتِ قرآن اور روایات کی رو سے امامت کا منصب تمام الٰہی منصبوں میں سب سے زیادہ اعلیٰ وارفع منصب ہے کیونکہ نبی 'رسول 'بشیر اور نذیر کے لفظوں میں پیغام رسانی کا پہلو حاوی ہے جب کہ امام پر پیغامِ الٰہی کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ لوگوں کو خدا کی راہ اور صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ امت کے آلام و مصائب اور ان کی مشکلات و مصائب کا حل بھی امام ہی کی ذمہ داری ہے۔

ان مفاہیم کو نظر میں رکھنے کے بعد جب ہم غور کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ امام حسینؑ دیکھ رہے تھے کہ امت فقر و فاقہ میں مبتلا ہے۔ ان کی جان و مال غیر محفوظ ہیں 'معاویہ 'یزید اور بنی امیہ کی حکومت بندگانِ خدا پر ہر روز نت نئے مظالم ڈھا رہی ہے 'نئی نئی بدعتیں سر اٹھا رہی ہیں اور شریعتِ خدا میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ آپ خود غور کریں کہ ان حالات میں امام حسین علیہ السلام کی کیا ذمہ داری ہونی چاہیے؟

کیا امام حسینؑ کا قیام سیاسی تھا؟

اس سوال کے جواب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم 'سیاست' کے لغوی اور اصطلاحی معنوں اور مفاہیم سے آگاہی حاصل کریں اور دیکھیں کہ لغت میں سیاست کے کیا معنی ہیں؟ مشرق اور مغرب والوں کے پاس سیاست کا کیا مفہوم ہے؟ اور اسلامی اصطلاح میں سیاست کیا مفہوم رکھتی ہے؟ آیا سیاست کلِ اسلام ہے یا سیاست اسلام کا ایک جز ہے یا اس کا ایک لازمہ ہے؟ یا پھر سیاست اسلام سے متصادم اور متضاد چیز ہے؟

یہ معلوم ہونے کے بعد ہی کہ سیاست کلِ اسلام ہے یا اس کا جز یا اس کا لازمہ ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکیں گے کہ قیامِ ابی عبداللہ الحسینؑ میں سیاست کا کس حد تک دخل اور اثر ہے۔

اکثر علماء 'خطیب اور ذاکرین ہدفِ قیامِ امام حسینؑ اور سیاست' دونوں کو بالکل ایک دوسرے سے متضاد سمجھتے ہیں۔ اولاً تو اپنی تقاریر میں قیامِ امام حسینؑ کے ہدف کا کوئی ذکر ہی نہیں کرتے۔ یا کچھ کہتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ امام حسینؑ اسلام کو بچانے کے لئے نکلے تھے۔ لہٰذا یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ جس دین کو امامؑ بچانے کے لئے نکلے تھے۔ اس دین میں سیاست عینِ دین ہے' یا اس دین کا جز ہے یا لازمۂ دین ہے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد ہی ہم کہہ سکیں گے کہ سیاست جس حیثیت سے دین میں کارفرما ہے اسی تناسب سے امام حسینؑ کے قیام و نہضت میں بھی اس کا دخل ہے۔

اگر یہ ثابت ہوگیا کہ دینِ مقدسِ اسلام عینِ سیاست ہے یا اس کا جزو لاینفک ہے تو اس صورت میں قیامِ حسینؑ یقیناً سیاسی قرار پائے گا۔ اس سلسلہ

میں ہم سب سے پہلے 'سیاست' کے لغوی اور اصطلاحی معنوں سے آشنائی حاصل کرتے ہیں۔

سیاست کے لغوی معنی

المنجد میں سیاست کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

"السیاسته ادارة البلاد و اصلاح الشؤن الناس"

"سیاست کے معنیٰ مملکت کو چلانا اور لوگوں کے مسائلِ زندگی کی اصلاح کرنا ہیں۔"

قاموسِ محیط میں فیروز آبادی کہتے ہیں:

"سست الرعیته۔۔امرتها و نهیتها"

"سیاست یعنی رعایا کو امر و نہی کیا۔"

ابنِ حجر کہتے ہیں:

"ساس یسوس ۔۔ یتعهد شئی بما یصلحه"

"یعنی کسی شے کی اصلاح کا عہد اور ذمہ داری لینا"

لسان العرب میں ہے:

"اسوس الریاسته ۔۔ ساسهم اذا راسهم"

"سیاست یعنی کسی کی سرپرستی کرنا اور اس کا رئیس بننا۔"

مجمع لاروس میں ہے:

"ساس الولی الرعیته ۔۔ تولی امرها و احسن النظر الیها"

"والی نے رعایا پر سیاست کی یعنی رعایا کے امور کی ذمہ داری لی اور اس کی نگہداری کی۔"

مجمع البستانی میں ہے:

"ساس القوم۔۔امرھم وتولی امرھم"

"سیاست یعنی قوم کے مسائلِ زندگی کی ذمہ داری لینا۔"

یعنی سیاست کے معنیٰ کسی قوم کو چلانا اور اس کے مفاد و مصالح کے بارے میں اسے امر و نہی کرنے کے ہیں۔ بالفاظ دیگر لوگوں کی اس طرح اصلاح کرنا کہ دنیا اور آخرت دونوں میں ان کے لئے راہِ نجات کی نشاندہی کرنا۔

مجمع البحرین میں ہے:

"ساس یسوس۔۔الرعیتہ امرھا و نھاھا"

"سیاست کے معنیٰ ہیں امر کیا اور نہی کیا۔"

سیاست فلاسفہ کی نظر میں:

سیاست، سقراط کی نظر میں:

سقراط کے نزدیک سیاست کے معنی "فنِ حکومت کے ہیں" اور سائس اس شخص کو کہتے ہیں جسے حکومت کرنا آتی ہو۔"

سیاست، افلاطون کی نظر میں:

"افراد کو اجتماعی زندگی کی تربیت دینے کو سیاست کہتے ہیں۔"

سیاست، ارسطو کی نظر میں:

" سلوکِ اجتماعی کے علم کو سیاست کہتے ہیں۔"

سیاست کے اصطلاحی معنی

سیاست اہلِ مغرب کی اصطلاح میں:

اہلِ مغرب کی اصطلاح میں "سیاست فنِ حکومت کو کہتے ہیں اور جو مملکت کے امور کو چلاتے ہیں انہیں مردانِ سیاسی کہا جاتا ہے۔"

سیاست اسلامی اصطلاح میں:

"اسلامی اصطلاح میں سیاست اس فعل کو کہتے ہیں جس کے انجام دینے سے لوگ اصلاح سے قریب اور فساد سے دور ہو جاتے ہیں۔"

خلاصہ:

لغت اور اصطلاح کی رو سے اوپر سیاست کے جتنے بھی معنیٰ اور تعریف بیان کی گئیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

سیاست کے معنی ہیں امر و نہی کرنا عوام کے امور کی ذمہ داری لینا رعایا کی سرپرستی کرنا امورِ حکومت کو جاننا انہیں چلانا اور لوگوں کو اصلاح سے قریب اور فساد سے دور رکھنا۔

سیاست کے یہ معنیٰ ہر دور اور ہر مکتبہ فکر کے لوگوں میں یکساں ہیں۔

سیاست روایات ائمہ اطہار کی روشنی میں:

لفظ 'سیاست' قرآن میں نہیں ملتا لیکن کتبِ روایات میں یہ لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ جس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

امیرالمومنین مولیٰ علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

۱۔ "العدل افضل السیاستین"

دونوں سیاستوں (یعنی سیاستِ عدل اور سیاستِ جور) میں سیاستِ عدل بہتر ہے۔

(غرر الحکم ۹:۱۳)

۲۔ "جمال السیاسته العدل فی الامرة"

سیاست کی تمام تر خوبی حکومت کے عدل میں مضمر ہے۔

(غرر الحکم ۹:۱۴)

۳۔ "خیر السیاسات العدل"

بہترین سیاست عدل ہے۔

(غرر الحکم ۹:۱۵)

۴۔ "ملاک السیاسته العدل"

سیاست کا دارومدار عدل پر ہے

(غرر الحکم ۹:۱۶)

۵۔ "سیاسته العدل فی ثلاث:

لین فی حزم، واستقصاء فی عدل وافضال فی قصد"

عادلانہ سیاست تین چیزوں میں مضمر ہے:

(۱) نرمی میں پختگی (۲) قضاوت میں تحقیق اور (۳) بخشش میں میانہ روی۔

(غرر الحکم ۹:۱۷)

۶- "بئس السیاسته الجور"
سب سے گندی سیاست ظلم ہے۔

(غرر الحکم ۹:۱۸)

۷"راس السیاسته استعمال الرفق"
مہربانی کرنا سرنامۂ سیاست ہے۔

(غرر الحکم ۹:۱۹)

۸"نعم السیاسته الرفق"
بہترین سیاست مہربانی کرنا ہے۔

(غرر الحکم ۹:۲۰)

۹"من لم یلن لمن دونه لم ینل حاجته"
جو اپنے ماتحت اور نیچے والوں سے نرمی نہیں برتیں گے وہ اپنی حاجت نہیں پا سکتے۔

(غرر الحکم ۹:۲۱)

۱۰"اذا ملکت فارفق"
اگر حکومت ملے تو نرمی برتو

(غرر الحکم ۹:۲۳)

۱۱"الاحتمال زین السیاسته"
برداشت و تحمل سیاستدانوں کی زینت ہے

(غرر الحکم ۹:۲۴)

۱۲"من حق الملک ان یسوس نفسه قبل رعیته۔"

بادشاہ کو چاہیئے کہ رعایا سے پہلے خود اپنے نفس کی اصلاح کرے۔

(غرر الحکم ۹:۲۹)

۱۳"اعقل الملوک من ساس نفسہ للرعیتہ بما یسقط عنہا حجتہا' و ساس الرعیتہ بما تثبت بہ حجتہ علیہا"

عاقل ترین حاکم وہ ہے کہ جو رعایا کے سامنے اپنے نفس کو اس طرح رکھے کہ رعایا کے پاس حجت اور بہانہ نہ رہے اور رعایا کو اس طرح چلائے کہ ان پر اپنی حجت اور دلیل باقی رہے۔

(غرر الحکم ۹:۳۰)

۱۴"ساستہ الدین بحسن الورع والیقین"

دین کی سیاست اس پر مبنی ہے کہ انسان یقین کی منزل پر ہو اور تقویٰ سے آراستہ ہو۔

(غرر الحکم ۹:۳۱)

حضرت علی علیہ السلام اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"واللہ ما معاویتہ بادھی منی ولکنہ یغدر ویفجر۔ ولولا کراھیتہ الغدر لکنت من ادھی الناس' ولکن کل غدرہ فجرۃ وکل فجرۃ کفرۃ۔ ولکل غادر لواء یعرف بہ یوم القیامتہ۔ واللہ مااستغفل بالمکیدۃ' ولا استغمز بالشدیدۃ۔"

" خدا کی قسم! معاویہ مجھ سے زیادہ چلتا پرزہ اور ہوشیار نہیں مگر فرق یہ ہے کہ وہ غداریوں سے چوکتا نہیں اور بدکرداریوں

سے باز نہیں آتا۔ اگر مجھے عیاری و غداری سے نفرت نہ ہوتی تو میں سب لوگوں سے زیادہ ہوشیار و زیرک ہوتا۔ لیکن ہر غداری گناہ اور ہر گناہ حکم الہی کی نافرمانی ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن ہر غدار کے ہاتھوں میں ایک جھنڈا ہوگا۔ جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ خدا کی قسم! مجھے ہتھکنڈوں سے غفلت میں نہیں ڈالا جا سکتا اور نہ سختیوں سے دبایا جا سکتا ہے"۔

(نہج البلاغہ۔ خطبہ نمبر ۱۹۸۔ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

معاویہ کے نام اپنے ایک خط میں امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"و متی کنتم یا معاویہ ساسہ الرعیتہ وولاۃ امر الامہ؟ بغیر قدم سابق ولا شرف باسق و نعوذ باللہ من لزوم سوابق الشقاء و احذرک ان تکون متمادیا فی غرۃ الامنیتہ مختلف العلانیتہ و السریرۃ۔"

" اے معاویہ! بھلا تم لوگ (امیّہ کی اولاد) کب رعیّت پر حکمرانی کی صلاحیت رکھتے تھے اور کب امت کے امور کے والی اور سرپرست تھے؟ بغیر کسی پیش قدمی اور بغیر کسی بلند عزت و منزلت کے۔

ہم دیرینہ بدبختیوں کے گھر کر لینے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ میں اس چیز پر تمہیں متنبّہ کیے دیتا ہوں کہ تم ہمیشہ آرزوؤں کے

فریب پر فریب کھاتے ہو اور تمہارا ظاہر باطن سے جدا رہتا ہے“

(نہج البلاغہ۔ مکتوب نمبر ۱۰۔ ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین)

زیارتِ جامعہ میں امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"السلام علیکم یا اهل بیت النبوة ....وساسته العباد....."

"آپؑ پر سلام ہو' اے اہلِ بیتِ نبوتؐ۔ اور اے بندوں کے امور کی تدبیر کرنے والو' اور....."

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"سیاست تین حقوق کی ادائیگی کا نام ہے:

(۱) حق اللہ

(۲) حق العباد' اور

(۳) حق الاموات۔"

احتجاج طبرسی۔ جلد ۲' ص ۲۲۷ پر تحریر ہے کہ:

"امام عالم بالسیاست ہوتا ہے۔"

امام سجادؑ رسالۃ الحقوق میں فرماتے ہیں:

"فحقوق ائمتک ثلاثته اوجبها علیک حق سائسک بالسلطان' ثم سائسک بالملک ثم حق سائسک بالملک وکل سائس امام"

"سب سے واجب حق جو تمہارے اوپر ہے وہ تمہارے پیشوائے

وقت اور حاکم کا ہے جو تمہارے امُور کو قدرت اور طاقت کے ذریعہ چلاتا ہے، پھر اس سرپرست کا حق ہے جو تمہاری علمی تربیت کرتا ہے یعنی جو تمہارا معلم ہے، پھر اس آقا کا حق ہے جو اپنے غلام کے امُور کو چلاتا ہے۔"

یہاں امام سجادؑ نے حاکم کو بھی سیاست مدار کہا ہے، معلم کو بھی سیاستمدار کہا ہے اور آقا کو بھی کہ جو اپنے زیرِ کفالت غلام کے امُور کی تدبیر کرتا ہے۔

خلاصہ

ائمہ معصومین علیہم السلام سے وارد روایات کی روشنی میں سیاست کا جو مفہوم سامنے آتا ہے وہ یوں ہے:

۱- عدل کرنا اور حاکم کا عادل ہونا۔

۲- تحمّل اور برداشت کا خوگر ہونا۔

۳- اپنے ماتحت لوگوں سے دوستی، مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرنا۔

۴- حاکم کا خود اپنے نفس کی اصلاح کرنا۔

۵- امت کے امُور کی تدبیر کرنا۔

۶- حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق الاموات کی پاسداری کرنا۔

اس کے علاوہ امیرالمومنین امام علی علیہ السلام نے ایسے سیاستدانوں اور ان کی سیاست کی مذمّت فرمائی ہے جو:

۱- عیّار، مکّار اور غدار ہوں، اور

۲- وہ حاکم اور سیاستدان جو نااہل ہوں۔

غرض لغت کی رو سے قدیم و جدید دانشوروں اور مفکرین کی تعریف کے لحاظ سے اور اس تعریف و معنیٰ کے اعتبار سے جو خود معصومین علیہم السلام نے سیاست کے فرمائے ہیں "لفظ سیاست نہ کوئی اجنبی لفظ ہے اور نہ معیوب بلکہ اس کے برعکس یہ ایک بافضیلت اور مستحسن عمل ہے۔

سیاست، آیاتِ قرآنی کی روشنی میں

جو چیز انسان کے لئے مفید اور سود مند ہے اس کا بھی ذکر قرآن میں موجود ہے اور جو مضر ہے اس کا بھی۔ حلال کا بھی ذکر ہے اور حرام کا بھی "طیبات بھی مذکور ہیں اور خبائث بھی "حسنات کا ذکر بھی ہے اور سیات کا بھی۔ قرآن، مظلومین و محرومین کی داد رسی کا بھی حکم دیتا ہے اور قیامِ عدل کا بھی۔ قرآن، انسان کو حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا ذمہ دار بھی قرار دیتا ہے اور کافرین اور ملحدین سے جنگ پر بھی ابھارتا ہے۔

کیا قرآنِ کریم سرکشی اور فساد کو اسلامی معاشرے سے قلع قمع کرنے کا حکم نہیں دیتا؟ اور کیا مذکورہ بالا تمام امور سیاست سے متعلق نہیں؟

اگر اسلامی معاشرہ سے فساد اور برائیوں کو ختم کرنا اور ایک صالح معاشرے کا قیام میں لانا سیاسی سرگرمیوں میں شمار ہوتا ہے تو کیا قرآن نے ان سرگرمیوں کو حرام قرار دیا ہے یا اس کے برخلاف انہیں انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کی ذمہ داری اور وظیفہ قرار دیا ہے؟

قرآنِ کریم کا ایک سرسری جائزہ ہی اس حقیقت کے ادراک کے لئے کافی ہے کہ اس میں ان تمام اقدامات کو بروئے کار لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ کلامِ مجید کا

بیشتر حصہ نظامِ سیاست کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ سیاست میں مطلوبہ خوبیوں اور غیر مطلوبہ خرابیوں کا تذکرہ بھی قرآن میں کیا گیا ہے۔

لہٰذا امام حسین علیہ السلام کہ جو مجسّمِ قرآن بلکہ خود قرآنِ ناطق ہیں ان کا کوئی عمل اور اقدام قرآن کے منافی اور خلاف کیوں کر ہو سکتا ہے۔

ہم یہاں معصومین علیہم السلام کی تعداد کی مناسبت سے چودہ ایسی آیات نقل کر رہے ہیں جن میں انبیاءؑ اور اولیاءؑ کی سیاست کا انداز اور طریقہ بیان کیا گیا ہے:

۱ — "اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں اپنا جانشین بنایا ہے لہٰذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کرو اور خواہشات کا اتباع نہ کرو تاکہ وہ تمہیں راہِ حق سے منحرف نہ کر دیں۔ بے شک جو لوگ راہِ خدا سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب ہے کہ انہوں نے روزِ حساب کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔"

(سورہ ص ۳۸۔ آیت ۲۶)

اس آیت میں خداوندِ عالم نے حضرت داؤدؑ کو خلیفہ بنانے کے بعد حکومت کرنے اور حکومت چلانے کا حکم دیا ہے۔

۲ — "بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں اور ہم نے لوہے کو بھی نازل کیا ہے جس میں شدید جنگ کا سامان اور بہت سے دوسرے منافع بھی ہیں اور اس لئے کہ خدا یہ دیکھے کہ کون ہے جو بغیر دیکھے اس کی اور اس کے

رسول کی مدد کرتا ہے اور یقیناً اللہ بڑا صاحبِ قوت اور صاحبِ عزت ہے۔"

(سورہ حدید ۵۷ - آیت ۲۵)

اس آیت میں خداوند عالم نے فلسفۂ بعثتِ انبیاء کو بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ انبیاء کی بعثت کا مقصد عدل و قسط کا قیام ہے اور قدرت وطاقت کے ذریعہ شریعتِ الٰہی کو نافذ کرنا ہے۔

۳ — "اللہ نے تم میں سے اہلِ ایمان اور صاحبانِ عملِ صالح سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں روئے زمین میں اسی طرح اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح پہلے والوں کو بنایا ہے اور انکے لئے اس دین کو غالب بنائے گا جسے ان کے لئے پسندیدہ قرار دیا ہے اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کردے گا وہ سب صرف میری عبادت کریں گے اور کسی طرح کا شرک نہ کریں گے اور اس کے بعد بھی کوئی کافر ہوجائے تو درحقیقت وہی لوگ فاسق اور بدکردار ہیں۔"

(سورہ نور ۲۴ - آیت ۵۵)

اس آیت میں خداوندِ عالم نے مومنین اور صالحین کی حکومت قائم کرنے کا وعدہ کیا ہے یعنی مقصد صالح حکومت کا قیام ہے۔

۴ — "یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دیا اور یہ طے ہے کہ جملہ امور کا انجام خدا کے اختیار میں ہے۔" (سورہ حج ۲۲ - آیت ۴۱)

اس آیت میں صاحبانِ اقتدار و قدرت کی صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

۵ — " پس آپ کے پروردگار کی قسم کہ یہ ہرگز صاحبِ ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپ کو اپنے اختلافات میں حَکَم نہ بنائیں اور پھر جب آپ فیصلہ کر دیں تو اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سراپا تسلیم ہو جائیں۔"

(سورہ نساء ۴- آیت ۶۵)

اس آیت میں خاتم الانبیاءؑ پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے کی واحد کسوٹی پیغمبرِ اکرمؐ کے فیصلوں کو بلاچون و چرا تسلیم کر لینے کو بیان کیا گیا ہے۔

۶ — " اور ہم نے توریت میں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔ اب اگر کوئی شخص معاف کر دے تو یہ اس کے گناہوں کا بھی کفارہ ہو جائے گا اور جو بھی خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کرے گا وہ ظالموں میں شمار ہو گا۔"

(سورہ مائدہ ۵- آیت ۴۵)

اس آیت میں قانونِ قصاص و دیات اور لوگوں کی جانوں کو تحفظ فراہم کرنے کا ذکر ہے۔

۷ — " جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں 'یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلا وطن کر دئے جائیں۔ یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے اس سے بڑی سزا ہے۔"

(سورہ مائدہ ۵ - آیت ۳۳)

اس آیت میں اللہ اور رسولؐ کے باغیوں اور فساد برپا کرنے والوں کے لئے سزا کا قانون بیان کیا گیا ہے۔

۸ — " نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے جالوت کے لشکر کو خدا کے حکم سے شکست دے دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ملک اور حکومت عطا کر دی اور اپنے علم سے جس قدر چاہا دے دیا اور اگر اسی طرح خدا بعض کو بعض سے نہ روکتا رہتا تو ساری زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن خدا عالمین پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔"

(سورہ بقرہ ۲ - آیت ۲۵۱)

اس آیت میں طالوت اور داؤد کو راہِ خدا میں جہاد کرنے اور ملک و حکومت عطا کرنے کا ذکر ہے۔

۹ — " پھر جب یہ محترم مہینے گزر جائیں تو کفار کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور گرفت میں لے لو اور قید کر دو اور ہر راستہ اور گزر گاہ پر ان کے

لئے بیٹھ جاؤ اور راستہ تنگ کردو۔"

(سورہ توبہ ۹۔ آیت ۵)

اس آیت میں خداوند عالم نے کفار کا گھیراؤ کرنے 'انہیں قتل کرنے اور انہیں جنگی قیدی بنانے کا حکم دیا ہے۔

۱۰ ۔ " اور تم سب ان کے مقابلہ کے لئے امکانی قوت اور گھوڑوں کی صف بندی کا انتظام کرو جس سے اللہ کے دشمن 'اپنے دشمن اور ان کے علاوہ ان کو کہ جن کو تم نہیں جانتے ہو اور اللہ جانتا ہے سب کو خوف زدہ کرو اور جو کچھ بھی راہِ خدا میں خرچ کرو گے سب پورا پورا ملے گا اور تم پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

(سورہ انفال ۸۔ آیت ۶۰)

اس آیت میں خدا نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ وہ دشمنوں اور کافروں سے مقابلہ اور جنگ کرنے کے لئے اسلحہ 'سازو سامان جنگ اور قوت و طاقت جمع کریں تاکہ دشمن خوف زدہ رہے اور مسلمانوں کے خلاف اٹھنے کی جرأت نہ کرے۔

۱۱ ۔ " اور آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں 'عورتوں اور بچوں کے لئے جہاد نہیں کرتے ہو جنہیں کمزور بنا کر رکھا گیا ہے اور جو برابر دعا کرتے ہیں کہ خدایا ہمیں اس قریہ سے نجات دیدے جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے کوئی سرپرست اور اپنی طرف سے مددگار قرار دیدے۔"

(سورہ نساء ۴۔ آیت ۷۵)

اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو کمزور مردوں، عورتوں، بچوں اور بے چارہ لوگوں کی حفاظت اور دفاع کے لئے قیام اور جہاد نہیں کرتے۔

۱۲ — " اے نبیؐ! اہلِ کتاب سے کہو کہ آؤ ایک منصفانہ کلمہ پر کہ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، اتفاق کرلیں۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور آپس میں ایک دوسرے کو خدائی کا درجہ نہ دیں اور اگر اس دعوت کو قبول کرنے سے وہ منہ موڑیں تو صاف کہدو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں۔"

(سورہ آل عمران ۳۔ آیت ۶۴)

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کو پرچمِ توحید تلے جمع ہونے کی دعوت دی گئی ہے اور مختلف قوموں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونے کا پیغام دیا گیا ہے۔

۱۳ — " اور اے نبیؐ! اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔"

(سورہ انفال ۸۔ آیت ۶۱)

اس آیت میں دشمن سے معاہدۂ امن کی پالیسی کی وضاحت کی گئی ہے۔

۱۴ — " مسلمانو جن مشرکین سے تم نے عہد وپیمان کیا تھا اب ان سے خدا اور رسولؐ کی طرف سے مکمل بیزاری کا اعلان ہے۔"

(سورہ توبہ ۹۔ آیت ۱)

اس آیت میں خداوندِ عالم نے مشرکین سے کیے گئے معاہدے کو ختم کرنے کا اعلان کیا ہے۔

ان آیاتِ الٰہی پر ذرا غور کیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ:

حکومت و قضاوت'

امربالمعروف و نہی عن المنکر (یعنی مملکت کے داخلی قوانین کی پاسداری) کے قوانین کا اجراء'

حدود و قوانین کا نفاذ'

جنگ و جہاد اور دفاع'

رعایا کی فلاح و بہبود اور ان کی حفاظت'

مالیات کا جمع کرنا'

دوسری اقوام کو مشترکہ نظریہ پر متحد ہونے کی دعوت دینا'

صلح و امن کے معاہدے کرنا اور خارجہ پالیسی متعین کرنا'

یہ سب اگر سیاسی عمل نہیں ہیں تو کیا ہیں؟ اور اگر ان امُور کو سیاست سے الگ کردیا جائے تو پھر سیاست میں کیا باقی رہ جاتا ہے؟

سیاست فقہ اسلامی میں

اس وقت تک کتبِ فقہ اور احادیث میں پچاس سے زیادہ ابوابِ فقہ ہمارے پاس موجود ہیں اور فقہاء عظام نے ان کو بحث و تحقیق کا مرکز بنایا ہوا ہے۔ ان ابوابِ فقہ سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ ایک اسلامی حکومت کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ان ابوابِ فقہ کا ایک بڑا حصّہ مالیات سے متعلق

امُور پر بحث کرتا ہے' ایک حصّہ دفاع اور جہاد سے متعلق امُور سے مربوط ہے' ابوابِ فقہ کا ایک حصّہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عنوان سے ملک کے داخلی دشمنوں سے نمٹنے کے اصولوں اور طریقوں پر بحث کرتا ہے۔

فقہ کے ابواب میں وہ ابواب بھی ہیں جو حاکمِ اسلامی کے لئے شرائط' اس کی صفات و صلاحیت اور اس کے اختیارات کے موضوع پر بحث کرتے ہیں۔

انسانی فطرت میں منافع و مصالح کے مواقع پر اختلاف و نزاع ایک عام اور فطری بات ہے اور کوئی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ چنانچہ ان امُور سے متعلق ان ابوابِ فقہ میں سے ایک' بابِ قضا' ہے' بابِ شہادت ہے' بابِ یمین ہے۔

اگر حکومتِ اسلامی کی تشکیل پیشِ نظر نہ ہو تو ابوابِ فقہ میں یہ تمام مباحث قدیم یونانی فلاسفہ کی بند کمرہ میں بحث کے مانند عبث اور بے سود ہوں گے اور اس بحث و گفتگو پر صرف ہونے والی مالی اور دیگر توانائیاں بھی بے فائدہ ثابت ہوں گی۔

زکوٰۃ' خمس' خراج' جزیہ اور دیگر مالیات جن کی وصولی اور ان کو مستحقین تک پہنچانے کا ذکر فقہ کے ان ابواب میں کیا گیا ہے کیا یہ سب ایک ایسے نظام کے محتاج نہیں جس کے تحت ان امُور کو امانتداری سے انجام دیا جائے؟

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصولوں کے مطابق ملک اور نظام کے داخلی دشمنوں سے نبرد آزما ہونے' دفاع و جہاد کے مذکورہ قوانین کے تحت خارجی دشمن اور اسلامی سرحدوں کے تحفظ اور دفاع کے لئے ایک قومی فوج کی تشکیل' ان کی جنگی تربیت' وقت کے تقاضوں کے مطابق جنگ و صلح کا اعلان کیا اپنی جگہ

ایک نظام کے محتاج نہیں؟

اگر اسلامی حکومت اور نظام نہ ہو تو ابوابِ فقہ میں موجود قانونِ قضاوت اور قانونِ شہادت بے کار اور بے معنی ہو کر نہ رہ جائیں گے؟ قرآن میں موجود احکامِ حدود و قصاص و دیت سب معطل ہو کر نہیں رہ جائیں گے؟

قدیم زمانے سے لے کر اب تک ہمارے مجتہدینِ عظام دوسرے ملکوں اور علاقوں میں رہنے والے علماء کو ایک اجازت نامہ صادر فرماتے رہے ہیں جس کو اجازۂ امورِ حسبیہ کہا جاتا ہے۔ اس اجازہ میں علماء کو اس علاقہ میں رہنے والے یتیم 'دیوانے' غائب 'مجہول المالک اور اوقاف کے اموال کی نگہداری اور حفاظت کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے تاکہ یتیم کے بالغ 'دیوانے کے عاقل اور غائب کے حاضر ہونے تک ان کے اموال خرد برد سے محفوظ رہیں۔ اگر کوئی خاص صاحبِ اجازہ عالم نہ ہو تو اس علاقہ میں رہنے والے عام عادل مومنین کو یہ اجازہ دیا جاتا ہے اور ان امور کی ذمہ داری ان پر واجب قرار دی جاتی ہے۔ لہٰذا وہ شریعتِ اسلامی جو ایک یتیم اور کسی دیوانے تک کے مال کے تحفظ کو اتنی اہمیت دیتی ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری کو عام عادل مومنین پر واجب قرار دیتی ہے وہ ملتِ اسلامیہ کی دولت و ثروت کی لوٹ مار پر کیسے خاموش رہ سکتی ہے؟ اور امورِ امت کو حرج و مرج میں کیونکر مبتلا رکھ سکتی ہے؟

یہ تمام احکامِ شریعہ جو اوپر بیان کئے گئے 'ائمۂ اطہارؑ کی روایات سے ماخوذ ہیں اور انہوں نے اپنے ماننے والوں کو ان احکامات پر سختی سے عمل کرنے کی تاکید کی ہے۔ لہٰذا یہ کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ امامؑ جن احکامات پر سختی سے عمل کرنے کی اپنے ماننے والوں کو تاکید کریں' ان احکام سے خود اپنے دور میں صرفِ

نظر کر کے خاموشی اختیار کر لیں۔؟ چنانچہ مدینہ سے کربلا تک سفر میں اثناءِ راہ جو لوگ امام حسینؑ سے ملے ان سے دورانِ گفتگو بنی امیّہ پر کی جانے والی تنقیدوں میں سے ایک سب سے بڑی تنقید یہی تھی کہ بنی امیّہ نے احکامِ خدا کو معطل کر رکھا ہے۔

بنی امیّہ کی خائن حکومت نے حدودِ شریعت کو معطل کر رکھا تھا۔ بیت المالِ مسلمین سے اسلام کے داخلی اور خارجی دشمنوں سے مدافعت کے لئے جس فوج کی پرورش کی جاری تھی اس فوج کو دوستدارانِ اہل بیتؑ اور شیعیانِ علیؑ کے خلاف انتقام لینے کے لئے استعمال کیا جارہا تھا۔ تمام اقتصادی درآمدات کا نظام یزید اور بنی امیّہ کے افراد کے خائن ہاتھوں میں تھا۔ مالیات جو اسلام کے لئے خرچ ہونا چاہئے تھیں وہ اسلام اور اہل بیتِ اطہار علیہم السلام کی دشمنی پر خرچ ہو رہی تھیں۔

ان حالات میں اسلام کی دولت پر دست درازی کرنے والے ان خائن ہاتھوں کو کاٹنا کیا امامؑ کی ذمہ داری نہیں تھی؟

اگر امام حسین علیہ السلام کے ان کلماتِ اور خطبات کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ بنی امیّہ کی بیت المال میں خیانت 'حدودِ شریعت کی معطلی اور پامالی اور بے گناہ بندگانِ خدا کا قتل ہی امامؑ کے قیام و نہضت کا سبب بنا۔ امام حسین علیہ السلام کے علاوہ اگر کوئی اور شخص قیامِ حکومت کے لئے اٹھتا تو کیا اس کے بیانات ان کلمات اور بیانات سے کچھ مختلف ہوتے جو امامؑ نے مدینہ سے کربلا تک اپنے سفر کے دوران فرمائے؟۔

اسلامی ریاست کی تشکیل میں رسول کریمؐ کا کردار

ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے بعد پیغمبرِ اکرمؐ نے جو سب سے پہلا قدم اٹھایا وہ ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل اور مسلمانوں کے درمیان آپس میں اخوت. اور برادری کا رشتہ قائم کرنا تھا۔ آپؐ نے اطراف میں رہنے والے یہودیوں سے ایک دوسرے کی حدود کی پابندی کرنے کا معاہدہ طے کیا۔ اس کے بعد دوسرے مرحلہ پر آپؐ نے جو اقدام کیا وہ ایک اسلامی حکومت کا قیام تھا جس میں آپؐ خود قضاوت فرماتے تھے، دشمن کے حملہ کے موقع پر اعلانِ جنگ کرتے تھے اور خود صلح کے معاہدے کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اطراف میں اپنے نمائندوں کو سفیر بنا کر بھیجتے تھے۔ کیا مدینہ اور اس کے گردونواح میں کوئی ایسا حکومتی ادارہ تھا کہ جو پیغمبرؐ کی ذات سے جدا ہو؟۔

سیرتِ امیرالمومنین امام علی علیہ السلام

حضرت علیؑ نے اپنے دورِ خلافت میں جنگِ جمل، جنگِ صفین اور جنگِ نہروان کے نام سے تین بڑی جنگیں لڑیں۔

کیا یہ جنگیں اسلامی حکومت کے خلاف ہونے والی بغاوتوں کے خلاف نہیں تھیں؟

کیا یہ جنگیں اسلامی حکومت کے استحکام اور اس کے دفاع کے لئے نہیں تھیں؟

کیا باغی افراد علیؑ کی اسلامی حکومت کو ختم کرنے کے درپے نہیں تھے اور کیا علی علیہ السلام اس اسلامی حکومت کی بقا اور اس کے استحکام کے لئے باغیوں

سے نبرد آزمانہ ہوئے؟

مانناپڑے گا کہ یہ تمام جنگیں علیؑ نے اپنی اسلامی حکومت کی بقااور اس کے استحکام کے لئے لڑیں۔ لہٰذا اسلامی حکومت کے استحکام کے لئے اگر جنگ کرنا واجب ہے تو اسلامی حکومت کی تشکیل بھی واجب ہے۔

سیاست جزو دین ہے

دین ایک حکمت ہے۔ حکماء کے نزدیک حکمت کے دو حصہ ہیں:۔

(ا) حکمتِ نظری:۔ حکمتِ نظری وہ حکمت ہے جو اس کائنات کے موجودات کے اسباب و علل کے بارے میں بحث کرتی ہے اور انہیں تلاش کرتی ہے۔

(۲) حکمتِ عملی:۔ وہ حکمت ہے جو انسانی زندگی کو استوار کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ زندگی کو کیسے بسر کیا جائے۔ حکماء حکمتِ عملی کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:۔

(الف) تزکیہ نفس یا تہذیبِ اخلاق:۔

اگر حکمت انسان کے نفس کی تربیت اور شخصی زندگی بنانے میں رہنمائی کرے اور انفرادی زندگی سے مربوط ہو تو اسے تزکیہ نفس یا تہذیبِ اخلاق کہتے ہیں۔

(ب) تدبیرِ منزل:۔

اگر حکمت انسان کی گھریلو زندگی کی رہنمائی کرے کہ انسان کو اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ کیسا سلوک اور کیا روابط رکھنے چاہیں تو

اسے تدبیرِ منزل کہتے ہیں۔

(ج) سیاستِ مدن:۔

اگر حکمت انسان کو گھر سے باہر اپنے معاشرے کے بارے میں ہدایت کرے تو اسے "سیاستِ مدن" کہتے ہیں۔ اور جو معاشرے میں رائج نظامِ حاکم اور معاشرے کے افراد کے بارے میں روابط اور ضوابط کا تعین کرے اسے "سیاست" کہتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جو ضابطہ اور نظام اس دین میں موجود ہے جسے انبیاءؑ لے کر آئے ہیں آیا اس میں صرف تزکیۂ نفس اور تہذیبِ اخلاق کا ذکر ہے یا اس کے علاوہ گھریلو زندگی اور افرادِ خانہ کے ساتھ انسان کے روابط اور ضوابط کا بھی ذکر ہے یا اس سے بڑھ کر معاشرے میں اجتماعی روابط و ضوابط کے اصول بھی موجود ہیں۔ چنانچہ وہ قرآنی آیات جن میں بعثتِ انبیاءؑ کے فلسفہ کا ذکر ہے وہاں یہ تمام اصول بیان ہوئے ہیں۔ قرآن میں قیامِ قسط و عدالت کو فلسفۂ بعثتِ انبیاءؑ کی روح قرار دیا گیا ہے جیساکہ سورہ حدید کی آیت ۲۵ میں ذکر ہوا ہے۔

اس کے علاوہ دینِ مقدسِ اسلام میں بعثتِ انبیاءؑ کا ایک اہم مقصد ظلم و ستم کا شکار اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزاد کرانا ہے جیساکہ سورہ اعراف کی آیت ۱۵۷ میں بیان ہوا ہے۔

غرض دینِ اسلام میں انسانی وجود کی تمام ابعاد کا ذکر ہے کہ روح کی تربیت کس طرح کی جائے، روح کو کس طرح پاک رکھا جائے، روح کو علم و عقل سے آراستہ کرنے کا بھی حکم ہے، انسانی جسم کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے ان کا بھی تذکرہ ہے۔ اسلام نے خورد و نوش سے متعلق چیزوں کو بھی بیان کیا ہے،

گھر اور اس میں مسکن بنانے کی ہدایات بھی موجود ہیں۔

اسلام حیاتِ انسانی کی سعادتِ حقیقی کو آخرت سے مربوط کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ آخرت کی سعادت دنیا میں عملِ صالح سے مربوط ہے۔ اس دینِ مقدس میں غرائز و شہوات کی طلب و تسکین کا بھی ذکر ہے۔ اور اس کے ساتھ ان کو کنٹرول اور قابو میں رکھنے اور حد سے تجاوز نہ کرنے دینے کا بھی حکم ہے۔ جہاں انسان کی انفرادی زندگی کے جائز مطالبات اور طلب کو پورا کرنے کے احکام موجود ہیں وہاں اجتماعی زندگی کے مسائل کا حل بھی بیان ہوا ہے۔ مملکت کے داخلی روابط کا ذکر بھی ہے تو دوسری مملکتوں سے خارجی روابط کی ہدایات بھی پائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی تجاوز اور استعمارگری کرے تو اس سے جنگ کا حکم بھی ہے اور دوستی کی صورت میں صلح، امن اور آشتی کا ذکر بھی موجود ہے۔

اسلام کی اس ہمہ گیری اور گہرائی پر ذرا نظر ڈالیں اور فیصلہ کریں کہ دین کا کون سا شعبہ سیاست کے منافی ہے؟ بلکہ دین کا کون سا گوشہ سیاست سے خالی ہے؟ اس کے علاوہ دین کے وہ پہلو جنہیں عبادی کہا جاتا ہے۔ جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ، ان میں بھی اجتماعی اور سیاسی مسائل کو ایک خاص اور اہم مقام حاصل ہے۔ اور وہ پہلو جنہیں اجتماعی مسائل کہا جاتا ہے جیسے تجارت، کسب معاش، جہاد، روابط و تعلقات وغیرہ، یہ سب دین میں عبادت شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ دین سیاست سے متصادم نہیں بلکہ دین عین سیاست ہے۔

مغربی مفکرین کی آراء

برٹینڈ رسل کہتا ہے کہ:۔

"اسلام ایک سیاسی دین ہے جو معاشرے کی رہبری کرتا ہے۔ اجتماعی اور انفرادی زندگی میں اس کی جڑیں۔ بہت گہری ہیں"۔

اور افینشا کہتا ہے کہ:۔

"لوگ ایک ایسے دین کی تلاش میں رہتے ہیں جو ان کی دنیاوی ضروریات کو پورا کرتا ہو' جو صرف جذبات اور احساسات پر منحصر نہ ہو۔ اس وقت دنیا میں دینِ اسلام کے سوا کوئی دین نہیں ہے جس میں یہ خصوصیات پائی جاتی ہوں۔ صرف دینِ اسلام ہے جو تنہا مذہبی رسومات کا ہی حامل نہیں بلکہ اس میں انسانی زندگی کے مسائل بھی موجود ہیں' جو اچھی سوچ کی دعوت دیتا ہے' اچھی باتیں سکھاتا ہے اور نیک اور صالح اعمال کی دعوت دیتا ہے۔"

ڈاکٹر شاخت کہتا ہے کہ:۔

"اسلام کا صحیح معنوں میں نشر ہونا ظالم استعمار اور ان کے ایجنٹوں کے مفادات کو چیلنج کرنا ہے۔ اسلام چونکہ استعمار کا دشمن ہے اسی لئے وہ افراط و تفریط کا بھی دشمن ہے اور ایک صالح نظام کا حامی ہے۔ لہٰذا سیاست اس کا ایک بڑا حصّہ ہے۔ دین کے علاوہ اسلام میں قوانین بھی ہیں اور سیاست بھی۔ اسلام میں موجود ثقافت دین و حکومت اور دین و سیاست دونوں پر محیط ہے۔"

(نقل از نظامِ سیاسی۔ ص ۱۴' باقر شریف قرشی)

سیاست سے مسلمانوں کی نفرت کی وجوہات

ہمارے معاشرے میں سیاست ایک مکروہ اور ناپسندیدہ لفظ سمجھا جاتا ہے۔

یہاں تک کہ اگر کسی مومن کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جائے تو وہ اسے اپنے لئے دشنام سمجھتا ہے۔ دراصل مسلمانوں کی سیاست اور حکومت سے نفرت کی چند وجوہات ہیں مثلاً:۔

(۱) طاغی 'جبّار اور ظالم سیاستدانوں اور حکمرانوں نے عرصۂ دراز سے ظلم وجور کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ ظالم و مجرم سیاستدان خود عیش وطرب کی زندگی بسر کرتے رہے ہیں اور عوام کو خصوصاً اہلِ حق کو ظلم و جور کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔ چنانچہ عوام کے سامنے جب بھی سیاست اور حکومت کا نام لیا جائے تو ذہنوں میں بے ساختہ ان ظالم وجابر سیاستدانوں اور حکمرانوں کے مکروہ چہرے اور ان کے مظالم ودرندگی کا تصوّر ابھر کر سامنے آتا ہے اور بدقسمتی سے اسی ظلم وجور کا تصور سیاست اور حکومت کا مفہوم بن کر ذہن پر چھا جاتا ہے۔

(۲) مسلمانوں کی سیاست و حکومت سے نفرت کی دوسری وجہ اہلِ حق کا تقیّہ ہے۔ یہ اہلِ حق ہی خاص طور پر حکمرانوں اور سیاستدانوں کے مظالم کا نشانہ بنتے رہے ہیں کیوں کہ اربابِ سیاست و حکومت انہی کو ہمیشہ اپنا حریف سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اپنی جانیں محفوظ رکھنے کے لئے یہ ہستیاں سیاست سے گریز بھی کرتی رہیں اور اس کی مذمّت بھی۔ چنانچہ بنی امیّہ کے دور میں شیعوں پر مظالم کی انتہا ہو چکی تھی۔ اگر کسی محبِ اہل بیتؑ کو شیعہ (یعنی علیؑ کی حزب اور پارٹی والا) کہتے تو وہ اسے پسند نہ کرتا' جب کہ اس کے برعکس وہ زندیق کہلوانا گوارا کر لیتا تھا۔

(۳) سیاست سے نفرت کا ایک سبب درباری علماء ہیں جنہوں نے دنیا کی خاطر اپنے دین کو فروخت کیا۔ ان لوگوں نے جابر حکومتوں میں شامل ہو کر اور ان حکومتوں کا جزبن کر نہ صرف یہ کہ ان کے ظلم و جبر پر سکوت اختیار کیا بلکہ اپنی وفاداریاں ثابت کرنے کے لئے ان ظالم حکومتوں کے آلۂ کار بن کر خود بھی ظلم و جور کرتے رہے۔ چنانچہ علماءِ سُو کے اس مکروہ کردار نے عام مسلمانوں کو سیاست سے متنفر کر دیا اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ کیونکہ علماء کا مقدّس طبقہ بھی اس میدان میں جا کر عدل و انصاف' دین و شریعت کا دامن چھوڑ بیٹھتا ہے اس لئے یقیناً سیاست ایک مذموم اور مکروہ چیز ہے۔

(۴) مسلمانوں کی سیاست سے کراہت کا ایک سبب وہ دنیا پرست لوگ بھی رہے ہیں جو حکومت کے خفیہ ایجنٹ کا کردار ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے دین کا نقاب ڈال کر سیاسی سرگرمیاں شروع کیں تاکہ دینی عناصر کا کھوج لگا سکیں۔ لہٰذا ائمۂ اطہار علیہم السلام نے اس قسم کی تحریکوں اور سرگرمیوں کی مذمت کی جس کے نتیجہ میں سیاست ایک نفرت انگیز چیز بن کر رہ گئی۔

(۵) سیاست سے عام مسلمانوں کی نفرت کی ایک بڑی وجہ استعمار کا عالمی پروپیگنڈا ہے جس نے دین و سیاست کو جدا کرنے کی بھرپور مہم چلائی۔ چنانچہ ان کی تبلیغات اور پروپیگنڈے کے نتیجہ میں حقائق پس پردہ چلے گئے اور لوگ سیاست سے متنفر ہو گئے۔

(۶) ائمہ علیہم السلام کے دور میں بعض لوگوں نے مہدویت کا

دعویٰ کیا اور اس دعویٰ کی آڑ میں اپنی حکومت کا جھنڈا بلند کیا۔ چنانچہ ائمۂ اطہارؑ نے لوگوں کو متنبّہ کیا اور ان لوگوں سے علیحدہ رہنے کی تاکید کی کہ یہ طاغوت کا پرچم ہے۔ لہٰذا لوگ سیاست سے دور رہے۔

دین اور سیاست میں جدائی کے اسباب

دین اور سیاست میں جدائی چند گروہوں کی وجہ سے آئی۔

پہلا گروہ:-

یہ وہ لوگ ہیں جن کے نزدیک دین کا تصوّر یہ ہے کہ ----دین ٗاعتقادِ قلبی ٗسلوک و اخلاق اور چند رسومات کے سوا کچھ نہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک دین صرف انسان کے دل سے مربوط ہے ٗاگر کوئی شخص دین دار ہے تو وہ دین صرف آخرت میں اس کے کام آئے گا کیوں کہ دین فقط آخرت سے مربوط ہے۔ دنیاوی کاموں اور دنیاوی کاروبار سے اس کا کوئی تعلق و سروکار نہیں۔ ان کے نزدیک اس سے زیادہ دین اگر کچھ ہے تو وہ ---چند خیراتی اداروں میں حصّہ لینا یتیموں اور بیواؤں کے حال زار پر نظر رکھنا اور اسی جیسے کچھ دوسرے سماجی کاموں میں شمولیت اور بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ان لوگوں نے دین کے بارے میں یہ تصوّر اور خیال آج کے مسیحیوں سے لیا ہے۔

صنعتی انقلاب سے پہلے اہلِ کلیسا دین کے نام پر لوگوں کے جان ومال اور آبرو پر بغیر کسی دلیل اور جواز کے حکومت کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ حقائق سے

منکر ہو گئے۔ یہ صرف حکومت کرنا جانتے تھے اور کچھ نہیں۔ جب صنعتی انقلاب آیا، مادیت نے ترقی کی اور حکومت ان سے چھن گئی تو یہ ان کے مقابلہ میں استقامت نہیں کر سکے جس کے نتیجہ میں وہ دین کو بہت پیچھے لے گئے اور امورِ زندگی کلی طور پر انقلابیوں کے ہاتھ میں آگئے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ انہوں نے اپنی شکست کو مذہبی رنگ دے کر کہنا شروع کیا کہ دین صرف انسان کے دل سے اور اس کے امورِ آخرت سے مربوط ہے۔ دین کا دنیا سے نہ کوئی واسطہ ہے اور نہ دنیاوی امور میں اس کا کوئی دخل ہے۔ ادھر جن لوگوں نے زمامِ زندگی کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا انہوں نے بھی اس ڈر سے کہ کہیں دین پھر سے ان کے امور میں دخل انداز نہ ہو جائے ان سے یہی کہلوایا اور اسی فکر کو رواج دیا کہ دین، سیاست سے جدا ہے۔

حقیقتاً یہ عیسائیت تھی بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ اس وقت کے مسیحی علماء تھے جنہوں نے اس فکر کو پروان چڑھنے کا موقع دیا۔ کیوں کہ ان مسیحی علماء کے پاس یا تو علم نہیں تھا یا کوئی فکر نہیں تھی یا پھر انہیں دین سے آشنائی نہیں تھی اور یہ صرف دین کے نام پر حکومت کر رہے تھے۔ اور اگر یہ علم و فکر رکھتے تھے اور دین سے آگاہی بھی رکھتے تھے تو پھر انہیں اپنے مادی اور دنیاوی مفاد کی قربانی گوارا نہ تھی۔ یا پھر مسیحی دین تحریف ہو کر ان تک پہنچا تھا۔ کیوں کہ یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ دینِ مسیح حقیقی شکل میں ان کے پاس نہیں تھا۔

لیکن اس کے برخلاف دینِ مقدّسِ اسلام نے کبھی اپنی اصالت اور حقیقت کو نہیں کھویا۔ تمام استعماری مصائب اور مظالم جھیلنے کے باوجود دینِ اسلام اپنی اصلیت برقرار رکھے ہوئے ہے اور آج تک اس میں کسی کجی، خامی یا نقص کی

نشاندہی نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ دینِ مقدسِ اسلام کا ہمیشہ سے یہ دعویٰ رہا ہے اور آج بھی اس کا یہ چیلنج ہے کہ دنیا اگر اسلام اور اسلامی نظام کو قبول کرلے تو یہ آج بھی انسان کے نظامِ حیات کو ہاتھ میں لے کر بنی نوع انسان کو ساحلِ سعادت تک پہنچا سکتا ہے۔

لہٰذا وہ گروہ جو دین کو چند عقائد' اخلاقی اقدار اور چند رسومات تک محدود سمجھتا ہے وہ یا تو جاہل ہے اور دین سے کما حقہ' آشنائی نہیں رکھتا۔ یا پھر —— یہ گروہ استعمار کے ہاتھوں میں بکا ہوا ہے اور استعمار کی خدمت میں اسلام کے خلاف کام کر رہا ہے۔

دوسرا گروہ:۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو مادیت کے علاوہ کسی غیر مادی وجود کا قائل ہی نہیں۔ یہ گروہ دین کو انسانی ذہن اور فکر کی پیداوار سمجھتا ہے یا جہلِ انسانی کی پیداوار قرار دیتا ہے۔ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کے اندر جو خوف ہے اس کے نتیجہ میں دین وجود میں آیا ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ اسے سرمایہ داروں نے مستضعفین اور محرومین کو خاموش اور قانع رکھنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ فقرا اور محرومین کا پیدا کردہ ہے کہ جو سرمایہ داروں پر قناعت نہ کر سکے چنانچہ انہوں نے اپنی تسکین کے لئے دین کو پیدا کیا۔

غرض یہ گروہ دین کو انسانی فکر یا جہلِ انسانی کی پیداوار سمجھتا ہے اور سرے سے دین کی ضرورت ہی کا منکر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حیاتِ انسانی ہر روز تغیر و تبدل سے دوچار ہوتی رہتی ہے' ہر روز نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں

اس لئے دین جو ایک ہزار سال پہلے کی فکر پر مبنی ہے وہ آج کے مسائل کیوں کر حل کر سکتا ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک دین اور سیاست دو جدا جدا چیزیں ہیں اور دین انسانی مسائل کو حل نہیں کر سکتا۔

تیسرا گروہ:۔

ان کا کہنا ہے کہ جو شخص سیاست میں ہے وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مجبور ہوتا ہے کہ اخلاقی مسائل اور اپنے اعتقادات کو بالائے طاق رکھے۔ اس سلسلے میں وہ بے شمار مثالیں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیاستدانوں کا ہمیشہ یہ طریقہ کار رہا ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر اپنے وعدوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں' وہ اپنے اقتدار کی خاطر اپنے عزیز ترین افراد کو قتل کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے' باپ بیٹے کو قتل کر دیتا ہے اور بیٹا باپ کو۔ بے گناہ افراد کا خون بہانا ان کے نزدیک معمولی بات ہے۔ مثال کے طور پر معاویہ نے امام حسنؑ کے ساتھ صلح کی اور صلح کے معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد کہا کہ "جو معاہدہ میں نے حسنؑ ابن علیؑ کے ساتھ کیا وہ سب میرے پاؤں کے نیچے ہے۔"

غرض اس گروہ کا کہنا ہے کہ سیاست اور دین دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں لہٰذا بقول ان کے بہتر یہ ہے کہ سیاست کو دین سے جدا رکھا جائے۔

درحقیقت ان لوگوں نے سیاست کے اس اصلی مفہوم و معنی کو نہیں سمجھا جسے عقلا' حکماء اور علماء نے بیان کیا ہے۔ ان لوگوں نے ظالم اور ستم پیشہ لوگوں کے کردار کو سیاست سمجھا ہے۔ انہوں نے سیاست کے اس مکروہ چہرہ کو دیکھا ہے

جو آج دنیا میں رائج ہے۔ اور یہی اسباب سیاست سے ان کی نفرت کی وجہ ہیں۔

سیاسی عمل کی کسوٹی

یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ امام حسین علیہ السلام کا قیام سیاسی تھا یا نہیں' ضروری ہے کہ ہمارے پاس کوئی کسوٹی اور ایسا معیار موجود ہو جس کے ذریعہ ہم سیاسی اور غیر سیاسی عمل کے درمیان حدِ فاصل قائم کر سکیں اور بلا تردد یہ کہہ سکیں کہ فلاں عمل سیاسی ہے اور فلاں عمل غیر سیاسی۔ لیکن کم از کم:۔

☆ ہر وہ عمل اور گفتار و رفتار سیاسی کہلائے گی جو کسی معاشرے کے نظام سے مربوط ہو اور اس کے قانون سے متعلق ہو خواہ وہ منفی ہو یا مثبت۔

☆ ہر وہ مزاحمت جو کسی معاشرے پر مسلط حاکم کے خلاف کی جائے وہ سیاسی عمل کہلائے گی۔

☆ کسی معاشرے پر مسلط حاکم کا ہر وہ عمل جو اپنی حکومت کے دوام کے لئے ہو یا اپنی حکومت کے حریف اور مخالفین کو کچلنے اور دبانے کے لئے ہو اسے سیاسی عمل کہا جائے گا۔

سیاسی سرگرمیاں درج ذیل پہلوؤں پر مشتمل ہو سکتی ہیں:۔

○ حصولِ اقتدار کے لئے سرگرمی۔

○ حکومت کے خلاف یا اس کی کسی پالیسی کے خلاف مزاحمت۔

○ ملک کے نظامِ قانون کے خلاف مزاحمت یا پورے نظام کی تبدیلی اور حکومت کا ڈھانچہ بدلنے کے لئے سرگرمی۔

○ بیرونی استعمار کی مداخلت اور اس کی پالیسیوں اور سرگرمیوں کے خلاف قیام۔

ان چار قسم کی سرگرمیوں کی تشریح ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

(۱) حصولِ اقتدار کے لئے سرگرمی:۔

ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اجتماع میں اس کو طاقت و قدرت حاصل ہو اور دوسروں پر اس کا غلبہ ہو۔ یہ ہر شخص کی فطری خواہش ہوتی ہے اور اس کو صراع علی السلط یعنی سیاست برائے حصولِ اقتدار کہا جاتا ہے۔

حصولِ اقتدار کے لئے سرگرمیوں کی بھی چار قسمیں ہو سکتیں ہیں:۔

(الف) پہلی قسم کے مصداق وہ لوگ ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ منصبِ حکومت ہمارا خاندانی حق ہے اور حکومت کرنا اور قانون بنانا دونوں ہمیں ہی زیب دیتے ہیں۔ اس دعوی کو ملوکیت کہتے ہیں۔ تاریخ کے وہ بادشاہ جو خود کو خدا پرست کہتے تھے وہ یہ دعوی کرتے تھے کہ سلطنت اور حکومت ہم کو اور ہمارے خاندان کو خدا نے دی ہے۔ لہٰذا ان کے بعد ان کی نسل اور خاندان کے لوگ وراثت کی بنیاد پر حکومت کا دعوئی کرتے تھے۔ ان لوگوں نے نہ کبھی یہ دعوئی کیا کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے اور نہ یہ کہ ان پر فرشتہ نازل ہوتا ہے۔ ان کا دعویٰ صرف یہ تھا کہ حکومت ہم کو خدا کی طرف سے ملی ہے اور اس دعوی کی دلیل میں یہ کہتے تھے کہ اگر خدا نہ چاہتا تو حکومت ہم کو نہ ملتی۔ لہٰذا حکومت کا ہمارے ہاتھ میں ہونا ہی اسی بات کی دلیل ہے کہ ہم خدائی مرضی سے حکومت کر رہے ہیں۔

(ب) حصولِ اقتدار کے لئے سرگرمیوں کی دوسری قسم طاقت اور قدرت کے بل پر حکومت حاصل کرنا ہے۔ یعنی جو بھی طاقت اور قدرت کے ذریعہ غلبہ حاصل کرلے حکومت اسی کا حق ہے۔ چنانچہ اہل سنّت والجماعت کے نزدیک جو بھی طاقت اور قدرت کے ذریعہ تختِ خلافت حاصل کرلے اس کے خلاف قیام جائز نہیں۔

(ج) حصولِ اقتدار کے لئے سرگرمیوں کی تیسری قسم اجماع اور اتفاق کے ذریعہ حکومت حاصل کرنا ہے۔ یعنی حکومت اس کا حق ہے جس پر لوگوں کا اتفاق اور اجماع ہو جائے۔ ایسی حکومت کو جمہوری حکومت بھی کہا جاتا ہے اور ایسی ہی حکومت علماء اور مفکرین کی توجہ کا مرکز ہے۔

(د) ایسی سرگرمیوں کی چوتھی قسم ایسی حکومت کا حصول ہے جسے خلافت و امامت کہتے ہیں۔ ایسی حکومت کے داعی کو خلیفہ یا امام کہا جاتا ہے۔ خلفاء اور ائمہ اس منصب کے دعویٰ کی حقانیت کے ثبوت کے لئے نصبِ الٰہی سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلیفہ یا امام کو منصوب کرنا اللہ کا حق ہے جیساکہ قرآن کی آیات سے واضح ہے کہ:۔

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (سورہ بقرہ ۲ آیت ۳۰)

إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (سورہ بقرہ ۲ آیت ۱۲۴)

إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (سورہ ص ۳۸ آیت ۲۶)

یہ ذوات حکومت کا حق ان لوگوں کے لئے قرار نہیں دیتیں جو طاقت اور قدرت رکھتے ہیں اور نہ ہی ان لوگوں کا حق کہ جن پر لوگوں کا اتفاق اور اجماع ہو گیا ہو۔ بلکہ ان کے نزدیک یہ صرف ان ہستیوں کا حق ہے جنہیں دلیل اور برہان کے ساتھ خداوندِ عالم نے منصوب کیا ہو اور جن کا نصب العین زمین پر الٰہی حکومت نافذ کرنا ہو۔ شیعہ نقطہ ٔنظر کے تحت خلافت اور حکومت صرف انہیں لوگوں کا حق ہے اور اگر اس گروہ کو یہ منصب نہ ملے تو اس کے حصول کے لئے جدوجہد کرنا واجب اور ضروری ہے۔ چنانچہ اس کے واجب اور ضروری ہونے کی دلیل میں ائمہ علیہم السلام کے اقوال بھی ملتے ہیں اور خود انؑ کی سیرتِ طیّبہ میں بھی اس کے شواہد موجود ہیں۔

(۲) کسی حکومت کے خلاف یا اس کی کسی پالیسی کے خلاف مزاحمت:۔

حاکم چونکہ کرسیٔ اقتدار پر ہوتا ہے' وہ اپنی رعایا کو امرونہی کرتا ہے اور ان کے لئے حدود و قیود متعین کرتا ہے۔ یہ اوامرونواہی رعایا میں سے بعض لوگوں پر گراں گزرتے ہیں اور ان کے لئے قابلِ تحمل نہیں ہوتے اس لئے یہ لوگ حکومت کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ نیک اور صالح نہیں ہوتے بلکہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کوئی حکومت اور نظام نہیں چاہتے بلکہ ایک حیوانی زندگی چاہتے ہیں یا پھر اپنی خواہشات کے مطابق اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جس کے نتیجہ میں حکومت کو ان کی مزاحمت کو کچلنا پڑتا ہے۔ کبھی مسئلہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ حکومت کی طرف سے قیود و پابندی اور اوامرونواہی کے نفاذ میں حاکم اپنے اختیارات سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں لوگ

حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جب کہ حکومت اپنی بقا کے لئے ان لوگوں کو دباتی ہے۔

(۳) ملک کے نظامِ قانون کے خلاف یا پورے نظام کی تبدیلی اور حکومت کا ڈھانچہ بدلنے کے لئے سرگرمی:۔

یہ نزاع عموماً حکومت کی شکل اور ڈھانچہ کے بارے میں ہوتا ہے مثلاً کچھ لوگ بادشاہی اور ڈکٹیٹرشپ کے خواہاں ہوتے ہیں جب کہ دوسری طرف لوگ جمہوریت چاہتے ہیں۔ پھر جمہوریت میں بھی کچھ لوگ پارلیمانی نظام کے خواہاں ہوتے ہیں اور کچھ صدارتی نظام' کوئی پارٹی کی بنیاد پر حکومت چاہتا ہے اور کوئی قومی بنیاد پر' کوئی ایسی جمہوریت چاہتا ہے جو دین و مذہب سے آزاد ہو اور کوئی دین و مذہب کی بنیاد پر ایک الٰہی حکومت کا خواہشمند ہوتا ہے۔

(۴) بیرونی ممالک کی مداخلت اور ان کی پالیسی اور سرگرمیوں کے خلاف مزاحمت:۔

یہ ایک حکومت کا دوسری حکومت کے ساتھ نزاع ہے۔ یعنی کبھی دو حکومتیں اپنے سیاسی' جغرافیائی یا اقتصادی نزاع کی بناء پر آپس میں نبرد آزما ہو جاتی ہیں اور ایک حکومت دوسری حکومت کے مقدرات سے کھیلنے کے لئے اس سے جنگ کرتی ہے اور اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے۔ کبھی کسی ملک کے رہنے والے باہر کے ملکوں کی مداخلت اور عزائم کو روکنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ کبھی باہر کی کوئی دو حکومتیں کسی تیسری مملکت پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے آپس میں جنگ کرتی ہیں۔

بہر حال حکومتوں کے خلاف جب بھی اور جو بھی مزاحمت اٹھتی ہے وہ ان

چار قسم کی مزاحمتوں سے علیحدہ نہیں۔ اور مزاحمت کی یہ چاروں قسمیں سیاسی ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کے قیام کو ان چار شقوں میں سے جس کسی شق میں شمار کیا جائے ہر حال میں سیاسی عمل کہلائے گا۔

---☆---☆---

امام حسینؑ کا قیام

بنی امیہ اور ان کے حامیوں کی نظر میں

امام حسینؑ کی تحریک میں آپؑ کے مدِ مقابل بنی امیہ تھے، فریقِ مخالف ہونے کے ناطے فطری طور پر بنی امیہ امامؑ کے ارادوں سے اچھی طرح واقف تھے اور امامؑ کے اقدام سے قبل، تحریک کے دوران اور آپؑ کی مظلومانہ شہادت کے بعد بھی امامؑ کے اہداف و مقاصد کے بارے میں ان کے کلمات میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور کسی موقع پر یہ اظہار نہیں ہوتا کہ یہ جنگ کسی غلط فہمی کی بنا پر وجود میں آئی تھی۔ آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ بنی امیہ کی نمایاں شخصیات اور ان کے حامی امام حسینؑ کے قیام کو کس نظر سے دیکھ رہے تھے۔

معاویہ ابنِ ابو سفیان

جب معاویہ کے مرض نے شدت اختیار کی اور وہ موت کے قریب پہنچا تو اس نے یزید کے نام ایک وصیت نامہ تحریر کیا جس میں لکھا کہ:

"اے فرزند! میں نے تمام شر اور مصیبت کو اپنے حصہ میں لے کر تمہارے لئے راہ ہموار کر دی ہے، تمہارے دشمنوں کو ذلیل و

خوار کر دیا ہے اور اہلِ عرب کی گردنوں کو تمہارے لئے جھکادیا ہے۔ البتہ تمہارے لئے تین آدمیوں سے ڈرتا ہوں جو خلافت کے مسئلہ میں تم سے جنگ کریں گے اور وہ یہ ہیں:

(۱) حسینؑ ابن علیؑ

(۲) عبداللہ ابن عمر اور

(۳) عبداللہ ابن زبیر

اس کے بعد معاویہ کہتا ہے کہ:

"لیکن اہلِ عراق حسینؑ کو نہیں چھوڑیں گے اور وہ حسینؑ کو میدان میں نکال لائیں گے۔"

(حیاتِ امام حسینؑ۔باقر قرشی۔ج ۲۔ص ۲۳۷ نقل از تاریخ ابن اثیر۔ج ۳۔ص ۲۵۹)

یزید ابن معاویہ

یزید نے عبیداللہ ابن زیاد کو گورنری کا حکم نامہ جاری کرتے ہوئے کہا کہ:

"کوفہ میں میرے لوگوں نے مجھے خبر دی ہے کہ مسلم بن عقیل وہاں لوگوں کو جمع کر رہے ہیں' وہ یہ کام مسلمانوں میں اختلاف پھیلانے کے لئے کر رہے ہیں۔ تم جلد کوفہ پہنچو 'مسلم کو تلاش کرو اور ان کو گرفتار کرو یا قتل کر دو یا جلاوطن کر دو۔"

(حیاتِ امام حسینؑ۔باقر قرشی۔ج ۲۔ص ۳۵۴ نقل از البدایہ والنہایہ۔ج ۸۔ص ۱۵۲)

یزید کو جب امام حسینؓ کے مکہ پہنچنے کی خبر ملی تو اس نے عبداللہ ابن عباس کو ایک خط لکھا کہ:

"مجھے خبر ملی ہے کہ حسینؓ مکہ آئے ہیں اور میرا خیال ہے کہ مشرق (کوفہ) کے کچھ لوگ ان کو خلافت کا لالچ دے رہے ہیں۔
آپ اہلِ کوفہ سے آگاہ ہیں اور ان کے بارے میں تجربہ بھی رکھتے ہیں اگر وہ ایسا کوئی قدم اٹھائیں گے تو قرابت کے رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ آپ اس خاندان کے بزرگ شخص ہیں، خاندان کی نظریں آپ پر ہیں۔ حسینؓ کو امت میں تفرقہ ڈالنے سے باز رکھیں۔"

یہ لکھ کر اس نے کچھ طویل اشعار بھی اپنے خط میں تحریر کیے۔

(نقل از تاریخِ دمشق۔ابن عساکر۔ص ۲۰۳)

دربارِ یزید میں جب اس کے سامنے سرہائے شہدا اور حرمِ حسینؓ کو پیش کیا گیا تو یزید نے اہلِ دربار سے دریافت کیا کہ:

"تم جانتے ہو کہ حسینؓ پر یہ دن کیوں آیا۔" پھر خود ہی جواب دیا کہ:

"حسینؓ سمجھتے تھے کہ ان کا باپ میرے باپ سے بہتر ہے، ان کی ماں میری ماں سے بہتر ہے اور وہ خود مجھ سے بہتر ہیں اور اس منصبِ خلافت کے مجھ سے زیادہ اہل اور سزاوار ہیں۔
کیا ان کا باپ میرے باپ سے بہتر ہے؟ اگر ایسا ہے تو جب

ان کے باپ نے میرے باپ سے مسئلہ خلافت پر اختلاف کیا تو فیصلہ کس کے حق میں ہوا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر ہے تو یہ بات صحیح ہے کیوں کہ ان کی ماں رسول اللہؐ کی دختر ہیں۔ حسینؑ کا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ ان کے جد میرے جد سے بہتر ہیں کیوں کہ رسول اللہؐ کی مثال نہیں۔ لیکن ان کا یہ سمجھنا کہ وہ خود مجھ سے بہتر ہیں تو یہ ان کی نا سمجھی ہے۔ انہوں نے قرآن کی اس آیت کو نہیں سمجھا کہ:

"ملک و حکومت کا مالک خود خدا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔"

یزید نے امام سجادؑ سے مخاطب ہو کر کہا کہ:۔

"تمہارے باپ نے میری حکومت سے اختلاف کیا۔"

(حیاتِ امام حسین ۔باقر قرشی ۔ج ۳ ۔ص ۳۸۴ نقل از طبری ۔ص ۲۶۶)

یزید کی گفتگو اور خط سے ظاہر ہے کہ وہ امام حسینؑ کو اپنا سیاسی حریف سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ حسینؑ اپنے حقِ خلافت کی بازیابی چاہتے ہیں۔

یزید جس وقت مذکورہ بالا جملے ادا کر رہا تھا تو امام سجادؑ اس کے سامنے موجود تھے لیکن انہوں نے اس کے ان جملوں کی تردید نہیں کی اور یہ نہیں فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار کا مقصد حصولِ خلافت نہ تھا۔

عبید اللہ ابن زیاد

جب کوفہ میں حضرت مسلم کو قید کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو

اس نے حضرت مسلم ابن عقیل سے کہا کہ:

"اے شاق! اے عاق! تم نے اپنے امامِ وقت پر خروج کیا' مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا اور امت میں فتنہ فساد برپا کیا۔"

حضرت مسلم نے جواب دیا کہ:

"معاویہ مسلمانوں کا خلیفہ نہیں تھا۔ اس نے مکروفریب سے خلافت پر قبضہ کیا۔ اور ایسا ہی اس کا بیٹا یزید بھی (خلافت پر ناجائز قابض) ہے۔ امت میں فساد تم نے اور تمہارے باپ نے پھیلایا ہے۔"

ابن زیاد نے جواب دیا:

"تم نے ایک بڑی چیز کی خواہش کی ہے لیکن تمہاری یہ آرزو پوری ہونے (اور اس تک پہنچنے) کے درمیان خدا حائل ہوا اور خدا نے یہ مقام اس کے اہل کو بخش دیا۔"

حضرت مسلم نے دریافت کیا:

"اس مقام کا اہل کون ہے؟"۔

ابن زیاد نے جواب دیا:

اس کے اہل معاویہ اور یزید ہیں۔

حضرت مسلم نے فرمایا:

"خدا فیصلہ کرنے والا ہے کہ کون حق پر ہے اور کون حق دار ہے۔"

اس پر عبید اللہ ابن زیاد نے کہا:

"کیا تم گمان کرتے ہو کہ خلافت پر تمہارا ابھی کوئی حق ہے؟"

حضرت مسلم نے جواب دیا:

"گمان نہیں بلکہ یقین ہے 'یقینی طور پر خلافت پر ہمارا حق تھا اور ہمارا حق ہے۔"

(حیاتِ امام حسینؑ۔ج ۲۔ص ۴۰۳ ۴۰۴)

جب عبیداللہ ابن زیاد کو یہ خبر ملی کہ مسلم بن عقیل 'امام حسینؑ کے لئے لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں اور انقلاب و تحریک کے لئے روپیہ جمع کر رہے ہیں تو اس نے مسلم کا سراغ لگانے اور امام حسینؑ کے بیعت گزاروں سے متعلق معلومات کے حصول کے لئے اپنے غلام معقل کو بھاری رقم دے کر مقرر کیا۔ معقل نے کوفہ میں موجود شیعیانِ علیؑ سے رابطہ قائم کر کے خود کو امام حسینؑ کے پرستار اور جانثار کے طور پر پیش کیا اور کہا کہ میں شام سے امامؑ کی نصرت کے لئے آیا ہوں۔ میرے پاس تیس ہزار درہم ہیں جو میں امامؑ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ وہ اس مال کو اپنے دشمن سے جنگ میں صرف کریں۔ اس طرح فریب دہی کے ذریعہ معقل نے مسلم ابن عوسجہ تک رسائی حاصل کی اور ان کے سامنے امام حسینؑ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرنے کے بعد کہا کہ مجھے مسلم بن عقیل تک پہنچا دیں 'مسلم بن عوسجہ نے اس سے رازداری کا وعدہ لیا اور مسلم کے پاس لے گئے۔ حضرت مسلم بن عقیل نے اس سے بیعت لی اور اس سے مال وصول کر کے وہ رقم ابو ثمامہ ساعدی کے حوالے کر دی۔

معقل جو اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ سیدھا عبیداللہ ابن زیاد کے پاس گیا اور پوری رپورٹ اس کے سامنے پیش کر دی۔

(حیاتِ امام حسینؑ-باقر قرشی-ج ۲-ص ۳۶۱ نقل از تاریخ ابن اثیر-ج ۳-ص ۲۶۹)

مروان ابن الحکم

بنی امیہ امام حسینؑ کو اپنا حریف سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ آپؑ معاویہ اور یزید کی حکومت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔ چنانچہ مروان نے معاویہ کو ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا کہ:

"حسینؑ کے پاس لوگوں کی آمدورفت بڑھ گئی ہے۔ خدا کی قسم! میں اس سے تمہارے لئے خطرناک دن دیکھ رہا ہوں (یعنی خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں)"

(حیاتِ امام حسینؑ-باقر قرشی-ج ۲-ص ۲۲۳ نقل از انساب الاشراف ق ۱-ج ۱)

مروان نے معاویہ کو تجویز پیش کی کہ امام حسینؑ کو مدینہ سے نکال کر شام میں نظر بند کر دیا جائے تاکہ اہلِ عراق ان سے رابطہ نہ کر سکیں۔ لیکن معاویہ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا اور مروان کو جواب دیا کہ تم خود حسینؑ سے چھٹکارا حاصل کر کے مجھے مصیبت میں پھنسانا چاہتے ہو۔

(حیاتِ امام حسینؑ-باقر قرشی-ج ۲، ص ۲۲۳ نقل از انساب الاشراف نقل از فرید-ج ۲-ص ۱۱۶-ق ۱-ج ۱)

خلاصہ

چنانچہ ان حوالہ جات میں چاہے وہ مروان کا خط اور تجویز ہو یا معاویہ کا

وصیت نامہ، یزید کا حکمنامہ، خط اور مکالمہ ہو یا عبید اللہ ابن زیاد کی سرگرمیاں ہر جگہ گفتگو کا محور منصبِ خلافت ہے۔ بنی امیّہ کے یہ تمام افراد اس بات کو سمجھتے تھے کہ امام حسینؑ کا قیام سیاسی ہے اور ان کی منزل وہ منصبِ خلافت ہے جس پر یزید غاصبانہ طور پر مسلط ہے۔

قیامِ امام حسینؑ حامیانِ بنی امیّہ کی نظر میں

حضرت مسلم ابن عقیل کے ہاتھ پر اہلِ کوفہ کی بیعت کے بعد بنی امیّہ کی حکومت کے حامیوں میں سے امارہ ابن ولید ابن عتبہ، عمر ابن سعد، عبد اللہ حضرمی وغیرہ نے یزید کو خط لکھا کہ:

"مسلم کوفہ پہنچ چکے ہیں۔ شیعیانِ علیؑ نے حسینؑ کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ تم اگر کوفہ اور اپنی حکومت کو بچانا چاہتے ہو تو کوفہ میں کسی ایسے شخص کو بھیجو جو تمہارا حکم نافذ کرے اور تمہاری نمائندگی کرے (کیوں کہ نعمان ابن بشیر بالتحقیق کمزور شخص ہے۔)"

(حیاتِ امام حسینؑ - باقر قرشی - ج ۲ - ص ۳۵۲ نقل از تاریخ ابن اثیر - ج ۲ - ص ۲۶۷)

ہانی ابن عروہ کو جب دار الامارہ میں عبید اللہ ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو عبید اللہ ابن زیاد نے شریح قاضی کی طرف متوجہ ہو کر یہ شعر پڑھا:

"میں اس کی حیات چاہتا ہوں اور وہ میری جان کے درپے ہے۔"

ہانی ابن عروہ نے پوچھا:

"وہ کون ہے"

عبیداللہ نے کہا:

"ہانی! خاموش ہو جاؤ۔ یہ جو کچھ تمہارے گھر میں امیرالمومنین (یزید) اور مسلمانوں کے خلاف ہو رہا ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ مجھ سے پوشیدہ ہے؟ تم نے مسلم کو اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے، تم اس کے لئے اسلحہ جمع کر رہے ہو اور لشکر اکٹھا کر رہے ہو۔"

(کتاب سفیرِ الحسینؑ تالیف عبدالواحد- ص ۸۰)

خلاصہ

حامیانِ بنی امیہ بھی یہ سمجھتے تھے کہ یزید کی حکومت کو حسینؑ سے خطرہ ہے جیساکہ امارہ ابن ولید ابن عتبہ وغیرہ نے یزید کو اس خطرہ سے آگاہ کیا۔ یا جیساکہ عبیداللہ ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کے گھر میں حضرت مسلم بن عقیل کی سیاسی سرگرمیوں کے ذریعہ یہ محسوس کر لیا تھا کہ امام حسینؑ یزید کی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

شمر ابن ذی الجوشن

عمر ابن سعد نے کربلا سے عبیداللہ ابن زیاد کو خط لکھا جس میں اس نے کہا کہ:-

"خداوندِ عالم نے فتنہ کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا ہے، امت ایک کلمہ پر

متحد ہوئی ہے اور امت کے مسائل کی اصلاح ہوئی ہے۔ حسینؓ نے میرے سامنے یہ تجاویز پیش کی ہیں کہ:۔

(۱) وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں گے' یا

(۲) وہ کسی ایسے شہر میں چلے جائیں گے جہاں وہ امت کے ایک عام فرد کی حیثیت سے زندگی بسر کریں۔ یا

(۳) وہ خود یزید کے پاس جا کر یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھیں گے اور اس سے خود اپنا فیصلہ کریں گے۔" ☆

"یہ تجاویز آپ کو بھی پسند ہوں گی اور امت کی بہتری بھی اسی میں ہے۔"

عبید اللہ ابن زیاد نے یہ خط دیکھ کر کہا کہ "یہ اپنے امیر کے لئے نیک مشورہ ہے اور مجھے پسند ہے۔"

یہ خط پڑھ کر عبید اللہ ابن زیاد نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تو شمر نے اٹھ کر کہا کہ:۔

> "اب جب حسینؓ تمہارے شہر کے کنارے پر پہنچ چکے ہیں اگر انہوں نے اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہ دیا اور یہاں سے واپس چلے گئے تو وہ قوت و عزت کے مالک بنیں گے اور تم کمزور اور عاجز ہو جاؤ گے۔ وہ تم کو حکومت سے ہٹانے کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے حسینؓ کو یہ موقع نہ دو ورنہ یہ تمہاری کمزوری پر محمول ہو گا۔

☆:۔ مذکرہ بالا آخری دو تجاویز عمر ابن سعد کے خط کا مضمون ہیں۔ ہمیں اس سے اتفاق نہیں کہ امام حسینؓ نے یہ تجاویز پیش کی ہوں جیسا کہ ہم اس کی رد میں بیان کریں گے۔

ان کو مجبور کرو کہ وہ پہلے تمہارے سامنے سر تسلیم خم کریں پھر اس کے بعد چاہو تو ان پر عتاب کرو اور چاہو تو انہیں معاف کر دو۔ مجھے خبر ملی ہے کہ حسینؑ اور عمر سعد ہر رات مل کر بیٹھتے ہیں اور میٹنگ کرتے ہیں۔"

(تجارب امم۔ مسکویہ۔ جلد ۲۔ ص ۶۶)

اگر ان نظریات پر غور کیا جائے تو معاویہ سے لے کر تمام حامیانِ بنی امیہ تک کو جو پریشانی لاحق تھی اور جس چیز نے انہیں ہراساں کیا ہوا تھا وہ یہ نہیں تھی کہ حسینؑ کربلا میں شہید ہونے کے لئے جا رہے ہیں اور اگر وہ کربلا میں شہید ہو جائیں گے تو بنو امیہ کے حکمران کے لئے کوئی مشکل نہ ہوگی بلکہ سب پریشان اس لئے ہیں کہ حسینؑ نکلے ہیں تو کہیں خلافت اور حکومت بنو امیہ کے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔

☆ ☆

قیامِ امام حسینؑ

غیر جانبدار شخصیات کی نظر میں

عبداللہ ابن عمر

عبداللہ ابن عمر نے جب امام حسینؑ کے نکلنے کی خبر سنی تو آپؑ کو اس قیام اور تحریک سے روکنے کی کوشش کی اور جب امامؑ نے اس کی تجویز کو منظور نہیں کیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"حسینؑ کے باپ اور بھائی کے ساتھ جو کچھ ہو چکا ہے اس سے حسینؑ کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ لوگ حسینؑ کا ساتھ نہیں دیں گے۔ اس لئے حسینؑ کو چاہئے کہ کوئی تحریک نہ چلائیں۔ حسینؑ کو چاہئے کہ وہ بھی حکومت کے ساتھ وہی پالیسی اختیار کریں جو دوسرے لوگوں نے اختیار کی ہے۔"

(حیاتِ امام حسینؑ۔ باقر قرشی۔ ج ۲۔ ص ۳۵ نقل از تہذیب التہذیب۔ ج ۱۔ ص ۱۵۲)

عبداللہ ابن زبیر

امامؑ جب مکہ میں قیام پذیر تھے تو عبداللہ ابن زبیر امامؑ کے پاس بار بار آتا اور اس وقت درپیش مسائل کا ذکر کرتا اور کہتا کہ پتہ نہیں ہم بنو امیہ کو آزاد کیوں چھوڑے ہوئے ہیں جب کہ ہم فرزندانِ مہاجرین ان سے کہیں بہتر اور مستحق ہیں۔ وہ اس طرح امامؑ کے ارادوں سے آگاہ ہونا چاہتا تھا۔

امامؑ نے فرمایا کہ میں کوفہ جانے کی سوچ رہا ہوں کیونکہ اہلِ کوفہ کے خطوط اور دعوت نامے آئے ہیں۔ عبداللہ ابن زبیر نے کہا کہ اگر کوفہ میں آپ کی طرح میرے بھی شیعہ ہوتے تو میں کوفہ سے روگردانی نہ کرتا۔ اس کے بعد وہ ڈر گیا کہ کہیں امامؑ اس کو متہم نہ کریں اور کہنے لگا کہ اگر آپؑ یہیں حجاز میں قیام کر کے لوگوں کو دعوتِ قیام دیں تو ہم آپؑ کے ساتھ ہوں گے۔ ہر طرح کی مدد دیں گے اور آپ کے ہاتھوں پر بیعت کریں گے۔

(مقتلِ حسینؑ بحرالعلوم۔ص ۱۲۵۔ نقل از تاریخ طبری)

اس کے بعد ابن زبیر نے کہا کہ آپؑ کا جی چاہے تو مکہ ہی میں رہیں یا مکہ کے لئے مجھے اپنا نمائندہ مقرر کر دیں؟۔ جب ابن زبیر چلا گیا تو امامؑ نے لوگوں سے فرمایا کہ عبداللہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ یہ میرے لئے لوگوں کو جمع کریں گے۔ امامؑ نے یہ بھی فرمایا کہ ان کے لئے میرے چلے جانے سے بہتر اور کوئی بات نہیں بلکہ یہ جانتے ہیں کہ میری موجودگی میں لوگ ان کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے۔

عبداللہ ابن مطیع

مکہ سے نکلنے کے بعد امام حسینؑ نے عبداللہ ابن مطیع سے ملاقات کی۔
عبداللہ ابن مطیع جب امامؑ کے ارادہ سے آگاہ ہوئے تو کہا:۔

"فرزندِ رسولؐ! خدا کے لئے اسلام کی حرمت بچائیں، قریش و عرب کی حرمت کو بچائیں۔ جو کچھ بنی امیہ کے قبضہ میں ہے اسے اگر آپ طلب کریں گے تو وہ آپؑ کو قتل کر دیں گے۔ اگر انہوں نے آپؑ کو قتل کر دیا تو پھر وہ کسی اور کے (قتل کرنے کے) بارے میں کوئی تامل نہیں کریں گے۔ خدا کے لئے آپؑ کوفہ نہ جائیں اور خود کو بنی امیہ کے مظالم کا نشانہ نہ بننے دیں، اگر آپؑ قتل ہو گئے تو یہ لوگ ہمیں غلام بنا لیں گے۔"

(حیاتِ امام حسینؑ-باقر قرشی-ج ۳-ص ۳۰)

عبداللہ ابن مطیع اچھی طرح جانتے ہیں کہ امام حسینؑ یزید کے قبضے سے منصبِ خلافت کی بازیابی چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے خدشہ کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں کہ:۔

"جو کچھ بنی امیہ کے قبضہ میں ہے (یعنی خلافت) اسے اگر آپؑ طلب کریں گے تو وہ آپؑ کو قتل کریں گے۔"

عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن مطیع کی گفتگو سے مترشح ہے کہ وہ بھی امام حسینؑ کی تحریک کو سیاسی تحریک سمجھتے تھے۔

---☆---☆---

قیامِ امام حسینؑ خوارج کی نظر میں

محمد بن اشعث، شبث ابن ربیعی، محمد بن عمر تمیمی، حجاج بن ابجر، یزید ابن حارث شعبانی، ازرق ابن قیس احمسی، عمرو ابن حجاج زبیدی وغیرہ خوارج سے تعلق رکھتے تھے اور امام حسینؑ کے سخت مخالف تھے۔ انہوں نے امام حسینؑ کو خط لکھا کہ:۔

"شہر سرسبز و شاداب ہو گئے ہیں، پھل پک چکے ہیں۔ آپؑ تشریف لائیں، آپؑ کو اپنی نصرت و حمایت میں ایک تیار فوج ملے گی۔"

(حیاتِ امام حسینؑ۔ باقر قرشی۔ ج ۲۔ ص ۳۳۴ نقل از انساب الاشراف)

چنانچہ خوارج جو امام حسینؑ کے سخت دشمن تھے وہ بھی امام حسینؑ کو منصبِ خلافت اور حکومت سنبھالنے کی دعوت دے رہے تھے اور آپؑ کو نصرت و حمایت کا یقین دلا رہے تھے۔

خوارج اگرچہ امام حسینؑ کے مخالفین میں سے تھے لیکن ساتھ ساتھ وہ بنی امیّہ کے بھی دشمن تھے۔ لیکن چونکہ حکومت امام حسینؑ کو ملنے کے آثار زیادہ تھے اس لئے انہوں نے امام حسینؑ کا پلہ بھاری دیکھ کر ان کو دعوت دی۔

---☆---☆---

امام حسینؑ کا قیام

سیاسی سوداگروں کی نظر میں

سیاست کے میدان میں عموماً مختلف فریق ہوتے ہیں۔ دو گروہ تو ایک دوسرے کے حریف ہوتے ہیں جب کہ ایک تیسرا گروہ خود کو سیاسی بازار میں فروخت کے لئے پیش کرتا ہے۔ اور اپنی قوت اور تعداد کی بنیاد پر ایک (Nuisance Value) رکھتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام جب مقام عذیب الھجانات پر پہنچے تو آپؑ کی ملاقات نافع ابن ہلال مرادی، عمرو ابن خالد سیداوی، سعد مولا عمرو بن خالد اور مجمع بن عبداللہ عابدی سے ہوئی جو کوفہ سے آپ کی نصرت کے لئے نکلے تھے۔ آپؑ نے ان سے کوفہ کے حالات دریافت کئے تو انہوں نے بتایا کہ کوفہ کے اشراف اور رؤسا کی جیبیں رشوت کے پیسے سے بھری ہوئی ہیں۔ وہ لوگ رشوت لے کر آپؑ کے خلاف متحد ہو چکے ہیں۔ انہوں نے آپؑ کو خطوط لکھ کر اس لئے بلایا ہے کہ وہ حکومت سے زیادہ سے زیادہ رشوت لے سکیں اور حکومت اس ڈر سے ان کو رشوت دیتی رہی کہ مبادا وہ لوگ حکومت کے خلاف آپ سے مل نہ جائیں۔ جہاں تک عوام کا سوال ہے وہ عموماً دل سے تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن

وقت پڑنے پر آپؑ کا ساتھ نہیں دیں گے۔

(حیاتِ امام حسینؑ - باقر قرشی - ج ۳ - ص ۸۲ نقل از انساب الاشراف ق ا - ج ا - ص ۲۴۱)

خلاصہ یہ کہ کوفہ کے اشراف و رؤسا اس سیاسی صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے اور امامؑ کے نام سے تجارت کرنا چاہتے تھے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ اگر امام حسینؑ کا پلہ بھاری ہو تو ان کے ساتھ ہو جائیں ورنہ دوسری صورت میں یزید اور عبیداللہ کی حکومت سے زیادہ سے زیادہ مراعات اور سیاسی فائدے حاصل کریں۔

ہلال ابن نافع کی گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ امامؑ کو دعوت دینے والے لوگوں میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو دل سے امامؑ کے ساتھ نہ تھے' نہ ہی آپؑ سے کسی قسم کی عقیدت و محبت رکھتے تھے بلکہ ان کا مقصد امامؑ کو دعوت دے کر اپنے مادی فوائد میں اضافہ کرنا تھا۔ نیز ان کے پیش نظر حق و باطل نہ تھا بلکہ ان کی نیت تھی کہ جس کا پلہ بھاری دیکھیں گے اس کے ساتھ جاملیں گے۔

لہٰذا ان لوگوں کے اس طرزِ عمل سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ امامؑ کی تحریک کو بنی امیہ کی حکومت کے خلاف ایک سیاسی اقدام سمجھ رہے تھے جس سے نمٹنے کے لئے حکمراں بھاری رشوتیں دینے سے بھی گریز نہ کریں گے۔

-----☆----☆----

ائمہ اطہار علیہم السلام کی ذمّہ داریاں

ائمہ اطہار علیہم السلام کی مسئولیت اور ذمّہ داریاں وہی ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی مسئولیت اور ذمّہ داریاں تھیں۔ خداوند متعال نے جن اہداف و مقاصد کے لئے انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا، ختمِ نبوت کے بعد انہیں اہداف و مقاصد کو زندہ اور باقی رکھنا ائمہ علیہم السلام کی ذمّہ داری ہے۔ البتہ ائمہؑ کی ان ذمّہ داریوں کا انحصار شرائط اور ان حالات و واقعات پر ہے جو انہیں پیش آتے ہیں۔ ان حالات کی مختلف صورتیں ہیں:

پہلی صورت

ایک صورت یہ ہے کہ وہ امامؑ جو منصوص من اللہ اور رسولؐ کا تعین شدہ ہے وہ ظاہری طور پر بھی منصبِ امامت پر فائز ہے۔ اس صورت میں اس کی ذمّہ داریاں یوں ہیں:

○ بیانِ شریعت اور ہدایتِ خلق:

دنیا میں جب تک انسان اور مخلوقِ خدا کا وجود باقی ہے بنی نوع انسان ہدایتِ الٰہی کی محتاج ہے۔ چنانچہ خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے کہ:

"اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو امام اور پیشوا قرار دیا ہے جو ہمارے امر سے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا ہے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔"

(سورہ سجدہ ۳۲۔ آیت ۲۴)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ حکمِ خداوندی کے مطابق بندگانِ خدا کی ہدایت اور رہنمائی کرتا رہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ آیت رہبرانِ الٰہی اور دنیاوی رہبروں کے درمیان ایک نمایاں فرق کو بھی واضح کرتی ہے۔

پہلا فرق یہ ہے کہ الٰہی رہبر احکامِ الٰہی کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے جیسا کہ آیت میں اشارہ ہے کہ "وہ ہمارے حکم سے (لوگوں کی) ہدایت کرتے ہیں"۔ جب کہ دنیاوی رہبر اس کے برخلاف لوگوں کی خواہشات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے معاشرتی امور انجام دیتے ہیں کیوں کہ اپنی لیڈری کو باقی رکھنے کے لئے وہ لوگوں کی رضا اور خوشنودی کے محتاج ہیں۔

دوسرا نمایاں فرق یہ ہے کہ الٰہی رہبر یقینِ محکم اور ایمانِ کامل کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ وہ آیاتِ الٰہی پر دل سے یقین رکھتا ہے جب کہ اس کے برخلاف دنیاوی رہنما وہم و گمان، قیاس و ظن اور شک کی حالت میں آگے بڑھتے ہیں۔

سورہ انبیاء کی آیت ۷۲ اور ۷۳ میں خداوند عالم فرماتا ہے کہ:

"اور پھر ابراہیم کو اسحاق اور ان کے بعد یعقوب عطا کئے اور سب کو صالح و نیک کردار قرار دیا اور ہم نے ان سب کو پیشوا قرار دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کی طرف کارِ خیر کرنے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی اور یہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔"

چنانچہ یہاں یہ بات واضح ہے کہ امام کا وظیفہ لوگوں کی ہدایت کرنے کے علاوہ انہیں احکامِ شریعہ کی تعلیم دینا بھی ہے جیساکہ اس آیت میں بیان کیا گیا کہ "ہم نے ان کے پاس نیک کام (امر بالمعروف) کرنے 'نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی بھیجی....."

امام کی سیاسی ذمہ داریاں

امت کی زعامت اور سیاسی ذمہ داریوں کا بار بھی امام کے کاندھوں پر ہوتا ہے۔ وہ تمام مسائل جو امت کی دین و دنیا کی سعادت سے مربوط ہیں 'ان کے بارے میں رہنمائی کی ذمہ داری امام پر عائد ہوتی ہے۔ یعنی امت کو بدبختی ' زوال 'جہل و نادانی 'فقر و فاقہ 'استعمار و استثمار کے مظالم سے نجات دلانا اور اسے سعادت اور نیک بختی کی راہ پر گامزن کرنا امام کی مسئولیت میں شامل ہے۔ چنانچہ امام کی سیاسی ذمہ داریوں اور مسئولیت کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ اقامۂ قسط و عدل

معاشرہ میں عدل و انصاف قائم کرنا 'محروموں اور مظلوموں پر ہونے والے

ظلم کا تدارک کرنا اور انہیں انصاف فراہم کرنا۔

۲۔ اقتصادی ذمہ داریاں

بیت المال کی در آمدات مثلاً خراج 'جزیہ 'صدقات وغیرہ وصول کرنا 'ملک کی پیداوار بڑھانا 'ضرورت مند اور محتاج افراد کی زندگی کے تمام مالی وسائل کو فراہم کرنا یعنی روزگار مہیا کرنا 'قرضہ دے کر مالی اعانت سے لوگوں کو روزگار فراہم کرنا۔

۳۔ عقائدِ اسلامی کی نشر و اشاعت کی کوشش

جہاں تک ممکن ہو سکے فکرِ اسلامی کو لوگوں تک پہنچانا 'عقائد اور اسلامی تعلیمات کے خلاف نشر ہونے والے افکار کی نشان دہی 'اس سے لوگوں کو آگاہ کرنا نیز اس کے شر سے محفوظ رکھنا۔

۴۔ جہاد فی سبیل اللہ

بشریت کو ہر قسم کے ظلم اور غیرِ خدا کی بندگی سے آزاد کرانا خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

۵۔ کفالت

تمام اجتماعی 'تعلیمی 'سیاسی 'عدالتی اور انتظامی عہدوں پر کام کرنے والوں کی زندگی کی کفالت کرنا۔

دوسری صورت

ایسی صورت میں کہ جب خدا اور رسولؐ کا تعین شدہ امام عملاً امت کی قیادت و رہبری سے عاجز ہو اور مسندِ اقتدار سے محروم ہو تو اس کی ذمّہ داریاں یہ ہیں:

۱۔ بیانِ شریعت اور ہدایتِ خلق

حوادثِ زمانہ اگر امام کو اس منصب سے دور اور محروم رہنے پر مجبور کردیں تو اس صورت میں بھی شریعت کی ترویج و تشہیر کی ذمّہ داری امام سے ساقط نہیں ہوتی بلکہ یہ ذمّہ داری اس پر اسی طرح واجب رہتی ہے جس طرح منصبِ خلافت پر ظاہری طور پر فائز ہونے کی صورت میں عائد ہوتی ہے۔

۲۔ تحریفات کے خلاف مبارزہ

تاریخِ انبیاءؑ میں امتوں کی یہ سنّت رہی کہ جب بھی خداوندِ عالم نے اپنے نبی کو اپنی طرف واپس بلایا تو امت نے تیزی سے اس نبی کی تعلیمات میں تحریفات کا سلسلہ شروع کردیا۔ چنانچہ بعد میں آنے والے ہر نبی کی پہلی کوشش یہ رہی کہ ان تحریفات کو نکال کر شریعتِ الٰہی کو ان سے پاک کرے۔ گزشتہ امتوں کی اس سنّت کو پیغمبرِ ختمی مرتبتؐ کے بعد بھی جاری رہنا تھا اور وہ سنّت جاری رہی۔ آپؐ کے بعد چوں کہ کوئی نبی آنے والا نہیں لہٰذا امام کی ذمّہ داریوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دین کو ہر قسم کی تحریف سے بچانے کے لئے

مبارزہ کرے۔ جیسا کہ پیغمبرِ اکرمؐ سے مروی ہے کہ:

"ہر زمانہ میں میرے اہل بیتؑ میں سے ایک عادل گروہ میری امت میں دین سے گمراہ کرنے والوں کی تحریف کو دین سے مسترد کرتا ہے اور بدعت کرنے والوں کی بدعت کو اور جاہل اور نادان لوگوں کے دین میں تغیّر و تبدّل کرنے کو رد کرتا ہے۔ تمہارا مقتدیٰ اور پیشوا وہ ہے جو تمہیں خدا تک لے جائے دیکھنا یہ ہے تم کس کو اپنے آگے رکھتے ہو۔"

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"روئے زمین کبھی امام سے خالی نہیں رہتی کہ جو ہر اس بات کو دین سے نکال پھینکے جس بات کا مومنین دین میں اضافہ کریں اور اگر وہ کوئی کمی کریں تو اس کمی کو پورا کرے۔"

۳۔ بازیابیٔ خلافت

نفاذِ شریعت اور اصولِ عقائد کی تشہیر و ترویج کا انحصار ایک امامِ صالح کے وجود پر ہے۔ اس کے علاوہ بندگانِ خدا کی سعادت و خوش بختی بھی امامِ صالح کے وجود سے وابستہ ہے۔ آج دنیا میں جو ظلمت و تاریکی پھیلی ہوئی ہے اور جو جرائم اور برائیوں کا سیلاب بھیانک رُخ اختیار کیے ہوئے ہے، اس کا سبب یہی ہے کہ امامِ صالح اپنے منصب سے دور اور محروم ہے۔

اس منصب سے دور اور محروم رہنے پر امام کی ذات پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا وہ تو حکومت و اقتدار سے مستغنی اور بے نیاز ہے لیکن بندگانِ خدا کی محرومی اور

بدبختی کا ایک سبب دنیائے انسانیت کا اس امامِ صالح کی قیادت و رہبری سے محرومی ہے اس لئے امام اپنے حق سے تو مصالحِ دینی کے تحت وقتی طور پر صرفِ نظر کر سکتا ہے لیکن شریعتِ الٰہی کی بقاء، دین کی حیات، احکامِ الٰہی کا نفاذ، اصولِ عقائد کی تشہیر و ترویج، ظلم وجور سے محرومین کی نجات، امت کی صلاح و فلاح، بندگانِ خدا کی سعادت و نیک بختی جب اس منصب کے حصول ہی پر منحصر ہو تو اس صورت میں اس الٰہی منصب سے خود کو دور رکھنا دوسرے لفظوں میں گویا اپنی الٰہی ذمّہ داریوں سے کنارہ کشی کے مترادف ہے۔

ذرا انصاف سے سوچیں کہ مذکورہ تمام حقائق کے پیشِ نظر اس منصب کا ہاتھ سے نکل جانا امام کے لئے کیوں کر قابلِ صبر و تحمل ہو سکتا ہے۔ اس منصبِ الٰہی کے چھن جانے کے سانحہ پر نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے خطبۂ شقشقیہ کو ملاحظہ کریں تو اندازہ ہو گا کہ حضرت علیؑ نے اس عظیم مصیبت پر کس درد و کرب کا اظہار کیا ہے۔

چنانچہ اپنے اس منصب سے دور اور محروم رکھے جانے کی صورت میں، بیانِ شریعت اور ہدایتِ خلق کی ذمّہ داری کے بعد امام کی یہ سب سے پہلی ذمّہ داری ہے کہ وہ اپنے اس منصب کی بازیابی کے لئے کوشش کرے۔ چنانچہ واقعۂ کربلا اسی بازیابیٔ خلافت کی ایک نمایاں کوشش ہے۔ جبکہ دیگر ائمہؑ کی کاوشیں تقیّہ کے بادل میں پوشیدہ تھیں اور یہ بات ائمۂ اطہارؑ کی سیرتِ طیّبہ پر دقیق نظر رکھنے والوں پر خوب روشن ہے۔

—☆—☆—

قیامِ امام حسینؑ

امامؑ کے اصحاب اور دوستوں کی نظر میں

کسی تحریک کا ساتھ دینے اور اس کی حمایت کرنے والے عموماً دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ جنہیں ہم دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں ایک گروہ فہم و ادراک شعور و آگہی کے ساتھ اس تحریک کے سرچشمہ اور محرک پر ایمان رکھتے ہوئے اس کا ساتھ دیتا ہے۔ دوسرا گروہ عوام الناس پر مشتمل ہوتا ہے وہ جذبات و احساسات کی رو میں بہہ کر تحریک کا ساتھ دیتا ہے۔ اس جذباتی گروہ میں بھی دو طرح کے افراد پائے جاتے ہیں' ایک گروہ تو اس تحریک کے قائد سے جذباتی لگاؤ اور اس کی شخصیت کے زیرِ اثر ہوتا ہے اور اس کی حقانیت پر یقین رکھتا ہے اور دوسرا گروہ وقتی حالات سے متاثر ہو کر اس تحریک کا ساتھ دیتا ہے۔

ہم یہاں امام حسینؑ کے سربر آوردہ اصحاب اور معتمد حامیوں کے اقوال نقل کریں گے جن میں سے بعض اصحابِ رسولؐ بھی تھے' بعض حافظانِ قرآن بھی۔

محمد ابن حنفیہ

امام حسینؑ کے مدینہ سے نکلتے وقت محمد ابن حنفیہ امامؑ کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا:۔

"آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب اور عزیز ہیں۔ میں اپنی نصیحت کا سب سے زیادہ آپؑ کو سزاوار سمجھتا ہوں۔ میری نصیحت ہے کہ آپؑ یزید کی بیعت سے انکار کریں اور شہروں سے دور ہو جائیں، پھر اپنا نمائندہ لوگوں کی طرف بھیجیں۔ اگر لوگوں نے آپؑ کی بیعت کی تو بحمد اللہ اور اگر لوگوں نے کسی اور پر اکتفا کیا تو آپؑ کی حیثیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

اگر آپؑ کسی شہر میں جائیں گے تو کچھ لوگ آپؑ کی موافقت کریں گے اور کچھ مخالفت کریں گے جس سے لوگ آپ سے لڑیں گے اور آپؑ اس جنگ کا نشانہ بنیں گے۔"

(مقتل عبد الرزاق مقرم۔ ص ۱۳۹)

عبد اللہ ابن عباس

امامؑ کے مکہ سے خروج کی خبر جب جناب عبد اللہ ابن عباس کو ملی تو ابن عباس امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:۔

"مجھے آپؑ کے اس خروج سے بہت خوف ہے کیونکہ اہلِ عراق اہلِ غدر ہیں —— آپؑ اس شہر کے آقا و سردار ہیں، آپؑ اسی شہر میں قیام کریں۔ اگر اہلِ عراق کو آپؑ کی ضرورت ہے اور

صدق دل سے وہ آپؑ کے مخلص و معاون ہیں تو آپؑ ان کو لکھیں کہ وہ پہلے اپنے دشمن اور گورنر کو وہاں سے برطرف کر کے نکال دیں پھر آپؑ ان کی طرف جائیں۔

اگر آپؑ کو یہاں سے نکلنا ہی ہے تو آپؑ یمن چلے جائیں وہ جگہ آپؑ کے لئے محفوظ ہے۔ وہاں آپؑ کے والد کے شیعہ بھی ہیں' وہاں سے آپؑ لوگوں کو لکھیں اور اپنے نمائندے بھیجیں' مجھے امید ہے اس صورت میں آپؑ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

(حیاتِ امام حسینؑ جلد سوم۔ ص ۲۶)

ابو بکر ابن عبد الرحمٰن مخزومی

ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث مخزومی قریشی ہیں' فقہائے شیعہ میں شمار ہوتے ہیں' حضرت عمر کی خلافت کے دور میں آپ کی ولادت ہوئی' آپ چونکہ نمازیں بہت زیادہ پڑھتے تھے اس لئے "راہبِ قریش" کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ قریش کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ سنہ ۹۵ ہجری میں آپ نے وفات پائی۔

جب ابو بکر ابن عبد الرحمٰن مخزومی نے امام حسینؑ کے مکہ سے عراق کی جانب خروج کی خبر سنی تو فوراً امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:۔

"آقا! مجھے صلۂ رحمی نے بیتاب کر کے آپؑ تک پہنچایا ہے۔ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ میں نصیحت کرنے کا اہل ہوں یا نہیں۔ بہر

کیف آپؓ کے والد بہت ہی شجاع تھے اور لوگ انؓ سے رابطہ رکھتے تھے 'انؓ کی باتوں کو سنتے تھے اور لوگ متحد تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے جنگ میں حضرت علیؓ کا ساتھ دینے سے بخل کیا۔ یہاں تک کہ آپؓ شہید ہوئے۔ اس کے بعد آپؓ کے بھائی کے ساتھ انہوں نے جو کچھ کیا وہ آپؓ کے سامنے ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے آپؓ کے والد اور بھائی کے ساتھ خیانت کی ہے' ان ہی کے وعدوں اور کہنے پر آپؓ عراق کا ارادہ کر رہے ہیں۔ آپؓ کے کوفہ کی طرف آنے کی خبر جب بنی امیہ کو ہو گی تو وہ لوگوں کو پیسہ دے کر خریدیں گے کیونکہ بنی امیہ صاحبِ مال و دولت ہیں —— جو لوگ آج آپؓ کو دعوت دے رہے اور نصرت کا وعدہ کر رہے ہیں' وہی لوگ آپؓ سے لڑیں گے۔"

یزید ابن مسعود نہشلی

امام حسینؓ نے مکہ مکرمہ سے ایک خط بصرہ میں موجود مالک ابن مسمع بکری' احنف بن قیس' یزید ابن مسعود نہشلی 'قیس ابن ہیثم اور عمر ابن عبید وغیرہ کے نام لکھا۔

اس خط کے ملنے کے بعد یزید ابن مسعود نہشلی نے قبیلہ بنی تمیم بنی حنظلہ اور بنی سعد کو جمع کر کے ان سے یہ خطاب کیا کہ:

"معاویہ ہلاک ہو چکا ہے 'اس کی ہلاکت سے ظلم کے ستونوں میں لرزہ آگیا ہے 'اس نے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لینے کا سامان

کیا‘ وہ سمجھتا تھا کہ اس کی بیعت کے بعد یزید کی حکومت مضبوط ہو گئی ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا‘ یزید شرابی ہے‘ فاجروں کا سربراہ ہے‘ لوگوں کی رضا کے بغیر ان پر حکومت کرنا اور ان پر مسلط ہونا چاہتا ہے‘ نہ اس میں علم ہے اور نہ حلم‘ وہ خلافت کا ہرگز اہل نہیں ہے۔ اس کے ساتھ جنگ کرنا مشرکین سے جنگ کرنے سے بہتر ہے۔ جب کہ حسینؑ ابن علیؑ فرزندِ رسولؐ ہیں‘ شرافت کے مالک ہیں‘ فضیلت کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز ہیں‘ بے پایاں علم کے حامل ہیں اور منصبِ خلافت کے لئے ہر لحاظ سے سزاوار ہیں۔ وہ اسلام میں بھی سبقت رکھتے ہیں‘ عمر کے لحاظ سے مقدّم ہیں اور رسولؐ سے قرابت رکھتے ہیں‘ اس وقت رعیّت کے لئے بہترین راعی ہیں اور ہمارے چھوٹے بڑوں سب پر انتہائی مہربان اور شفیق ہیں؛ خداوندِ عالم نے ان کے ذریعہ امت پر حجت کو تمام کیا ہے۔“

”لوگو! نورِ حق دیکھنے سے چشم پوشی نہ کرنا‘ باطل کی گہرائیوں میں نہ ڈوب جانا۔ جنگِ جمل میں علیؑ کا ساتھ نہ دے کر صخر ابن قیس پہلے ہی ہمارے لئے ذلّت و عار کا سبب بن چکا ہے۔ اب وقت ہے کہ حسینؑ کی نصرت میں کھڑے ہو کر اس ذلّت کے داغ کو اپنے دامن سے دھو ڈالو۔ ہم میں سے جو بھی اب کوتاہی کرے گا ذلّت و رسوائی اس کا مقدر بن جائے گی۔ میں جنگ کا لباس پہن چکا ہوں۔ (یاد رکھو!) جو قتل نہیں ہوتا وہ ویسے بھی مرجاتا ہے اور

جو قتل سے فرار کرتا ہے اسے نجات نہیں ملتی۔ خدا تم پر رحم کرے۔ مجھے بہتر اور مناسب جواب دو۔"

(مقتلِ مقرم۔ ص ۱۶۱)

خلاصہ

امام حسینؑ کے خط کے جواب میں یزید ابن مسعود نہشلی کا لوگوں کو جمع کرنا اور ان کا یہ خطاب اس امر کی دلیل ہے کہ وہ امامؑ کے قیام کے مقصد و ہدف کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور اسی مقصد و ہدف کو بلا کم و کاست انہوں نے اپنے خطاب کے ذریعہ لوگوں کے سامنے یوں پیش کر دیا کہ:

"اس خلافت کے منصب کا نہ معاویہ اہل تھا اور نہ اس کا بیٹا اس منصب کا اہل ہے۔ بلکہ اس کے برعکس بہترین شخصیت جو اس منصب کی اہل ہے وہ امام حسینؑ کی ذاتِ گرامی ہے۔"

چنانچہ یزید ابن مسعود نہشلی نے واشگاف الفاظ میں لوگوں کو دعوت دی کہ حصولِ خلافت کی جدوجہد میں امامؑ کی نصرت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

سلیمان ابن صرد خزاعی

معاویہ کی موت کے بعد زعماءِ کوفہ سلیمان ابن صرد خزاعی کے گھر پر جمع ہوئے، سب نے بنی امیہ کی حکومت کی سخت لہجہ میں مذمت کی، ان کے عزائم کو فاش کیا اور امام حسینؑ کی بیعت کرنے کی دعوت دی۔

سلیمان ابن صرد خزاعی نے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ:

"معاویہ ہلاک ہو چکا ہے' حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کردیا ہے۔ وہ مکہ پہنچ چکے ہیں۔ آپ سب ان کے پدرِ بزرگوار کے شیعہ ہیں۔ اگر آپ لوگ یقین کے ساتھ ان کی مدد کرنے اور ان کے دشمن سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں تو انہیں خط لکھیں۔ اور اگر آپ لوگ ضعف اور ناتوانی محسوس کرتے ہیں تو انہیں دھوکا نہ دیں۔"

سب نے وعدہ کیا کہ ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ ان کی حمایت کریں گے' ان کے دشمن سے جنگ کریں گے' یہاں تک کہ ان پر اپنی جانوں تک کو قربان کردیں گے۔

چنانچہ سلیمان ابن صرد خزاعی کے گھر پر اس میٹنگ میں یہ طے پایا کہ:

(۱) سب مل کر یزید کی بیعت کو مسترد کریں

(۲) امامؑ کو ایک خط لکھا جائے اور ان کو کوفہ آنے کی دعوت دی جائے' اور

(۳) ہر گروہ اور قبیلہ کی طرف سے تائیدی خطوط لکھے جائیں۔

چنانچہ ایک وفد کے ہمراہ جو خط امامؑ کو روانہ کیا گیا اس کا متن یہ تھا کہ:

"ساری حمد خدا کے لئے ہے۔ آپؑ کے اس بدترین دشمن کو خداوند عالم نے ہلاک کیا جو اس امت پر مسلط تھا' امت کی رضا کے خلاف امت پر حکومت کرتا تھا' لوگوں کا مال غصب کرتا تھا' امت کے نیک لوگوں کو قتل کرتا اور اشرار کو باقی رکھتا تھا' مسلمانوں کے مال کو جابر سرمایہ داروں میں تقسیم کرتا تھا۔ خدا

اسے ہلاک کرے جیسے کہ اس نے قومِ ثمود کو ہلاک کیا۔"

"اس وقت ہمارے لئے کوئی امام نہیں ہے۔ خدا ہمیں آپؑ کے توسط سے راہِ حق پر گامزن کرے۔ نعمان ابن بشیر قصرِ امارہ میں ہے ہم اس کی نمازِ جمعہ وجماعت میں شریک نہیں ہوتے۔ اگر آپؑ تشریف لائیں گے تو ہم اسے یہاں سے نکال کر شام بھگادیں گے۔"

(حیاتِ امام حسینؑ -باقر قرشی -ج ۲-ص ۳۳۳ نقل از کتاب الارشاد -ص ۲۲۴)

امامؑ کے نام اہلِ کوفہ کا خط ان نکات پر مشتمل تھا

- ☆ معاویہ بے گناہ شہریوں کو قتل کرتا تھا۔
- ☆ وہ بیت المالِ مسلمین کو جابر اور ظالم لوگوں کے درمیان تقسیم کرتا تھا۔
- ☆ ہمارے لئے اس وقت کوئی امام نہیں ہے جو ہمیں حق کے راستے پر گامزن کرے۔
- ☆ ہم نعمان ابن بشیر کی عیدین اور جمعہ کی نمازوں میں شرکت نہیں کرتے۔
- ☆ اگر آپؑ تشریف لائیں گے تو ہم نعمان ابن بشیر کو نکال دیں گے۔

نتیجہ

سلیمان ابن صرد خزاعی کے گھر میں ہونے والی میٹنگ میں طے ہونے والی باتوں اور امام حسین علیہ السلام کے نام لکھے جانے والے خطوط کے نکات کو سامنے رکھنے کے بعد معمولی عقل و فہم رکھنے والا شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ

وہ لوگ تبرکاً نمازِ جمعہ اور عیدین کی امامت اور روزہ، نماز، دعاؤں اور زیارات کی تعلیمات سے بہرہ مند ہونے کے لئے امامؑ کو بلا رہے ہیں اور آپؑ کے قدمِ مبارک سے کوفہ کی سرزمین کو متبرک کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ امامؑ کو کوفہ آکر خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے کی دعوت دے رہے تھے۔

زہیر ابن قین

صبحِ عاشورہ زہیر ابن قین نے لشکرِ عمر سعد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں تمہیں عذابِ خدا سے ڈراتا ہوں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے نصیحت کرتا ہوں۔ کیونکہ جب تک ہمارے درمیان جنگ نہیں ہوتی تم ہماری نصیحت کے اہل ہو۔ خداوند عالم ہمارا اور تم سب کا نبیؐ کی ذرّیت کے ذریعہ امتحان لے رہا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ اس ذرّیت سے ہم کیا سلوک کرتے ہیں۔ ہم تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ ذرّیتِ رسولؐ کی مدد کرو اور طاغی یزید اور عبید اللہ ابن زیاد سے کنارہ کشی اختیار کرو کیونکہ تم لوگوں نے ان کے دورِ حکومت میں سوائے برائی کے کچھ نہیں دیکھا۔ انہوں نے تمہارے مردوں کی آنکھوں کو نکالا، ہاتھ پاؤں کو مثلہ کیا، تمہارے مردوں کو سولی پر چڑھایا، تمہارے علماء اور قاریوں اور حجر بن عدی اور ان کے اصحاب اور ہانی بن عروہ جیسی شخصیات کو قتل کیا۔"

(مقتل بحرالعلوم۔ ص ۳۷۵)

بریر ابن خضیر ہمدانی

صبحِ عاشورہ بریر ہمدانی نے امام حسینؑ سے اجازت لی کہ وہ لشکرِ عمر سعد سے خطاب کریں۔ امامؑ سے اجازت ملنے کے بعد انہوں نے لشکرِ عمر سعد کو مخاطب کر کے فرمایا:-

"اے قوم! پیغمبرؐ کی عترت اور ذرّیت اس وقت تمہارے درمیان ہے۔ تم ان سے کیا چاہتے ہو-؟"

لشکرِ عمر سعد نے جواب دیا:-

"ہم چاہتے ہیں کہ حسینؑ کو ابن زیاد کے سامنے پیش کریں-"

بریر ہمدانی نے فرمایا:-

"وائے ہو تم پر کہ اہل بیتِ رسولؐ کو تم نے دعوت دی۔ خدا کو شاہد و گواہ بنا کر ان سے عہدو پیان کیا کہ ان کے رکاب میں ان کے دشمن سے جنگ کرو گے لیکن جب وہ تمہارے درمیان پہنچے تو تم انہیں عبید اللہ ابن زیاد کے سپرد کر رہے ہو-"

مسلم ابن عقیل

مسلم ابن عقیل، امام حسین علیہ السلام کے نمائندہ اور معتمد سفیر تھے۔ انہوں نے کوفہ آکر لوگوں سے امام حسینؑ کی بیعت لی، امامؑ کی نصرت کے لئے لوگوں سے ان کے اموال قبول کئے اور اسلحہ جمع کیا۔ حضرت مسلم کا یہ عمل یزید کی حکومت کو ختم کرنے کے سلسلے کی ایک کڑی تھا جو یقیناً ایک سیاسی عمل ہے۔

اسی طرح جب عبید اللہ ابن زیاد نے حضرت مسلم سے کہا کہ جس چیز کی تم

تمنا کرتے تھے خدا نے تمہیں اس تک نہیں پہنچایا کیوں کہ تم اس کے اہل نہیں ہو تو حضرت مسلم نے جواب دیا کہ اگر ہم اس منصب کے اہل نہیں تو پھر کون اس منصب کا اہل ہے۔

حضرت مسلم کے اس جواب سے واضح ہے کہ وہ اہل بیتؑ کے منصبِ خلافت کے اہل ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

حضرت مسلم کو جب یہ خبر ملی کہ ہانی ابن عروہ گرفتار ہو چکے ہیں اور عنقریب انہیں شہید کر دیا جائے گا تو انہوں نے عبداللہ ابن حازم سے جو آپ کے حامیوں میں سے تھا کہا کہ وہ شہر میں اعلان کریں کہ لوگ گھروں سے جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ چنانچہ لوگ باہر نکل آئے اور ان کا نعرہ یہ تھا کہ: " یا منصور امتہ"

اس اعلان کے بعد تاریخ ابن اثیر کے مطابق چار ہزار افراد 'تہذیب التہذیب کے مطابق چالیس ہزار افراد اور بعض دیگر روایات کے مطابق اٹھارہ ہزار افراد جمع ہو گئے۔ چنانچہ حضرت مسلم نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور قبیلہ کندہ کی سربراہی عبداللہ ابن عزیز' قبیلہ مذحج کی سربراہی مسلم ابن عوسجہ' قبیلہ بنی تمیم اور ہمدان کی سربراہی ابو ثمامہ ساعدی اور مدینہ سے آنے والوں کی سربراہی عباس ابن جعدہ جدلی کے سپرد کی۔ لشکر کو منظم کرنے کے بعد حضرت مسلم دارالامارہ کی طرف بڑھے۔ جیسے ہی یہ خبر عبیداللہ ابن زیاد نے سنی فوراً مسجد سے دارالامارہ میں آگیا اور دارالامارہ کا دروازہ بند کر لیا۔ حضرت مسلم کے لشکر نے دارالامارہ کا محاصرہ کر لیا اور عبیداللہ ابن زیاد کے خلاف نعرے بلند کئے۔ اس وقت عبیداللہ ابن زیاد کے حامیوں میں کل پچاس افراد تھے جن میں

تیس افراد حکومت سے وابستہ تھے اور بیس افراد عام لوگ تھے۔ لیکن عبید اللہ ابن زیاد نے چالاکی اور عیاری سے کام لیتے ہوئے بیت المال کا منہ کھول کر رشوت کے بل پر لوگوں کو خرید کر اور لوگوں میں خوف و ہراس پھیلا کر حضرت مسلم کے لشکر کو منتشر کر دیا۔

(حیاتِ امام حسینؑ - باقر قرشی - ج ۲ - ص ۳۸۲ نقل از بدایہ النہایہ - ج ۸ - ص ۱۵۴)

خلاصہ یہ کہ حضرت مسلم کی سرگرمیاں اگر سیاسی نہ ہوتیں تو آپ دار الامارہ کا محاصرہ کیوں کرتے۔

حضرت علی اکبرؑ

آپؑ نے فرمایا کہ:-

"میں علی ابن حسینؑ ابن علیؑ ہوں۔ کعبہ کی قسم! ہم منصبِ خلافت کے زیادہ سزاوار ہیں۔ خدا کی قسم! ابن زیاد ہم پر حاکم نہیں ہو سکتا۔ تم اپنے غرور سے باز آجاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنی جنگ کے جوہر دکھائیں گے۔"

خلاصہ

امام حسینؑ کے ان تمام حامیوں اور دوستوں کے کلمات سے صاف ظاہر ہے کہ امامؑ ایک سیاسی تحریک کی قیادت فرما رہے ہیں اور اپنے غصب شدہ حقِ خلافت کی بازیابی کے لئے میدان میں آئے ہیں۔ نیز کربلا کی جنگ دراصل حکمرانوں کے خلاف امامؑ کا جہاد ہے۔

---☆---☆---

قیامِ امامؑ خود امامؑ کی نظر میں

حسینی تحریک کے اغراض و مقاصد، مقصد و ہدف کی وضاحت خود امام حسینؑ سے بہتر کون کر سکتا ہے۔ آیئے ہم امام کے گفتار و اقوال اور آپؑ کے لائحہ عمل کے جائزہ کے ذریعہ اس تحریک کے مقصد سے آگہی حاصل کرتے ہیں۔

طلبِ بیعت

علماء و مفکرین اور سیرت نگاروں نے امام حسینؑ کے قیام کے اسباب اور محرکات میں سے ایک سبب یا محرک یزید کی طرف سے مطالبہ بیعت کو قرار دیا ہے اور اس کی دلیل میں وہ امام حسینؑ کے ان کلمات کو پیش کرتے ہیں جو امامؑ نے مختلف مواقع پر ارشاد فرمائے۔ ہم یہاں تاریخی حوالوں کے ساتھ وہ بیانات نقل کرتے ہیں۔

۱۔ مجلسِ ولید میں امامؑ نے فرمایا:

"اے امیر! ہم اہل بیتِ نبوّت اور معدنِ رسالت ہیں۔ ہمارے ہی گھر فرشتوں کی آمد و رفت رہی۔ ہم محلِ نزولِ رحمتِ خدا ہیں۔

خداوندعالم نے ہم ہی سے آغاز کیا اور ہم ہی سے اختتام کرے گا۔ یزید شارب خمر ہے قاتلِ نفسِ محترم ہے۔ مجھ جیسا (شخص) اس جیسے (شخص) کی بیعت نہیں کیا کرتا۔ بہرحال ہم بھی صبح کریں گے تم بھی صبح کرو۔ ہم بھی دیکھیں گے اور تم بھی دیکھو کہ ہم میں سے کون خلافت کا حقدار ہے۔"

(مخزنِ امام حسینؑ ص ۱۱، نقل از طبری ج ۷۔ ص ۲۱۶ تا ۲۱۸ نقل از ابن اثیر ج ۳ص ۲۶۴، ارشادِ مفید ص ۲۰۰ مثیر الاحزان ص ۱۰ ،مقتلِ خوارزمی ص ۱۸۲ لہوف ص ۱۹)

۲۔۔ مروان نے امام حسین علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ آپؑ یزید کی بیعت کر لیں۔ آپؑ کے لئے اسی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ امامؑ نے فرمایا:

"اِنَّ لِلّٰہِ وَاِنَّ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ" اگر یزید جیسا شخص امت کا راعی ہو تو پھر اسلام پر فاتحہ پڑھ لو۔ ہم نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ خلافت آل ابی سفیان پر حرام ہے اور فرمایا کہ جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اس کے شکم کو چاک کرنا۔ یقیناً اہلِ مدینہ نے معاویہ کو منبرِ رسولؐ پر دیکھا اور انہوں نے اس کا شکم چاک نہیں کیا۔ چنانچہ خداوندعالم نے اہلِ مدینہ پر یزید جیسے فاسق و فاجر حاکم کو مسلط کر کے ان کو ذلیل و خوار کیا۔"

(مخزنِ امام حسینؑ ص ۱۲، نقل از لہوف ص ۲۰، مثیر الاحزان ص ۱۰، مقتل عوالم ص ۵۳، مقتلِ خوارزمی ج ۱۔ ص ۱۸۵)

۳ ۔امام حسین علیہ السلام کے یزید کی بیعت سے انکار اور مدینہ چھوڑنے کی خبر جب عمر اطرف نے سنی تو وہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "

میرے بھائی امام حسنؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ لوگ آپؑ کو شہید کریں گے۔ میرے خیال میں مصلحت اس میں ہے کہ آپؑ یزید کی بیعت کرلیں تاکہ آپؑ کی جان سلامت رہے۔"

امامؑ نے جواب دیا:

"یہ خبر صحیح ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ میرا بھائی بھی شہید ہوگا اور میں بھی شہید کیا جاؤں گا۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ میں یہ بات نہیں جانتا؟ خدا کی قسم میں ذلت کبھی گوارا نہیں کروں گا۔ قیامت کے دن جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے پدرِ بزرگوار سے شکایت کریں گی کہ آپؐ کے بعد آپؐ کی امت کی طرف سے آپؐ کی ذریت پر کیا گزری۔"

(مخزنِ امام حسینؑ ص ۲۴ نقل از لہوف ص ۲۳)

۴ -یزید کی بیعت سے امام حسینؑ کے انکار کے فیصلے کی خبر جب محمد ابن حنفیہ نے سنی تو انہوں نے امامؑ کے پاس آکر کہا کہ:

آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب اور عزیز و محترم ہیں۔ میں یہ اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ جس میں آپؑ کی مصلحت سمجھوں اسے آپ کی خدمت میں عرض کردوں۔ میری تجویز ہے کہ جہاں تک ہوسکے آپؑ کسی ایسے شہر میں نہ رہیں جو یہاں سے نزدیک ہو۔ بلکہ اپنے اعزا اور بچوں کو لے کر کسی دور دراز مقام پر چلے جائیں اور وہاں سے اپنا نمائندہ لوگوں کی طرف بھیجیں جو لوگوں کو آپؑ کی بیعت کے لئے دعوت دے۔ اگر لوگ آپؑ کی بیعت کریں تو

الحمدللہ ۔۔۔ اور اگر لوگ آپؑ کی بیعت نہ کریں تو آپؑ کو
کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ لیکن اگر آپؑ ان کے قریب کے شہروں
میں جائیں گے تو لوگوں کے دو گروہ ہو جائیں گے۔ ایک آپؑ کا
ہمدرد اور معاون ہو گا اور دوسرا آپؑ کا مخالف۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ
آپ تیر کا نشانہ بنیں گے اور لوگ ایک بہترین فرد سے محروم ہو
جائیں گے۔"

امامؑ نے محمد ابن حنفیہ کو جواب دیا کہ:

"اے بھائی! اگر دنیا میں میرے لئے کوئی بھی پناہ گاہ نہ ہو تب بھی
میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ بھائی! خدا آپ کو جزائے خیر
دے۔ آپ نے اچھی نصیحت کی اور اچھا مشورہ دیا۔ میں فی الحال
مکہ جا رہا ہوں لیکن آپ مدینہ میں رہیں اور یہاں میری نمائندگی
کریں اور یہاں جو کچھ حالات گزریں ان کی مجھے اطلاع دیتے
رہیں۔"

(نجاتِ امام حسینؑ ص ۲۹، نقل از مقتلِ عوالم ص ۵۴، مقتلِ خوارزمی جلد ۱ ص ۱۸۸)

۵ ۔ امام حسینؑ نے عمر ابن سعد کے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"ابن مرجانہ نے مجھے دو مجبوریوں کے درمیان لا کھڑا کیا ہے۔ یا تو
میں کسی طاقت و توانائی کے بغیر جنگ کروں یا پھر ذلت و خواری کو
گوارا کر لوں۔"

بہر حال ان مقامات پر امامؑ نے اپنے خروج و قیام کا سبب یزید کے مطالبہ

بیعت کو قرار دیا ہے۔ لیکن یزید کا امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ کرنا اور امامؑ کا اس مطالبۂ بیعت کو مسترد کرنا' آپؑ کا مدینہ سے نکل کر مکہ آنا' مکہ سے کربلا پہنچنا اور اپنے آپؑ کو شہادت کی منزل تک پہنچانا ---- یہ سب کس سلسلے کی کڑی ہیں۔؟

آپؑ کے بیعت کے مسترد کرنے کے اس عمل کی کیا تفسیر کی جاسکتی ہے؟ کیا اس کا شمار اخلاقی اور عبادی مسائل میں کیا جائے گا یا اجتماعی اور سیاسی مسائل میں؟

حاکم کی بیعت کے بارے میں شیعہ اور سنی دونوں میں عموماً افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ اہل تشیّع کے نزدیک امام و خلیفہ بننے کے لئے نصِ خدا اور رسولؐ کو کافی سمجھا جاتا ہے اور ان کے یہاں بیعت کے کردار کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اس کو مسئلۂ امامت میں اجنبی بنا کر رکھا گیا ہے۔ اس کے برعکس اہلِ تسنن کے یہاں ہر حاکم کی حکومت کو تسلیم کر لیا جاتا ہے اور اس کو واجب الاطاعت سمجھ لیا جاتا ہے چاہے امت میں سے صرف کسی ایک ہی شخص نے اس کی بیعت کی ہو اور چاہے وہ اس منصب کے لئے نااہل اور جرائم اور برائیوں کا ارتکاب کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ قبل اس کے کہ امام حسینؑ کے یزید کی بیعت مسترد کرنے کے عمل کی کوئی تفسیر کریں' یہاں قرآن و سنّت اور تاریخِ اسلام کی روشنی میں بیعت کی حیثیت اور اہمیت کو واضح کرتے چلیں۔

بیعت کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

لغت میں بیعت' عقد و معاہدہ اور اتفاق کو کہتے ہیں۔ اجتماعی زندگی میں انسان

ایک دوسرے کے ساتھ معاملات طے کرتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کوئی چیز کسی دوسرے شخص کو دے کر اس کے بدلے میں کوئی چیز لیتا ہے چاہے وہ چیز مادی ہو یا معنوی اس کے اس ردوبدل کے عمل پر متفق ہونے کو عقد کہتے ہیں۔ اگر کوئی معین رقم دے کر کسی مال کی کوئی معینہ مقدار خریدی جائے تو اسے 'عقدِ بیع' کہیں گے۔ اگر رقم دے کر کسی چیز کو استعمال کرنے کا حق حاصل کرنے کے لئے کسی سے معاہدہ کیا جائے ـــــ مثلاً ایک ہزار روپیہ کے عوض کوئی شخص کسی کے گھر میں رہنے کا حق حاصل کرنے کا معاہدہ کرتا ہے تو اس کو 'عقدِ اجارہ' کہتے ہیں۔ کبھی معاہدے کے تحت رد و بدل کی جانے والی اشیاء مادی نہیں ہوتیں بلکہ ایک دوسرے کے حقوق کا تبادلہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک مرد اور ایک عورت ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا عہد کرتے ہیں تو اس عمل کو 'عقدِ نکاح' کہتے ہیں۔

اگر کسی سربراہِ مملکت اور اس مملکت کی رعایا اور امت کے درمیان ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا معاہدہ طے ہو جائے۔ یعنی سربراہِ مملکت اپنی رعایا کو وہ حقوق جو اس (سربراہ) کے ذمّہ ہیں' دینے کا عہد کرے اور رعایا بھی سربراہِ مملکت کو وہ حقوق جو رعایا کے ذمّہ ہیں' ادا کرنے کا عہد کرے تو اس عملِ توافق کو کہ جو حاکم اور رعایا کے درمیان طے پاتا ہے "عقدِ بیعت" کہتے ہیں۔

مثلاً رعایا حاکم سے یہ عہد کرتی ہے کہ وہ حاکم کی سرکردگی میں مملکت کی ترقی اور تحفظ میں تعاون کرے گی' دشمن سے جنگ کی صورت میں جنگ میں حصّہ لے گی' وغیرہ ـــــ اور اسی طرح حاکم رعایا سے یہ عہد کرتا ہے کہ وہ مملکت کے لئے کام کرے گا' امت کی خوشحالی کے لئے کوشش کرے گا' انہیں فقروفاقہ سے محفوظ رکھنے کا انتظام کرے گا' ان کی تعلیم و تربیت اور علاج معالجہ اور ان

کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لے گا تو حاکم اور رعایا کے درمیان یہ ایک معاہدہ ہے جسے 'عقدِ بیعت' کہتے ہیں۔

تاریخِ انسانیت میں بیعت کا سلسلہ

حاکم اور رعایا کے درمیان بیعت ایک قدیم مسئلہ ہے۔ جب سے اجتماعِ انسانی میں حکومت کی تشکیل عمل میں آئی اسی دن سے بیعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ ایک اجتماعی مسئلہ ہے۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اسلام نے بہت سے ایسے مسائل جو انسان کی اجتماعی زندگی سے مربوط ہیں انہیں قائم اور باقی رکھا۔ ان میں سے ایک بیعت کا مسئلہ بھی ہے۔ تاریخِ اسلام میں بیعت کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے۔ یہاں ہم تاریخِ اسلام میں بیعت کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں

پہلی بیعت

بعثت کے بارہویں سال مدینہ سے ایک وفد حج کی غرض سے مکہ آیا۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عقبہ میں ان سے ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنے دین کو پیش کیا۔ وفد کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ پیغمبرِ اکرمؐ نے جن امور پر ان سے بیعت لی وہ یہ ہیں:

- وہ شرک نہیں کریں گے
- زنا کے مرتکب نہیں ہوں گے
- اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے
- کسی پر تہمت نہیں لگائیں گے، وغیرہ وغیرہ

اس بیعت کو تاریخ میں بیعتِ عقبہ اولیٰ کہتے ہیں۔ پیغمبرِ اکرمؐ نے اس بیعت کے بعد ان لوگوں کے لئے مصعب بن عمیر بن عبد مناف کو معلم مقرر کیا اور انہیں ان کے ہمراہ بھیجا۔

دوسری بیعت

پیغمبرِ ختمی مرتبتؐ کی بعثت کے تیرھویں سال تہتّر (۷۳) مردوں اور دو عورتوں نے مدینہ سے آکر مقامِ عقبہ پر آپؐ کی بیعت کی۔ اس بیعت کا مضمون یہ ہے:

- پیغمبرؐ کی ہدایت اور دعوت کو سنیں گے اور آپؐ کی اطاعت کریں گے۔
- حالات چاہے سخت اور مشکل ہوں چاہے آسان، ہر حال میں پیغمبرؐ کی رائے سے اتفاق کریں گے۔
- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔
- دینِ حق کی حمایت میں نہ کسی کی ملامت کی پرواہ کریں گے اور نہ خوف کھائیں گے۔
- جب پیغمبرؐ مدینہ پہنچیں گے تو پیغمبرؐ کا دفاع اسی طرح کریں گے جس طرح اپنی جان، مال اور اولاد کا دفاع کرتے ہیں۔

چنانچہ پیغمبرؐ نے انہیں جنت کی بشارت دی۔ اس بیعت کو بیعتِ عقبہ ثانی اور بیعتِ عقبہ کبریٰ کہتے ہیں۔

(کتاب فقہ سیرۃ محمد غزالی ص ۱۵۷)

تیسری بیعت

سنہ ۶ ہجری میں پیغمبرِ اکرمؐ نے مدینہ اور مدینہ سے باہر رہنے والے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو حکم دیا کہ وہ اشہرِ حرم (ان حرام مہینوں میں کہ جن میں جنگ کرنا منع ہے) میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں عمرہ کے لئے نکلیں۔ جب یہ لوگ روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین نے پیغمبرِ اکرمؐ کو روکا اور عمرہ ادا کرنے میں مانع ہوئے۔ آپس میں پہلے تو مذاکرات ہوئے لیکن جب ان مذاکرات کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے تو آخر میں پیغمبرؐ نے حضرت عثمان بن عفان کو اپنا نمائندہ بنا کر مکہ بھیجا۔ مشرکین نے حضرت عثمان کو جانے سے روکا اور ان کو گرفتار کر کے یہ افواہ پھیلا دی کہ نمائندۂ رسولؐ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اب ہم یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ مذاکرات کی ناکامی کے بعد اصحاب نے پیغمبرِ اکرمؐ سے عرض کیا کہ آپؐ ہم سے "بیعتِ جہاد" لے لیں۔ چنانچہ پیغمبرؐ نے وہاں ایک درخت کے نیچے تمام لوگوں سے "بیعتِ جہاد" لی۔ اس بیعت کو "بیعتِ رضوان" کہتے ہیں۔ اس بیعت کو کرنے والوں کی ثناء میں یہ آیت نازل ہوئی:

"لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○"

"جب مومنین نے تم سے درخت کے نیچے (جہاد کی) بیعت کی تو یقیناً خدا ان سے خوش ہوا اور جو کچھ ان کے دلوں میں تھا خدا نے اسے دیکھ لیا تھا پھر ان پر تسلی نازل فرمائی اور اس کے عوض ان کو

بہت جلد فتح عنایت کی۔" (سورہ فتح ۴۸ آیت ۱۸)

(سیرۃ مصطفیٰ ہاشم معروف ص ۵۳۶)

چوتھی بیعت (بیعتِ فتح مکہ ۸ ہجری)

۸ ہجری میں پیغمبرِ اکرمؐ مہاجر و انصار کے دس ہزار مجاہدین کے معیت میں دیگر قبائل کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اہالیانِ مکہ بغیر کسی جنگ وجدال کے آنحضرتؐ کے حق میں دستبردار ہوگئے۔ لوگ بیعت کے لئے آئے تو خواتین بھی آئیں۔ اس موقع پر خواتین نے بھی آپؐ کی بیعت کرنا چاہی۔ چنانچہ خداوندعالم نے حکم دیا کہ آپؐ عورتوں سے بیعت لے لیں اور اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

یا ایھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن و لا یاتین ببھتن یفترینہ بین ایدیھن و ارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللہ ان اللہ غفور رحیم○

"اے رسولؐ جب ایماندار عورتیں تمہارے پاس اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ نہ کسی کو خدا کا شریک بنائیں گی' نہ چوری کریں گی' نہ زنا کریں گی' نہ اپنی اولاد کو ہلاک کریں گی' نہ

اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گڑھ کر لائیں گی اور نہ کسی نیک کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو تم ان سے بیعت لے لو اور خدا سے ان کی مغفرت کی دعا مانگو۔ بے شک خدا بڑا بخشنے والا ہے۔"

(سورہ ممتحنہ ۶۰۔ آیت ۱۲)

اس بیعت کو بیعتِ نسواں کہتے ہیں۔ چونکہ بیعتِ عقبہ اولیٰ کا مضمون بھی اس بیعت سے مماثل ہے اس لئے اس پہلی والی بیعت کو بھی بیعتِ نسواں کہا جاتا ہے۔

پانچویں بیعت (بیعتِ غدیر)

۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری حجۃ الوداع کے موقع پر غدیر کے مقام پر پیغمبرِ اکرمؐ نے امت سے علیؑ کی ولایت کی بیعت لی۔ آپؐ نے فرمایا کہ "خدا سے ڈرو اور علیؑ کی بیعت کرو۔"

آپؐ نے مزید فرمایا کہ "خدا اس کو غرق کرے گا جو علیؑ کی بیعت سے منحرف ہو گا اور اس پر رحم کرے گا جو علیؑ کی بیعت پر راضی ہوا اور ان کی بیعت کی۔"

اس پر امت نے پیغمبرؐ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے کہا کہ "ہم نے سنا اور خدا اور رسولؐ کے حکم کو دل' زبان اور ہاتھوں سے تسلیم کیا۔"

یہ کہہ کر لوگ جوق در جوق پیغمبرؐ اور علیؑ کی طرف بڑھے اور سب نے علیؑ کی بیعت کی۔ لیکن پیغمبرِ ختمی مرتبتؐ کی رحلت کے بعد امت سے ان لوگوں

نے اپنے لئے بیعت لی جن کو بیعت لینے کا کوئی حق نہیں تھا۔
(ولایتِ فقیہ از آیت اللہ العظمیٰ منتظری۔ج ۲۔ص ۵۱۸ نقل از احتجاج طبرسی)

امیرالمومنین امام علی علیہ السلام نے اپنے دورِ خلافت میں ان لوگوں سے کہ جنھوں نے آپؑ کی بیعت سے انکار کیا' اسی بیعتِ غدیر سے استدلال فرمایا۔

نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۳۷ اور خطبہ نمبر ۲۲۹ میں ہے کہ طلحہ اور زبیر وغیرہ نے جب امام علی علیہ السلام کی بیعت کو توڑا تو آپؑ نے احتجاج کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگوں نے پہلے میری بیعت کی اور بیعت کرنے کے بعد پھر اسے توڑا۔

چھٹی بیعت

پیغمبرؐ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی سعدہ میں کچھ لوگوں نے اجتماع کیا اور حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن حضرت علیؑ 'سلمان فارسیؓ 'عمار یاسرؓ وغیرہ نے بیعت سے انکار کیا۔ اس کے بعد ہر خلیفہ نے اپنے دورِ خلافت میں لوگوں سے بیعت لی یہاں تک کہ ۳۵ ہجری میں حضرت علیؑ خلیفہ ہوئے تو لوگوں نے ہجوم کی صورت میں ٹوٹ کر آپؑ کی بیعت کی۔

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد ۲۲ رمضان ۴۰ ہجری کو لوگ مسجد کوفہ میں جمع ہوئے اور حضرت عبداللہ ابن عباس نے امام حسن علیہ السلام کے سامنے کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ پیغمبرؐ کے وصی ہیں اور تمہارے امام ہیں۔ لہٰذا ان کی بیعت کرو۔"

لوگوں نے اس کی تعمیل کی اور کہا کہ "یہ حسنؑ ہم کو کس قدر عزیز ہے!"

چنانچہ امام علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام نے

لوگوں سے بیعت لی۔

تاریخِ اسلام میں بیعت کا کردار

اس بحث کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ نظامِ امامت و خلافت میں "بیعت" ایک اہم مقام اور کردار کی حامل ہے جس کی واضح اور روشن دلیل ہم قرآنی آیات' تاریخی حقائق اور امیرالمومنین حضرت علیؑ کے کلمات کی روشنی میں پہلے پیش کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کی دلیل میں خلفاء کے وہ اقدامات بھی پیش کئے جا سکتے ہیں جو انہوں نے اپنی بیعت نہ کرنے والوں اور بیعت توڑنے والوں کے خلاف کئے۔ مثلاً فریقین کی کتب کے مطابق جب حضرت ابوبکر خلیفہ منتخب ہوئے تو حضرت علیؑ اور ان کے باوفا اصحاب نے ان (حضرت ابوبکر) کی بیعت سے انکار کیا۔ جس پر حضرت عمر کی معیّت میں ایک گروہ حضرت علیؑ اور ان کے اصحاب کو گرفتار کرنے کے لئے علیؑ کے دروازہ پر آیا۔ جب جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے دروازہ کھولنے اور جناب امیرؑ کو باہر بھیجنے سے انکار کیا تو ان لوگوں نے جناب زہراؑ کے گھر کے دروازہ کو جلا ڈالا اور حضرت علیؑ کو گرفتار کر کے مسجد میں لے گئے اور ان سے کہا کہ اگر تم بیعت نہیں کرو گے تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ لہٰذا بیعت کرنا' اگر خلافت کے انعقاد میں کوئی اہمیت اور کردار نہ رکھتا اور اس پر اثر انداز نہ ہوتا تو علیؑ کے ساتھ اس حد تک کیوں زیادتی کی جاتی۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ خلافت کے انعقاد میں بیعت ایک اہم مسئلہ ہے۔

اسی طرح طلحہ اور زبیر نے جب حضرت علیؑ کی بیعت کو توڑا اور حضرت عائشہ کے ساتھ مل کر حضرت علیؑ کے خلاف بصرہ میں جا کر لشکر کشی کی تو حضرت

علیؓ نے انصار و مہاجرین پر مشتمل ایک لشکر تشکیل دیا اور اس بغاوت کو کچلنے کے لئے بصرہ روانہ ہوئے۔ کافی وعظ و نصیحت اور ہدایت کے باوجود بھی جب باغی راہ راست پر نہیں آئے تو جنگ کے ذریعہ اس بغاوت کو کچل دیا گیا جس میں بیس ہزار سے زائد افراد کی جانیں ضائع ہوئیں۔

اس کے علاوہ یزید ابن معاویہ کا امام حسین علیہ السلام سے شدت کے ساتھ بیعت طلب کرنا اور والیٔ مدینہ کو شدید لہجہ میں لکھنا کہ اہلِ مدینہ اور وہاں کی اہم شخصیات بالخصوص امام حسینؑ سے اس کی بیعت لی جائے اور اگر وہ انکار کریں تو قتل کر دیا جائے' اس بات کی دلیل ہے کہ نظامِ خلافت میں بیعت ایک غیر معمولی کردار رکھتی ہے۔

چنانچہ ان تمام حقائق کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بیعت کا مسئلہ دنیا کے دیگر نظاموں کی طرح نظامِ اسلام میں بھی ایک اہم مقام اور ستون کی حیثیت رکھتا ہے اور بیعت کرنا' بیعت سے انکار کرنا اور بیعت کو توڑنا' یہ سب امورِ سیاست سے مربوط ہیں اور ان کا شمار سیاست میں ہوتا ہے۔

☆☆

امام حسینؑ کے مطالبۂ بیعت
کو مسترد کرنے کے عمل کا تجزیہ و تحلیل

یزید نے جب امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ کیا تو اس کے جواب میں امامؑ کے ردِعمل کی چند ممکنہ صورتیں ہو سکتیں تھیں۔ چنانچہ ہم ان ممکنہ صورتوں کا ایک مختصر سا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کون سی صورت عقل و منطق' دین و

شریعت اور الٰہی سیاست کے عین مطابق ہے اور وہ کون سی صورتیں ہیں جو ان کی ضد ہیں اور جن کی امامؑ جیسی عظیم شخصیت سے جس کے کاندھوں پر الٰہی ذمہ داریاں ہیں، توقع نہیں کی جاسکتی۔

پہلی صورت

پہلی صورت یہ تھی کہ مطالبۂ بیعت کے جواب میں امامؑ یہ کہتے:-

"نہ میں یزید کی بیعت کروں گا نہ کسی اور کی۔ اور نہ ہی میں اپنے لئے کسی سے بیعت لوں گا۔"

اگر امامؑ معاذ اللہ ایسا کہتے تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ (معاذ اللہ) آپؑ معاشرے میں حرج اور مرج چاہتے ہیں جو نہ عقل کے نزدیک مستحسن ہے اور نہ عقلاء اور شریعت کے نزدیک پسندیدہ۔

دنیا کے کسی خطہ میں جہاں لوگ اجتماعی زندگی بسر کرتے ہوں وہاں ان کو یقیناً ایک حکومت اور قانون کی ضرورت ہوتی ہے جو انہیں مربوط اور منظم رکھے۔ علماء، عقلاء اور شریعت تو درکنار ایک معقول آدمی بھی ایسے معاشرے کا ہونا پسند نہیں کرسکتا جس میں کوئی نظم و ضبط اور اسے قائم رکھنے کے لئے کوئی نظام یا حکومت نہ ہو۔ البتہ خوارج نے پہلی مرتبہ حضرت علیؑ کے سامنے یہ احمقانہ نعرہ بلند کیا کہ:

"لاحکم الاللہ"

یعنی انہوں نے علیؑ سے کہا کہ امتِ اسلامی کو کسی حکمران کی ضرورت نہیں ہے خدا خود کافی ہے۔ چنانچہ مولائے متقیان امیرالمومنین امام علی علیہ السلام

نے سختی سے اس کی تردید کی اور ان کی تحریک کو دبا دیا۔ کیونکہ کوئی بھی معاشرہ خواہ وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی ایک حاکم کی ضرورت سے کسی وقت بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

"لاحکم الا للہ" کا مفہوم یہ ہے کہ قانون خدا کا ہو اور اس کا نافذ کرنے والا اللہ کا نمائندہ ہو۔ یہ نہیں کہ کوئی حاکم ہی نہ ہو۔ چنانچہ ایک حدیث ہے کہ:

"تین افراد بھی اگر اکھٹے سفر کے لئے نکلیں تو انہیں چاہئے کہ اپنے سفر سے پہلے اپنے ہی میں سے کسی کو امیر مقرر کر لیں۔"

لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ امام حسین علیہ السلام جیسی عظیم شخصیت ہرج و مرج کی داعی بن جائے۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ یزید کے مطالبۂ بیعت کے جواب میں امام حسینؑ یزید کو خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے قبول کر لیتے۔

امامؑ کے یزید کو بحیثیت خلیفۃ المسلمین قبول کرنے کے معنی یہ ہوتے کہ آپؑ نے معاذاللہ یزید کی طاغوتی حکومت کو استحکام بخشنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ دوسرے لفظوں میں امامؑ اسلام پر فاتحہ پڑھ لیتے۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ وہ ہستی جس نے آغوشِ نبوتؐ میں تربیت پائی ہو، جس نے اپنے پدرِ بزرگوار علی مرتضیٰؑ کی اسلام کے لئے قربانیوں اور ان کی عظیم مجاہدانہ کاوشوں کو نہ صرف دیکھا ہو بلکہ ان میں عملاً شریک رہی ہو۔ کیا ممکن ہے کہ وہ اپنے جدؐ

اور اپنے پدرِ بزرگوار کی محنتوں پر پانی پھیر دے؟ کیا اس امامؑ کی ذات سے کہ جس کے کاندھوں پر الٰہی ذمہ داریاں ہوں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اسلام کو دفن ہوتا ہوا دیکھے اور اسلام پر فاتحہ پڑھ لے۔ چنانچہ جب آپؑ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ آپؑ یزید کی بیعت کرلیں تو آپؑ نے فرمایا کہ:

"اگر یزید جیسا شخص امتِ مسلمہ کا راعی بنے تو پھر اسلام پر فاتحہ پڑھ لو۔"

تیسری صورت

تیسری صورت یہ تھی کہ امام حسینؑ بے شک یزید کی بیعت نہ کرتے لیکن وہ یزید کی مزاحمت بھی نہ کرتے اور اپنے کاموں میں مثلاً دعاؤں، زیارتوں اور ذکر واذکار میں مصروف رہتے۔ جیسا کہ سعد بن وقاص اور عبداللہ ابن عمر وغیرہ کہ جنہوں نے نہ علیؑ کا ساتھ دیا اور نہ علیؑ کے مخالفین کا۔ لیکن یہ صورت حال بھی امام حسین علیہ السلام جیسی عظیم ہستی کے مقام و حیثیت کے منافی ہے اور اس الٰہی مسئولیت سے روگردانی کے مترادف ہے جو خدا اور رسولؐ کی طرف سے آپؑ پر عائد ہوتی ہے۔ آپؑ کی ذات کے متعلق یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ آپؑ اجتماعی اور سیاسی زندگی سے خود کو دور رکھ کر دین کی پامالی کو دیکھتے رہیں، بندگانِ خدا پر ظلم و استثمار کی حکمرانی ہو، مظلوموں اور محروموں کی فریاد و فغاں بلند ہوتی رہے اور آپؑ گوشہ نشین ہو کر یہ سب کچھ دور سے دیکھتے رہیں۔ کیا آپؑ کا شمار بھی معاذاللہ حسن بصری جیسی شخصیتوں میں کیا جا سکتا ہے کہ جو ایک طرف تو ہشام بن عبدالملک کی بیعت نہ کرکے خود کو الگ تھلگ رکھتے ہیں لیکن

دوسری طرف جب ہشام بن عبدالملک کا گورنر حجاج بن یوسف لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا ہے تو اس کے خلاف لوگوں کے احتجاج کو بھی حرام قرار دے دیتے ہیں؟ کیا امام حسین علیہ السلام کی ارفع و اعلیٰ شخصیت کو بھی (معاذاللہ) سعد بن وقاص، عبداللہ ابن عمر اور حسن بصری جیسے لوگوں کی صف میں شمار کیا جا سکتا ہے۔؟

چوتھی صورت

چوتھی صورت یہ تھی کہ امام حسینؑ مدینہ، مکہ اور حجاز میں یزید کی حکومت کو تسلیم نہ کرتے اور شام میں اس کی حکومت میں مداخلت نہ کرتے۔ لیکن کم از کم امامؑ جیسی ہستی کے لئے اس قسم کا سمجھوتہ کہ "ادھر ہم" اور "ادھر تم" کبھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ البتہ وہ افراد جو اپنی خواہشات اور تعیش کے لئے حکومت اور اقتدار چاہتے ہیں، اپنے عیش و عشرت کو برقرار رکھنے کے لئے اس بات پر رضامند ہو سکتے ہیں کہ زمین کے کسی بھی خطہ پر ان کی حکومت برقرار رہے۔ جیسا کہ معاویہ اس بات پر راضی تھا کہ شام میں اس کی حکومت باقی رہے۔ لیکن جس کے پیشِ نظر حصولِ خلافت کی غرض حکومتِ الٰہیہ کا قیام ہو اور جس کا مقصد اوامرِ الٰہی اور شریعتِ پیغمبرؐ کو بندگانِ خدا تک پہنچانا ہو وہ ایسی سودے بازی نہیں کیا کرتا۔ اسلام کا پیغام عالمی ہے چنانچہ پیغمبرِ اکرمؐ نے فرمایا کہ۔

"جہاں جہاں بنی نوع انسان بستے ہیں وہ سب میرے دائرۂ رسالت میں ہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ پیغمبرِ ختمی مرتبت، جزیرہ عرب میں کفر و اسلام کی جنگ میں

مصروف رہنے کے باوجود قیصر و کسریٰ کے بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔

اسی طرح جنگِ صفین کے دوران ایک شخص لشکرِ شام سے نکل کر حضرت علیؓ کے لشکر کی طرف آیا اور علیؑ کو تنہائی میں بلا کر یہ تجویز پیش کی کہ آپؑ کوفہ واپس چلے جائیں اور ہم شام واپس لوٹ جاتے ہیں حضرت علیؓ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ اس لئے کہ مولائے متقیان امام علی علیہ السلام اس بات پر کسی صورت رضامند نہیں ہو سکتے تھے کہ جو خطّہ مملکتِ اسلامی میں داخل ہو چکا ہو وہ کٹ کر علیحدہ ہو جائے۔

چنانچہ علیؓ کے فرزند حسینؓ جیسی ہستی سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ ایسے کسی سمجھوتہ پر رضامند ہو جائیں جس سے اسلامی حکومت کے حصہ بخرے کر کے کوفہ و شام کے مسلمانوں کی تقدیر یزید جیسے فاسق و فاجر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔

پانچویں صورت

یزید کی بیعت کو مسترد کرنے کی تفسیر کوئی یوں بھی کر سکتا ہے کہ امام حسینؓ چاہتے تو نہ یزید کو حکومت کرنے دیتے اور نہ خود کو خلافت کے لئے پیش کرتے بلکہ یہ منصب کسی تیسرے شخص کے حوالے کر دیتے تاکہ امت میں انتشار پیدا نہ ہو۔ لیکن یہ صورت بھی کئی پہلوؤں سے غلط ہے اور امامؓ جیسی ہستی کے لئے قابلِ قبول نہیں ہو سکتی:

☆ ایسی تفسیر اور تجویز خود نظامِ امامت سے انحراف کے مترادف

ہے کیوں کہ اہل بیت علیہم السلام کے نقطہ نظر کے مطابق امامت کے لئے ایک تو امامؑ کا منصوص من اللہ ہونا ضروری ہے دوسرے جس کو امام مقرر کیا جائے اس میں امامت کے لئے شرائط اور اہلیت کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تاریخ کسی ایسے شخص کی نشان دہی کرتی ہے کہ اس وقت خود حسینؑ کی ذات کے علاوہ کوئی اور شخص ایسا موجود تھا جو امامت کے لئے مطلوبہ شرائط اور اہلیت رکھتا ہو اور نہ ہی خود امامؑ نے کسی ایسے شخص کا نام لیا۔

اس کے برخلاف یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بہ اتفاقِ امت پیغمبرِ ختمی مرتبتؐ اور امیرالمومنین علی علیہ السلام کے بعد امام حسینؑ اور آپؑ کے بھائی امام حسن مجتبیٰؑ ہی عالمِ اسلام کی سب سے بڑی شخصیات تھیں۔ امام حسن مجتبیٰؑ شہید ہو چکے تھے لہٰذا اس وقت اس منصب کے لئے امام حسینؑ کی ذات کے علاوہ کوئی اور شخصیت ایسی نہیں تھی جو اس الٰہی منصب کی اہل ہو اور جو اس منصب کے لئے مطلوبہ شرائط پر پوری اترتی ہو۔ لہٰذا کوئی ایسی تجویز کہ جو خود نظامِ امامت سے انحراف کے مترادف ہو کوئی عام عاقل آدمی بھی پیش نہیں کر سکتا چہ جائیکہ امامؑ کی ذات والا صفات سے ایسی توقع کی جائے۔

مذکورہ بالا مفروضات ناممکن ہونے کی صورت میں صرف ایک ہی صورت باقی رہتی ہے اور وہ یہ کہ امام مطالبہ بیعت کو مسترد کر کے خود اپنے لئے بیعت طلب کرتے، امامؑ نے ایسا ہی کیا اور اس کا ثبوت یہ تاریخی حقیقت ہے کہ آپؑ

نے اپنے خطوط اور سفیروں کے ذریعہ لوگوں کو دعوت دی اور اس کا سب سے نمایاں نمونہ حضرت مسلم کے ہاتھوں پر امام حسینؑ کے لئے اہلِ کوفہ کی بیعت ہے۔

اصلاحِ امت

دنیا میں جتنے قیام و خروج وجود میں آتے ہیں ان کا محور و مرکز ہمیشہ

☆ یا تو انسان کی خود اپنی ذات ہوتی ہے۔
☆ یا اپنی قوم گروہ یا خود سے متعلق افراد ہوتے ہیں۔
☆ یا رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔

اپنی ذات کے لئے قیام

یعنی کبھی کوئی شخص اس لئے قیام کرتا ہے کہ اپنے مخالف فریق کو کچل دے۔ کبھی اس لئے قیام کرتا ہے کہ اس کے خلاف صحیح یا غلط جو آوازیں اٹھتی ہیں ان کو دبا دے تاکہ یہ تہمت اس سے دفع ہو جائے یا (واقعی اگر وہ ظالم ہے تو) وہ آواز دب جائے۔ کبھی کوئی فرعون صفت انسان غرور اور تکبر کے نشے میں غیر شعوری طور پر اٹھتا ہے تاکہ اس کے مقابلہ میں کسی گوشہ میں کسی شخص کو جینے کا حق نہ ہو۔ یہ ظالم افراد فرعون بن کر اٹھتے ہیں یا فرعون بننے کے لئے قیام و خروج کرتے ہیں اور ان کا مطمح نظر ظلم، تجاوز اور تعدّی ہوتا ہے۔ ایسے درندہ صفت لوگوں سے اگر ان کے قیام و خروج کی وجہ پوچھی جائے تو ان کے جواب کی برگشت ان کی انانیت یعنی ان کی "میں" پر منتہی ہوتی ہے۔ ایسے قیام و خروج

کو فساد کہا جاتا ہے جن کے مقاصد و اہداف کی بر گشت خود انسان کی اپنی ذات ہو۔

اپنی قوم کے لئے قیام

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص دوسروں کو دھوکہ دینے کے لئے اپنی انانیت یا اپنی "میں" کو مکر و ریا کے پردہ میں چھپا کر قوم کے نام پر قومیت اور نیشنلزم کی بنیاد پر اٹھتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی "میں" کو قوم اور قومیت کے پردے میں چھپا لیتے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اپنے قیام و خروج کا سبب قومی مفاد کو قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ جب اٹھتے ہیں تو کسی دوسری قوم کے حقوق کے لئے نہیں بلکہ اپنی قوم کے حقوق کے لئے اور اس لئے کہ یہ میری قوم ہے۔

غرض ان کے قیام و خروج کے اسباب و علل کی بر گشت خود ان کی اپنی ذات پر منتہی ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا' رسولؐ اور معاد پر یقین نہیں رکھتے۔ یہ جب قوم و قومیت کے نام پر قیام و خروج کرتے ہیں تو پھر یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے قیام کے نتیجہ میں دوسری قومیں کتنی پس رہی ہیں اور فقر وفاقہ کا شکار ہو رہی ہیں۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ وہ کس طرح دوسری قوموں کا استحصال کر رہے ہیں۔ لہٰذا ہر وہ قیام و خروج جس کی بنیاد مادی سوچ پر ہو اور جہاں خدا' رسولؐ اور معاد پر ایمان نہ ہو' فساد پر منتہی ہو گا۔

رضائے الٰہی کے لئے قیام

لیکن وہ لوگ جو خدا' رسولؐ اور معاد پر ایمان رکھتے ہیں جب اٹھتے ہیں تو

قوم کی نجات کے لئے ـــ اس لئے نہیں کہ وہ ان کی اپنی قوم ہے بلکہ وہ ہر قوم کو بندگانِ خدا سمجھتے ہیں اور اس لئے قیام کرتے ہیں تاکہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی اور بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی کی طرف لائیں۔ ان کا قیام رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے۔ چنانچہ تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی مقصد کے لئے قیام کیا۔ جیسا کہ سورہ اعراف کی آیت ۱۵۷ میں ہے کہ:

"وہ نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے احکام کے سنگین بوجھ اور قید و بند کو اٹھا دیتا ہے۔"

ان لوگوں کا قیام "الٰہی قیام" ہے۔ اور اس کا ہدف و مقصد بندگانِ خدا کو ظلم کے پنجوں سے نجات دلانا، غاصبوں سے ان کا حق دلوانا، لوگوں کو شریعتِ الٰہی کی تعلیم دینا اور اس کا نفاذ کرنا ہے۔ یہ لوگ خواہ بندگانِ خدا کی نجات کے لئے قیام کریں، خواہ شریعتِ الٰہی کے نفاذ کے لئے دونوں صورتوں میں ان کا ہدف اور مقصد رضائے الٰہی ہے جس کے لئے وہ اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے عزیز ترین جگر گوشوں کو بھی اس راہ میں قربان کر دیتے ہیں۔ یہ رضائے الٰہی کے طلب گار کبھی اپنی "میں" اور نفس کو اور اپنی ذاتی اغراض کو اس میں شامل نہیں کرتے بلکہ صرف اور صرف خوشنودیٔ خدا کے لئے قیام کرتے ہیں۔

اس الٰہی قیام کے دو پہلو ہیں

- امت کے لئے قیام یعنی معاشرے کو ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لئے قیام۔

○ احیاءِ شریعت کے لئے قیام یعنی مردہ اور معطل شریعت کو زندہ کرنے کے لئے قیام۔

امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے نکلتے وقت پہلے ہی مرحلہ پر نہایت واضح لفظوں میں اپنے قیام و نہضت کے اہداف میں سے اپنی ذات اور اپنی انا کو منہا کیا اور فرمایا کہ میں اپنی انا کی تسکین کے لئے نہیں نکل رہا اور نہ میرا قیام خود پسندی یا کسی استثمار اور استحصال کے لئے ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ

"حسینؑ خدا کی وحدانیت، قیامت میں حشر و نشر اور حساب کتاب پر یقین رکھتا ہے"۔

لہٰذا ایک ایسا انسان جو اللہ پر ایمان اور قیامت پر یقین رکھتا ہو، وہ کبھی اپنی انا کی خاطر یا غرور و تکبر کے نشہ میں نہ کسی فرد پر تجاوز و تعدّی کر سکتا ہے اور نہ کسی معاشرے پر۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے قیام و نہضت کے سلسلے میں ان اہداف کو مسترد کیا ہے جو ذاتیات اور انانیت پر منتہی ہوتے ہیں یا جن کی بنیاد خود پسندی، ظلم، فساد اور غرور و تکبر پر ہو، نہ کہ ان اہداف کو کہ جو الٰہی ہیں اور قیامِ عدل و قسط اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے لئے ہیں۔ لیکن تعجب اور افسوس اس بات پر ہے کہ ہمارے علماء، ذاکرین، مقرر حضرات امام حسینؑ کی نہضت کے اسباب و علل میں سے ان الٰہی اہداف کو بھی مسترد کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے نکلتے وقت محمد حنفیہ کو دی گئی وصیت میں اپنے قیام و نہضت کے اسباب کو بیان کرتے ہوئے واضح طور پر یہ اعلان فرمایا

کہ میرا قیام نہ "اشر" کے لئے ہے 'نہ "بطر" کے لئے 'نہ فساد کے لئے ہے اور نہ ظلم کے لئے۔ یعنی آپؑ نے اپنے قیام کے مقاصد میں سے ان چار اہداف کی واضح الفاظ میں نفی فرمائی ہے کہ میں اشر 'بطر 'فساد یا ظلم کے لئے نہیں نکل رہا۔ ذیل میں ہم ان چاروں لفظوں کی تشریح کرتے ہیں:

اشر بروزن کتف۔ بمعنی خود پسندی 'تکبر 'طغیانی جیسا کہ سورہ قمر کی آیت ۲۵ میں آیا ہے:۔

" ءَاُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْهِ مِنْ بَیْنِنَا بَلْ هُوَ کَذَّابٌ اَشِرٌ "

"کیا ہم میں سے یہ ذکر اسی پر ڈالا گیا ہے۔ بلکہ وہ بہت جھوٹا اور بہت زیادہ اترانے والا ہے۔"

بطر بروزن فرس۔ بمعنی طغیان 'حیرت 'تکبر جیسا کہ سورہ انفال کی آیت ۴۷ میں ہے کہ:

"وَلَا تَکُونُوا کَالَّذِینَ خَرَجُوا مِنْ دِیَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَیَصُدُّونَ عَنْ سَبِیلِ اللّٰهِ"

" اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے نکلے اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔"

فساد۔ بمعنی تباہی 'یہ لفظ صلاح کی ضد ہے۔ کسی چیز کے اپنے توازن سے نکل جانے کو فساد کہتے ہیں یعنی جیسے ہی کوئی چیز اپنے تناسب اور توازن سے نکلے گی فساد کا موجب بن جائے گی۔ جیسا کہ سورہ انبیاء کی آیت ۲۲ میں ہے کہ:

"لَوْ کَانَ فِیهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا"

"اگر اللہ کے سوا دونوں (زمین اور آسمان) میں کوئی اور خدا ہوتا تو تباہ ہو جاتے۔"

ظلم۔ بمعنی نقص، تعدی، تجاوز، کسی غیر کی چیز پر قبضہ کرنا یا کسی دوسرے کی حد یا ملک پر قابض ہو جانا۔

بہرحال فرزندِ رسولؐ اپنے قیام و نہضت کے اہداف و مقاصد سے ان تمام صفاتِ رذیلہ کی نفی کرتے ہیں جو ان لوگوں کا وطیرہ ہیں جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں نہ رسولؐ پر اور نہ معاد پر یقین رکھتے ہیں۔

آپؑ اپنے وصیت نامہ میں یوں فرماتے ہیں:

"ارید لطلب الاصلاح امة جدی"

"میں اپنے جد کی امت کی اصلاح چاہتا ہوں۔"

امام حسین علیہ السلام امتِ رسولؐ کے کس گوشہ اور زاویہ کی اصلاح کرنا چاہتے تھے اس کو بیان کرنے سے پہلے ہم لفظ "اصلاح" کی اہلِ لغت اور اہلِ عرف کے زاویۂ نگاہ سے وضاحت کرنا چاہیں گے۔

لفظ اصلاح "صلاح" سے لیا گیا ہے۔ صلاح کسی چیز کے اچھا ہونے اور شائستہ ہونے کو کہتے ہیں۔ لفظ "صلاح" کی ضد "فساد" ہے۔ اہلِ منطق کے نزدیک لفظ "صلاح" اور لفظ "فساد" دونوں لفظ عدم اور ملکہ ہیں۔ یعنی جس جگہ ان میں سے ایک موجود ہو وہاں اس کی ضد لازماً موجود نہیں ہو گی۔ جیسے اگر کہا جائے کہ زید بینائی رکھتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اندھا نہیں ہے۔ یعنی اس میں نابینائی اور اندھے پن کا وجود نہیں ہے۔ اور اگر کہیں کہ زید نابینا ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ بینائی نہیں رکھتا ہے۔ یعنی اس میں بینائی کا

وجود نہیں ہے۔ یا جیسے اگر کسی چیز کو صالح کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ فاسد نہیں ہے۔ یعنی فساد کا وجود نہیں ہے۔ اور اگر کہیں یہ چیز "فاسد" ہے تو وہ "صالح" نہیں ہوگی۔

اگر کسی کے بارے میں کہا جائے کہ یہ محتاجِ اصلاح ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ فاسد ہے۔ اور جب کوئی چیز فاسد ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس شے سے وہ فائدہ نہیں لیا جاسکتا جو اس سے متوقع تھا۔ مثلاً ــــ اگر کوئی دوا فاسد ہو گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو فائدہ اس دوا سے متوقع تھا وہ اب اس سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ صرف یہ کہ فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ الٹا اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے ـــ اسی طرح اگر یہ کہیں کہ فلاں گھر قابلِ اصلاح ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ گھر رہنے کے قابل نہیں۔ چنانچہ پہلے اس گھر کی اصلاح کی جائے پھر اس گھر سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی امت فاسد ہے تو اس امت سے بہتری کی توقع نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ اس کی اصلاح نہ کرلیں۔ چنانچہ امام حسین علیہ السلام نے جب یہ فرمایا کہ "میں امت کی اصلاح چاہتا ہوں" تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ امت فاسد ہو چکی ہے۔

اگر ہم یہ جاننا چاہیں کہ امام حسینؑ امت کی زندگی کے کس شعبہ کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو پہلے یہ معلوم کریں کہ انسانی زندگی کے کتنے شعبے ہیں اور کون سے شعبے اہم ہیں۔

انسانی زندگی کے شعبوں پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے یہ دیکھیں کہ

امت کے اجزاءِ ترکیبی کیا ہیں۔

ماہرینِ عمرانیات جو امت کے اجزاءِ ترکیبی 'ان کی خصوصیات اور امتیازات پر گہری اور دقیق نظر رکھتے ہوئے تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں وہ مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور ہر ایک اپنے مکتبِ فکر کی بنیاد پر امت کی تقسیم بندی کرتا ہے ــــ

۱ـــ امت کا تجزیہ اقتصادی نقطۂ نظر سے

کارل مارکس اور اس کے ہم فکر چونکہ ہر چیز کا تجزیہ اور تحلیل اقتصادی بنیاد پر کرتے ہیں اس لئے وہ امت کو اقتصادی طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امت کے دو ہی گروہ ہیں۔

- ایک سرمایہ داروں کا گروہ جو قوت اور پیداوار کے وسائل کا مالک ہے

اور

- دوسرا مزدوروں 'محنت کشوں اور محرومین کا گروہ۔

یہ لوگ امت میں "فساد" کا ذمہ دار سرمایہ داری نظام کو ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس معاشرے میں ایک طرف لوگ بھوک 'پیاس اور محرومیت کا شکار ہوں اور دوسری طرف سرمایہ دار طبقہ ملکی ذخائر اور دولت و ثروت کا مالک ہو 'تو ایسا معاشرہ اور ایسی امت ایک فاسد امت ہے۔

۲ـــ امت کا تجزیہ سیاسی نقطۂ نظر سے

ماہرینِ سیاست بھی امت کو دو طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں:

- ایک حاکم، اور
- دوسرے محکوم یا رعایا

ایسا معاشرہ جہاں محکوم کو اپنا حاکم منتخب کرنے کا حق نہ ہو اور حاکم کے انتخاب میں اس کا کوئی کردار نہ ہو تو اس امت کو ایک فاسد امت کہا جاتا ہے۔ چونکہ امت کو اپنے حاکم کے انتخاب کا اختیار نہیں اور نہ ہی اس میں امت کا کوئی کردار ہے اس لئے اس معاشرے اور اس نظام میں حاکم بے لگام ہوتا ہے اور اس کے ظلم و تشدد میں روز بہ روز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جو امت اپنے اوپر ہونے والے ظلم و تشدد کا دفاع نہیں کر سکتی وہ فاسد امت ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم اور روایاتِ معصومینؑ خصوصاً نہج البلاغہ نے ایسی امّت کی شدید مذمّت کی ہے۔

۳۔۔۔ امت کا تجزیہ مکتبِ فکر و دانش کے نقطۂ نظر سے

مکتبِ فکر و دانش بھی امت کو دو طبقوں پر مشتمل سمجھتا ہے

- ایک، تعلیم یافتہ اور دانشور طبقہ، اور
- دوسرا، نادان اور ان پڑھ طبقہ

جس امت میں غیر تعلیم یافتہ اور ان پڑھ لوگوں کی شرح زیادہ ہو گی وہاں اہلِ فکر و دانش کی نظر میں ان پڑھ اور غیر تعلیم یافتہ طبقہ کو امت کا ایک فاسد جز سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اہلِ دانش کا یہ فریضہ ہے کہ وہ امت کے اس فاسد جز کی اصلاح کریں اور لوگوں کو تعلیم یافتہ بنائیں۔

بقول شہید باقرالصدر رضوان اللہ علیہ "جہالت اور تعلیم کا فقدان امت

کے جسم میں ایک ناسور اور خطرناک جز ہے جو امت کے لئے ہمیشہ باعثِ خطر ہے"۔

۴— امت کا تجزیہ ماہرینِ عمرانیات کے نقطہء نظر سے

بعض ماہرینِ عمرانیات امت کو دو طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں جو یہ ہیں:۔

- ایک طبقہء اشراف کہ جو اعلیٰ نسب خاندانوں پر مشتمل ہوتا ہے اور
- دوسرے وہ طبقہ جو عام عوام پر مشتمل ہوتا ہے

ان ماہرین کی نظر میں طبقہء اشرافیہ کے علاوہ لوگ امت کا ایک فاسد جز ہیں۔ ان کے نقطہء نظر سے ان لوگوں کا کام یہ ہے کہ وہ اشراف کی خدمت میں رہیں۔ جہاں اشراف کی حکومت ہو گی وہاں دوسرے انسانوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر وہ اشراف کی خدمت نہ کریں تو وہ امت کا ایک فاسد جز ہیں جس کو کاٹ کر ختم کر دینا چاہیے۔

۵— امت کا تجزیہ اہلِ دین کے نقطہء نظر سے

یہ تمام گزشتہ امتیازات جنہوں نے امت کو دو طبقوں میں تقسیم کیا' دین انہیں تسلیم نہیں کرتا۔ یہ امتیازات انسان کی تقسیم بندی کے لئے صحیح نہیں ہیں۔ اہلِ دین کے نزدیک ان امتیازات کی بنیاد پر دوسروں پر فخر اور تسلط برقرار رکھنا جائز نہیں۔ وہ صرف ایمان باللہ کو امتیاز سمجھتے ہیں۔ اہلِ دین امت کو مندرجہ ذیل دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں:۔

- ایک' مومن جو خدا' انبیاء' خدا کی نازل کردہ کتابوں اور معاد پر ایمان

رکھتے ہیں۔

⊖ دوسرے کافر جو مومن کے برخلاف ان چیزوں پر ایمان نہیں رکھتے اور انہیں مسترد کرتے ہیں۔

لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ ہر امت میں مذکورہ بالہ تمام گروہ پائے جاتے ہیں۔ یعنی کام لینے والے بھی اور کام دینے والے بھی' پیداواری وسائل کے مالک بھی اور اس کو چلانے والے بھی' ثروت مند بھی اور محروم بھی' عالم بھی اور جاہل بھی' حاکم بھی اور رعایا بھی' اشراف بھی اور غیراشراف بھی' آزاد بھی اور غلام بھی' مومن بھی اور کافر بھی۔ غرض کوئی بھی امت ان طبقات سے خالی نہیں ہے۔ یہ طبقات ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے' سوائے ان چند طبقات کے جیسے کہ غلام' کافر وغیرہ جو ظہورِ امام زمانہؑ پر ختم ہو جائیں گے۔ لیکن کوئی ایسا عہد رہا ہے اور نہ آئے گا کہ جس میں رعایا ہو اور حاکم نہ ہو' حاکم ہو اور محکوم نہ ہو' آجر ہو اور اجیر نہ ہو' عالم ہو اور جاہل نہ ہو یا سب کے سب جاہل ہوں اور کوئی عالم نہ ہو۔

خداوندعالم نے نظامِ حیات کو اس طرح بنایا ہے کہ انہی طبقات سے امت کی چکی گردش کر رہی ہے۔ امت کا وصف اور خوبی اس میں نہیں کہ اس میں یہ طبقات نہ ہوں اور امت طبقۂ واحدہ ہو۔ ہاں البتہ قرآنی نقطۂ نظر کے مطابق ایمان کی بنیاد پر امتِ واحدہ کا وجود یقیناً صحیح ہے۔ قرآنی اصطلاح کی رو سے یہ تمام طبقات ایک طبقۂ واحدہ ہیں کیونکہ یہ سب کے سب بندگانِ خدا ہیں۔

امت کا ہر گروہ ایک دوسرے کے مقابل اپنے حقوق رکھتا ہے اور اسی طرح اپنے ذمّہ ایک دوسرے کے مقابل کچھ فرائض بھی رکھتا ہے۔ ہر گروہ کے

لئے لازم ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کی انجام دہی میں مشغول رہے۔ جب بھی کوئی طبقہ اپنی ذمہ داری اور مسئولیت میں کوتاہی کرے گا تو لازماً وہ کوتاہی امت میں فساد کا سبب بنے گی۔

جہاں حاکم رعایا کے لئے اپنی ذمہ داری اور مسئولیت کو انجام نہ دے یا رعایا حاکم کے لئے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اور اس صورت میں امت میں فساد ظاہر ہو تو اس کو سیاسی فساد سے تعبیر کریں گے۔

سرمایہ دار اگر اپنے فرائض ادا نہ کرے اور امت کے محروم اور مزدور طبقہ کو اس کا حق نہ دے یا مزدور طبقہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت برتے اور ہڑتال اور تالہ بندی کا سلسلہ شروع کردے تو اس صورت میں جو فساد رونما ہوگا اسے اقتصادی فساد کہا جائے گا۔

عالم اگر اپنے علم کو چھپائے یا اپنے علم کو ذریعہء معاش بنائے یا علم کو دیگر بکنے والی متاعِ زندگی کی طرح بازاروں میں فروخت کرے اور دوسری طرف جاہل اگر علم و آگاہی سے روگردانی کرے' مدارس اور دانشگاہوں سے دور رہے۔ تو معاشرے میں اس کے نتیجے میں جو فساد ظاہر ہوگا اسے فکری فساد کا نام دیا جائے گا۔

اسی طرح طبقہء اشراف دوسروں کو اگر انسان نہ سمجھے اور ان کے ساتھ برا سلوک روا رکھے' اور دوسری طرف غیر اشراف نسل کے لوگ ان لوگوں کی جنہیں اسلام نے برتری عطا کی ہے ان کے لئے مخلص ہونا' ان کا احترام کرنا' اور معاشرے کے معقول آداب کی پابندی کرنا اگر عیب و نقص سمجھیں تو آپس میں بغض و عداوت کا ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا اور یہیں سے فسادِ اجتماعی کا آغاز

ہو گا۔

پیغمبرِ اسلامؐ کی بعثت سے قبل انسان ان تمام مفاسد کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا اور معاشرے کا کوئی بھی جز صالح نہیں تھا۔ سیاست فاسد تھی' اقتصادی فساد اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ لقمۂ نان میسر نہ ہونے کی وجہ سے لوگ اپنے بچوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے 'علم و آگاہی کے لحاظ سے وہ دور 'دورِ جاہلیت کے نام سے موسوم ہے 'اشرافیت کا حشر یہ تھا کہ انسانوں کی خرید و فروخت کے بازار دوسرے تمام بازاروں سے کہیں زیادہ بارونق تھے۔ چنانچہ پیغمبرِ اکرمؐ نے مبعوث ہوتے ہی اعلان کیا کہ اگر اقتصادی 'سیاسی اور فکری فسادات کا خاتمہ چاہتے ہو اور اپنے آپ کو ان تمام مفاسد سے نجات دلانا چاہتے ہو تو یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ حاکمیتِ الٰہی کو تسلیم کیا جائے۔ آپؐ نے ان مفاسد کی اصلاح اور علاج کا حل اس ایک جملہ میں قرار دیا کہ:

" قُولُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" "لوگو! کہو کہ نہیں ہے کوئی خدا لیکن اللہ۔"

یعنی ان تمام بدبختیوں اور فساد سے نجات ملے گی تو صرف اور صرف حاکمیتِ الٰہی کو تسلیم کرنے کے بعد۔ پیغمبرِ اکرمؐ نے پہلے ہی دن اپنی قوم سے خطاب کر کے فرمایا:-

"میں تمہارے لئے دین و دنیا کی بھلائی لے کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم خدا کی وحدانیت کو تسلیم کرو اور غیر خدا کی بالادستی چاہے وہ کسی شکل میں ہو اسے ختم کرو۔"

رسولِ اکرمؐ ان مفاسد کے خاتمہ کا حل اور علاج اسی میں دیکھتے تھے کہ امت کی "اصلاحِ سیاسی" ہو جائے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں اپنی ۱۳ سال کی جدوجہد

کے بعد مدینہ منورہ میں آپؐ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"میں عہدِ جاہلیت کے تمام شوم رسم و رواج کو مٹاتا ہوں اور انہیں قدموں کے نیچے روندتا ہوں۔ کوئی بھی شخص ماسوائے تقویٰ کے کسی بھی امتیاز کی بنیاد پر فخر و مباہات نہ کرے' امت اب صرف ایک طبقہ اور ایک امت ہے اور "امتِ مومنہ" ہے۔ اب فقیر اپنے فقر کو عیب نہ سمجھے' اب سرمایہ دار اپنے سرمایہ کو اپنے لئے وجہِ امتیاز نہ بنائے بلکہ امت کے سامنے خود کو امین سمجھے۔"

آج آپ نے سالہا سال سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے افراد کو آزادی کا مژدہ سنایا' خاندانِ قریش کے اور اوس و خزرج کے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ اخوت و برادری کا عقد جاری کیا' کل تک جو غلام تھے ان میں سے کسی کو دامادی (زید ابن حارثہ) کا شرف ملا اور کسی کو خاندانِ رسالتؐ کے اہل بیتؑ میں (سلمان فارسی) شمار ہونے کا شرف حاصل ہوا' کسی کو مؤذنِ رسول اللہ بننے کا شرف ملا (بلال) اور کل جو شریف گنے جاتے تھے آج انہیں طلقاء کا لقب ملا۔ غرض ایک صالح امت کا وجود سامنے آیا اور خداوندعالم کی طرف سے آیت نازل ہوئی کہ:

"كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظرِعام پر لایا گیا ہے۔ تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔"

(سورہ آل عمران ۳۔ آیت ۱۱۰)

چونکہ یہ امت اچھائی کی طرف دعوت دیتی ہے۔ اس لئے بڑے بڑے اشراف، حکمران اور امپیریالسٹ اس چھوٹی سی امّت کے سامنے سرنگوں اور خاشع و خاضع ہیں۔ یہ وہ امت ہے جس میں تمام پہلو اور زاویے صالح ہیں اور اگر کوئی فاسد جز ہو بھی تو اس کا کوئی کردار نہیں کیوں کہ وہ اپنی حیثیت کھو چکا ہے۔

الغرض امامؑ اس وقت دو میدانوں میں امت کی اصلاح کے خواہاں تھے۔ ایک طرف امامؑ کے پیشِ نظر نظامِ حکومت کی اصلاح تھی اور آپؑ وہاں سے فاسد عناصر کا قلع قمع چاہتے تھے۔ دوسرے اس وقت کے علماء، دانشوروں اور مقتدر شخصیات کے سکوت کو توڑنا آپؑ کو مقصود تھا۔

احیاءِ سیرتِ جد

امام حسینؑ نے جو وصیت نامہ اپنے بھائی محمد حنفیہ کے نام لکھا تھا اس کا ایک جملہ یہ ہے کہ:

"اسیر بسیرت جدی وابی"

آپؑ نے اس وصیت نامہ میں فرمایا کہ:-

میں اپنے نانا محمد مصطفیٰؐ اور اپنے پدرِ بزرگوار علیؑ ابن ابیطالب کی سیرت پر اپنے اس قیام کو استوار کروں گا اور ان کی سیرت کو زندہ کروں گا۔

آپؑ کے اس جملہ کو سمجھنے کیلئے دو چیزوں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے:

۱۔۔ پیغمبرِ اکرمؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ کو کس نہج پر چلایا۔ ؟اور

۲۔۔ امیرالمومنین علیؑ اپنی حیاتِ مبارکہ میں کس نہج پر گامزن رہے۔ ؟

ان دونوں عظیم ہستیوں کی پوری زندگی کو سامنے رکھ کر یہ دیکھیں کہ مدینہ سے نکلنے کے بعد

- امام حسینؑ کی کیا سیرت رہی ؟
- امامؑ نے اپنی زندگی کو کس جہت پر لگایا ؟
- آپؑ نے کیا کیا اقدامات کیے ؟
- آپؑ نے کس عمل کو سب سے مقدم رکھا؟

پیغمبرِ اکرمؐ کی حیاتِ مبارکہ کے دو حصے ہیں۔ ایک مکی زندگی کہ جس میں ایک طرف تو آپؐ نے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی' خیر و شر سے آگاہ کیا' معروف و منکر سے لوگوں کو آشنا کیا' بت پرستی سے لوگوں کو منع کیا اور خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش کی دعوت دی۔ دوسری طرف اجتماعی نظام میں انسانوں پر انسانوں کی حکمرانی اور حاکمیت کے برخلاف خدا کی حاکمیت کو قائم کرنے کی دعوت دی جس کے نتیجہ میں آپؐ کفارِ قریش اور سردارانِ قریش کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے یہاں تک کہ مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کرنا پڑی۔

سرورِ کائناتؐ کی زندگی کا دوسرا حصہ مدینہ پہنچ کر شروع ہوتا ہے۔ یہاں آپؐ کی تمام مساعی اور کوششوں کا مرکز ایک اسلامی اور قرآنی معاشرے کو وجود میں لانا تھا۔ ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جس میں تمام طبقاتی امتیازات مٹا کر' انسانوں پر انسانوں کی بالادستی کو ختم کر کے 'اخوت اور برادری کا معاشرہ قائم کر کے خدا کی حاکمیت کو نافذ کیا جائے۔ چنانچہ آپؐ کے اس مقدس ہدف کے

خلاف جو بھی خدا کی حاکیت کو ختم کرنے اور روکنے کیلئے آپؑ کے مقابلہ میں آیا آپؑ دشمن کی کثرت و قوت کو خاطر میں لائے بغیر اور اپنی قلت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خدا کے بھروسے پر اس سے نبرد آزما ہوئے اور خدا نے آپؑ کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا۔

مکہ میں بھی پیغمبرِ اکرمؐ تن تنہا نکلے اور ظلمت و تاریکی اور انحرافات کے سمندر کی موجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آپؑ نے قیام فرمایا جب کہ گنتی کے چند افراد آپؑ کے ساتھ تھے۔ اپنے قیام و نہضت کے دوران پیغمبرِ اکرمؐ نہ مکہ میں اپنی تنہائی، ناتوانی اور ضعف کی وجہ سے گھبرائے اور نہ مدینہ کی زندگی میں دشمن کی کثرت، افرادی اور مالی قوت کو خاطر میں لائے۔ چنانچہ ہر جنگ میں دشمن کی تعداد ہمیشہ زیادہ ہوتی اور پیغمبرؐ کے ساتھ بہت کم افراد ہوتے لیکن آپؑ نے اپنی نہضت اور اپنے قیام کو جاری رکھا۔ بہرحال پیغمبرؐ کی مکی زندگی ہو یا مدنی، دونوں میں دو چیزیں بہت نمایاں تھیں:

(۱) ظلمت و تاریکی کے عالم میں تن تنہا اٹھنا اور لوگوں کو دعوت دینا،

(۲) دشمن کی کثرت اور قوت سے مرعوب اور خوف زدہ ہوئے بغیر اپنے مشن کی حقانیت پر بھروسہ کرتے ہوئے اور دشمن کے مقابلہ میں افرادی قوت کم ہونے کے باوجود قیام کرنا تاکہ انسان پر انسان کی بالادستی اور چیرہ دستی کو ختم کر کے خدا کی حاکیت کو قائم کردیں۔

اب ذرا امام حسینؑ کے پدرِ بزرگوار علیؑ ابن ابی طالبؑ کی سیرت کا بھی جائزہ لیتے چلیں تاکہ امام حسینؑ کے اس جملہ کو سمجھنے میں مدد مل سکے:

"اسیر بسیرت ابی"

جب ہم امام علیؑ کی سیرت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بحیثیتِ امام آپؑ کی سیرت کے دو ادوار ہیں۔

- ایک پیغمبرِ اکرمؐ کی رحلت سے لیکر خلافتِ ظاہری ملنے تک،
- دوسرا خلافتِ ظاہری کے منصب پر فائز ہونے کے بعد۔

جہاں تک آپ کے پہلے دور کا تعلق ہے تو پیغمبرِ اسلامؐ کے بعد اس دور کو ہم دورِ سکوت تو نہیں دورِ قعود کہیں گے۔ امیرالمومنینؑ کے اس دور کو ہم دورِ سکوت نہیں کہہ سکتے کیوں کہ عام علماء و صالحین بھی کبھی ظلم و بدعت کے مقابلہ میں خاموش نہیں رہ سکتے چہ جائیکہ امیرالمومنین امام علیؑ جیسی عظیم اور فعال شخصیت ظلم یا کسی بدعت کے خلاف سکوت اختیار کرے۔ ہاں! البتہ آپؑ نے اپنے اس دورِ قعود میں قیام نہیں کیا۔

لیکن جب آپؑ نے خلافتِ ظاہری کی زمام سنبھالی تو سابقہ انحرافات، غلط رسم و رواج اور بدعتوں کا ایک لشکر تھا جس کا آپؑ کو مقابلہ کرنا تھا۔ آپؑ ان سب فتنوں کی بہ یک وقت اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ جیساکہ آپؑ نے اس وقت فرمایا کہ جب مدینہ میں آپؑ کی بیعت ہوئی۔

"والذی بعثه بالحق لتبلبلن .....ولتغربلن غربلته ولتساطن سوط القدر حتی یعود اسفلکم اعلاکم واعلاکم اسفلکم ولیسبقن سابقون کانوا قصروا ویسقصرن سباقون کانوا اسبقوا۔"

"اس ذات کی قسم جس نے رسولؐ کو حق و صداقت کے ساتھ

بھیجا۔ تم بری طرح تہ وبالا کئے جاؤ گے اور اس طرح چھانے جاؤ گے جس طرح چھلنی سے کسی چیز کو چھانا جاتا ہے اور اس طرح خلط ملط کئے جاؤ گے جس طرح (چمچے سے ہنڈیا) یہاں تک کہ تمہارے ادنیٰ اعلیٰ اور اعلیٰ ادنیٰ ہو جائیں گے۔ جو پیچھے تھے آگے بڑھ جائیں گے اور جو ہمیشہ آگے رہتے تھے وہ پیچھے چلے جائیں گے۔"

(خطبہ ۱۶۔ نہج البلاغہ)

چنانچہ امیرالمومنینؑ کی سیرتِ قیامی خلافتِ ظاہری کے بعد شروع ہوئی۔ بالکل اسی طرح اپنی اس نہضت اور قیام سے قبل امام حسینؑ کا گزشتہ دس سالہ دور اپنے پدرِ بزرگوار کی سیرت کے مطابق 'دورِ قعود تھا۔ اسے دورِ سکوت نہیں کہیں گے۔ بہرحال حضرت علیؑ کے دورِ قیامی میں ہمیں دو اقدامات نظر آتے ہیں:

پہلا اقدام سابقہ انحرافات سے پردہ ہٹانا اور پچیس سال کے بعد پھر سے سیرتِ پیغمبرِ اکرمؐ کو سامنے لانا اور اس سیرتِ طیبہ کا احیاء کرنا۔

آپؑ کا دوسرا اقدام ہر اس نظام کو ختم اور برطرف کرنا تھا جو حاکمیتِ الٰہی کی راہ میں حائل ہو۔

چنانچہ آپؑ نے تین اصلاحات فرمائیں۔

(۱) سیاسی اصلاحات

(۲) اداری اصلاحات اور

(۳) اقتصادی اصلاحات

امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی شہادت اور امام حسنؑ سے صلح کے بعد معاویہ پوری طرح اسلامی معاشرہ پر مسلط ہو گیا تھا۔ اب اسے اپنے اقدامات کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں کسی روک ٹوک کا سامنا نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ معاشرہ کا کوئی شعبہ انحراف و کجی سے محفوظ نہ رہا تھا اور امتِ مسلمہ نہایت تیزی کے ساتھ زمانۂ جاہلیت کی طرف پلٹ رہی تھی، جاہلی سنتیں زندہ کی جا رہی تھیں، قبائلی تعصبات اور اقرباء پروری زوروں پر تھی، شعائرِ اسلامی کا کھلم کھلا مذاق اڑایا جا رہا تھا اور اسلام میں ملوکیت کا آغاز ہو چکا تھا۔

امام حسینؑ اپنے جد حضرت محمد مصطفیؐ اور اپنے پدرِ بزرگوار حضرت علیؑ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے صدرِ اسلام کے رسولِ مقبولؐ کی مانند اپنے اصحاب کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ اس انحراف کے سامنے ڈٹ گئے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

امام حسین علیہ السلام کے قیام کے اہم ترین اسباب و محرکات میں سے ایک سبب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جس کا ذکر آپؑ نے مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات پر فرمایا ہے۔

(۱) مجلسِ ولید سے واپس آنے کے بعد آپؑ قبرِ رسولؐ پر تشریف لے گئے اور رسولؐ کو واسطہ قرار دے کر درگاہِ خدا میں آپؑ نے دعا کی کہ:

"خداوندا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں۔ اس صاحبِ قبر۔ تیرے رسولؐ کا واسطہ دے کر تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ میرے حق میں اس چیز کا انتخاب فرما جس میں تیری اور تیرے

رسولؐ کی رضا ہو۔"

(عنوانِ امام حسینؑ ص ۲۲ ،نقل از مقتل خوارزمی -ج ۱ص -۱۸۶ ،مقتل عوالم ص ۵۴)

(۲) مدینہ چھوڑنے سے قبل امامؑ نے ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا' اس پر اپنی مہر ثبت فرما کر محمد ابن حنفیہ کے سپرد کیا۔ تمام مقاتل میں اس وصیت نامہ کا ذکر موجود ہے۔ اس وصیت میں آپؑ نے تحریر فرمایا کہ:

"میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں۔"

(عنوانِ امام حسینؑ -ص ۲۲ ،نقل از خوارزمی -ج ۱-ص ۱۸۸ ،مقتل عوالم ص ۵۴)

(۳) آپؑ جب منزلِ بیضہ پر پہنچے تو لشکرِ حر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اے لوگو! پیغمبرِ اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ جو بھی ایسے سلطانِ جائر کو دیکھے جو حرامِ خدا کو حلال کرتا ہو' عہدِ خدا کو توڑتا ہو' سنتِ رسولؐ کی مخالفت کرتا ہو' بندگانِ خدا پر ظلم و تعدی کرتا ہو اور یہ سب دیکھتے ہوئے وہ شخص اپنے قول و فعل کے ذریعہ اس کو نہ روکے تو خدا پر واجب ہے کہ اس فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنے والے کو اسی ظالم کے ساتھ محشور کرے۔"

اس کے بعد فرمایا کہ:

"بالتحقیق ان لوگوں (بنی امیہ) نے شیطان کی اطاعت اختیار کی ہے اور رحمٰن کی اطاعت کو ترک کیا ہے۔ انہوں نے زمین میں فساد پھیلایا ہے۔ خراجِ سلطنت پر ناجائز قبضہ کر لیا ہے' حرامِ خدا کو

حلال کیا ہے اور اس کے حلال کو حرام قرار دیا ہے۔"

(سخنانِ امام حسینؑ۔ ص ۱۲۷ نقل از طبری جلد ۷۔ ص ۳۰۰ کامل ابن اثیر۔ ج ۳۔ ص ۲۸۰ خوارزمی جلد ۱۔ ص ۲۳۴ انساب الاشراف جلد ۳۔ ص ۱۷۱)

(۴) امامؑ جب کربلا پہنچے تو اپنے اصحاب سے خطاب فرمایا کہ:

"کیا تم لوگ نہیں دیکھ رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے؟ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ باطل سے لوگ باز نہیں آ رہے۔ (ان حالات میں) مومن کو چاہئے کہ لقاء اللہ (یعنی موت اور شہادت کو گلے لگانے) کی تمنا کرے۔ میں (ایسے حالات میں) موت کو سعادت کے سوا کچھ اور نہیں سمجھتا اور ان ظالمین کے ساتھ زندگی کو ذلت کے علاوہ کچھ اور نہیں سمجھتا۔"

(۵) امام حسین علیہ السلام کے لئے جتنی زیارات وارد ہوئیں ہیں ان سب میں ایک جملہ ہے اور وہ یہ ہے کہ۔

"آپؑ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوئے شہید ہوئے۔"

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فروعِ دین میں ایک اہم مقام کا حامل ہے۔ کتبِ فقہ اور احادیث میں فقہاء اور محدثین نے اس موضوع پر کافی طویل اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کتاب میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تمام پہلوؤں پر بحث کرنا طوالت کے پیش نظر ممکن نہیں البتہ اپنے اصل موضوع کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہم یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے صرف ان پہلوؤں پر بحث کریں گے جو امام حسینؑ کے ان کلمات کی تفسیر و تحلیل میں مد اور معاون ثابت ہوں۔ امامؑ جب یہ فرماتے ہیں کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن

المنکر کے لئے نکل رہا ہوں تو یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آپ "کون سے معروف کے متروک ہونے اور کن منکرات کے رائج ہونے کے خلاف قیام کر رہے ہیں' مندرجہ ذیل نکات پر بحث ضروری ہے۔

(الف) امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعریف

امربالمعروف دو کلموں سے مرکب ہے:

ایک "امر" اور دوسرے "معروف"

امر

کسی بلند شخصیت کا اپنے سے کمتر شخص سے کسی شے کے طلب کرنے کو امر کہتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ:

"قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ"

"کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے انصاف کا حکم دیا ہے"

(سورہ اعراف ۷۔ آیت ۲۹)

اس کے علاوہ کبھی کسی فعل اور شے کو بھی امر کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے کہ:

"وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ"

"اور اسی کی طرف تمام امور کی بازگشت ہے۔"

(سورہ ہود ۱۱۔ آیت ۱۲۳)

معروف

راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ معروف ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس کی اچھائی عقل و شرع سے ثابت ہو۔

لہٰذا ہر وہ کام جو عقل و شرع کے مطابق ہو اسے معروف کہتے ہیں۔ چنانچہ کسی شخص سے اگر کسی ایسے فعل کی انجام دہی کے لئے کہیں جو عقل و شرع کے مطابق ہو تو اس فعل کے طلب کرنے کو امر بالمعروف کہتے ہیں۔

نہی عن المنکر

اسی طرح لفظ نہی عن المنکر بھی دو کلموں یعنی "نہی" اور "منکر" سے مرکب ہے۔

نہی

کسی بلند شخصیت کی طرف سے اپنے سے کمتر شخص کو کسی فعل سے روکنے منع کرنے اور باز رکھنے کو نہی کہتے ہیں۔ یعنی کسی فعل کے طلب ترک کو نہی کہتے ہیں۔

منکر

ہر وہ چیز جس کی برائی، قباحت یا مذمت، عقل و شرع سے ثابت ہو اسے منکر کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہر وہ شے اور ہر وہ فعل کہ جو محبوب و مطلوب عقل و شرع

ہو اسے "معروف" کہتے ہیں اور ہر وہ چیز کہ جو عقل و شرع کے لحاظ سے ناپسندیدہ اور مذموم ہو اسے "منکر" کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ واضح الفاظ میں اسے یوں کہا جاسکتا ہے کہ......

ہر وہ چیز جو انسان کی عقل کو تقویت دے' اس کی روح کی تربیت میں مدد گار ہو اور قربِ الٰہی تک پہنچنے کا وسیلہ ہو اسے معروف کہتے ہیں۔ اور اس فعل کی انجام دہی کا کسی سے مطالبہ کرنے کو "امر بالمعروف" کہتے ہیں۔

اور ہر وہ عمل جو انسان کی غریزۂ حیوانی اور شہوت کو ابھارے' جو شیاطینِ جن و انس کی پیروی میں ہو اور انسان کو سقوط و زوال کی طرف لے جائے اسے منکر کہتے ہیں اور ایسے افعال کے مرتکب لوگوں کو ایسے افعال سے روکنے اور باز رکھنے کے عمل کو "نہی عن المنکر" کہتے ہیں۔

معروفات و منکرات

شریعتِ مقدّسِ اسلام میں معروف و منکر کی فہرست بہت طویل ہے۔ مثلاً اعتقادی ـــــ اقتصادی ـــــ اجتماعی ـــــ سیاسی وغیرہ وغیرہ

۱۔ معروفاتِ اعتقادی

اصولِ عقائد اثباتِ وجودِ خدا' توحید' نبوت' امامت' معاد' حشر و نشر' حساب و کتاب' سوال و جواب وغیرہ میں بحث و گفتگو' نشر و تبلیغ کرنا معروفاتِ اعتقادی ہیں۔

منکراتِ اعتقادی

شرک و کفر کے نظریات پھیلانا' وجودِ خدا کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کرنا۔ انبیائے الٰہی پر تہمت و افتراء باندھنا' ائمۂ اطہارؑ سے دشمنی برتنا' حشر و نشر سے انکار کرنا یا شکوک پھیلانا منکراتِ اعتقادی ہے۔

۲۔ معروفاتِ اقتصادی

زکات' خمس' صدقات' نذورات' کسبِ معاش' انفاق فی سبیل اللہ' محرومین و فقراء کی دیکھ بھال کرنا معروفاتِ اقتصادی ہیں۔

منکراتِ اقتصادی

ذخیرہ اندوزی' ناپ تول میں کمی بیشی' سود خوری' ملاوٹ کرنا' مسلمانوں کے اقتصاد پر کافروں کو مسلط کرنا' بخل کرنا' لادین اقتصادی نظام کو فروغ دینا منکراتِ اقتصادی ہیں۔

۳۔ معروفاتِ اجتماعی

ایک دوسرے کا احترام کرنا' قیامِ امن و امان میں حصہ لینا' اتحاد و اتفاق کی دعوت دینا' ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کرنا' اخوت و برادری کی فضا قائم کرنا یہ معروفاتِ اجتماعی ہیں۔

منکراتِ اجتماعی

معاشرہ میں اختلافات کو ہوا دینا' امن و امان کو خطرے میں ڈالنا' قتل و

غارت گری کو عام کرنا، فواحش اور برائیوں کو رواج دینا منکراتِ اجتماعی ہیں۔

۴۔ معروفاتِ سیاسی

خدا و رسولؐ کے منتخب و منصوص نمائندوں کی اطاعت کرنا، اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی مناصب پر باایمان یعنی خدا و رسولؐ اور معاد پر ایمان رکھنے والوں، علم و آگہی رکھنے والوں یعنی شریعت سے آگاہ اور قدرت و صلاحیت کے حامل افراد کو یہ مناصب سونپنا، شریعت کی پاسداری، ملتِ اسلامیہ کے مصائب و آلام میں خود کو برابر کا شریک کرنا، معروفِ سیاسی ہے۔

منکراتِ سیاسی

جاہل و نادان، فاسق و فاجر، قسی القلب، بے رحم انسانوں کو حکومت، اداروں کے اعلیٰ مناصب و عہدوں پر نصب کرنا، امت کی رضا کو نظر انداز کرنا، حزبِ اختلاف، یعنی حکومت کے غلط اقدام اور بے جا ظلم و جور پر اظہارِ رائے کرنے والوں اور ان کے غلط اقدام کی نشاندہی کرنے والوں پر جبر و تشدد کرنا، زندانوں میں محبوس کرنا، فقر و فاقہ میں رکھنا اور حکومت اور امورِ حکومت کو اپنے مخصوص ایسے پسندیدہ ٹولے کے سپرد کرنا جو لوگوں کے مقدرات سے کھیلتا ہو نیز قوانین کی خلاف ورزی کرنا وغیرہ یہ سارے اعمال منکراتِ سیاسی ہیں۔

تمام معروفات و منکرات ایک جیسے نہیں

تمام منکرات و معروفات ایک حیثیت کے حامل نہیں ہیں بلکہ بعض

معروف ایسے ہوتے ہیں جن کا متروک ہونا دیگر معروفات کے متروک ہونے کا سبب بنتا ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف اس روایت سے ہوتا ہے جو محمد ابن منصور نے امام موسیٰ کاظمؑ سے نقل کی ہے وہ کہتا ہے کہ ہم نے امام موسیٰ کاظمؑ سے اس آیتِ شریفہ

"قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" (سورہ اعراف آیت ۳۳)

کی تفسیر پوچھی تو امامؑ نے جواب میں فرمایا کہ:

"قرآنی آیت کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک باطنی۔ ہر وہ چیز جو قرآن میں حرام قرار دی گئی ہے وہ اس کا ظاہر ہے اور اس کا باطن ائمۂ جور ہیں۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو قرآن میں حلال قرار دی گئی ہے وہ اس کا ظاہر ہے اور اس کا باطن ائمۂ حق ہیں۔"

(میزان الحکمہ ج ۱۔ ص ۱۶۰ نقل از اصولِ کافی ج ۱۔ ص ۳۷۴)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ تمام منکرات کا سبب ائمۂ جور ہیں جن سے منکرات فروغ پاتے ہیں۔ ان ائمۂ جور کے ہوتے ہوئے کسی بھی منکر کی مزاحمت کرنا سود مند نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ائمۂ جور ان منکرات کی پشت پناہی کرتے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا

"ہر خیر کی اصل ہم ہیں اور نیکی کی ہر شاخ ہمارے وجود سے نکلتی ہے۔ توحید، روزہ، نماز، غصہ کو ضبط کرنا، اہلِ فضل کی فضیلت کا

اعتراف کرنا یہ سب نیکیوں کی وہ شاخیں ہیں جو ہمارے وجود سے نکلتی ہیں۔ جبکہ ہمارے دشمن ہر برائی کی جڑ ہیں اور فسق وفجور ہر بُرا عمل اور برائی ان کی وجہ سے وجود میں آتی ہے اور ان برائیوں کی شاخوں میں سے یہ برائیاں ہیں۔

بخل۔

جھوٹ۔

چغل خوری۔

قطع رحمی۔

سود خوری اور مالِ یتیم پر بلاحق تصرّف کرنا۔

حدودِ الٰہی سے تجاوز کرنا۔

فواحش کا ارتکاب کرنا۔

چوری' زنا وغیرہ جیسے قبیح افعال کا ارتکاب کرنا۔

اس کے بعد امامؑ نے فرمایا کہ وہ شخص جھوٹ بولتا ہے جس نے یہ کہا کہ ہم اہل بیتؑ کے ساتھ ہے جب کہ وہ ان برائیوں میں ملوث بھی ہو۔"

(میزان الحکمہ ج ۱۔ ص ۱۶۱۔ نقل از روضہ کافی ج ۲۔ ص ۳۳۶)

مذکورہ بالا دونوں احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ ہر معروف خواہ وہ عبادات و اجتماعیات سے متعلق ہو چاہے اقتصادیات یا سیاسیات سے 'امامِ حق کے وجود کی ذیلی شاخوں میں سے ہے۔ اس کے برخلاف ہر منکر چاہے فکری ہو یا سیاسی و اقتصادی یا اجتماعی ہو اس کا سرچشمہ امامِ باطل و حاکمِ جور ہے۔

ان دو احادیث اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت' دوسرے ارکانِ شریعت اور اصول و فرع کے متعلق وارد روایات کو سامنے رکھنے کے بعد اس سوال کا جواب کہ امام حسینؑ "کس متروک معروف اور رائج منکر کے خاتمے کے لئے نکلے تھے" غور طلب ہے۔ سب سے اہم متروک معروفات اور سب سے بڑے رائج منکرات اس وقت کیا تھے؟

☆ خود امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ جس پر شریعت قائم ہے اس وقت متروک تھا۔ جو بھی اس فریضے پر عمل کے لئے قیام کرتا تھا لقمہء اجل بنتا یا تاریک زندانوں میں دھکیل دیا جاتا۔ یہاں تک کہ یہ فریضہ بالکل متروک ہو گیا تھا' چنانچہ امام حسینؑ نے معاویہ کی موت سے ایک سال قبل منیٰ میں اصحاب' تابعین' علماء و مقتدر شخصیات کو دعوت دیکر ان سب کو اس اہم فریضے کو ترک کرنے پر موردِ عتاب و ملامت قرار دیا اور ان کو عذابِ الٰہی کی خبر دی۔ نیز اسی خطبہ میں ان منکرات کا ذکر فرمایا جو اس وقت رائج ہو چکے تھے اور علما کے اس فریضہ کو ترک کرنے سے جو اثرات مرتب ہوئے ان کو اجاگر کیا۔ یہاں قارئین کی دلچسپی اور موضوع کی مناسبت سے اس خطبے کے چند نکات پیشِ خدمت ہیں۔

(۱) "اندھے' بہرے اور معذور افراد اس مملکت میں پھیلے ہوئے ہیں اور کوئی ان پر رحم کرنے والا نہیں ہے۔ نہ تم خود اس فریضہ پر عمل کرتے ہو اور نہ اس پر عمل کرنے والے کی مدد کرتے ہو۔ تم ظالموں سے چشم پوشی اور ان کی مدارات کر کے ان سے اپنے لئے

امن طلب کرتے ہو جب کہ خداوندعالم نے تم کو حکم دیا ہے کہ ظالموں کو ظلم سے باز رکھو۔"

(۲) "تم نے ضعیف اور کمزوروں کو انہیں کے ہاتھ میں اور انہیں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے جس کے نتیجہ میں کچھ لوگ ان کے بندۂ بے دام بن کر رہ گئے ہیں اور کچھ اپنی معاشی مجبوریوں کی وجہ سے شکست خوردہ ہیں۔ لوگ ان کے زر خرید غلام بنے ہوئے ہیں اور کوئی ایسا نہیں جو انہیں ان کے پنجوں سے نجات دلائے۔ کچھ لوگ بڑی شدت سے ضعیفوں پر تسلط چاہتے ہیں۔"

(۳) "تم نے ظالموں کو طاقت اور توانائی بخشی ہے اور امُورِ خدا اور شریعت کو ان کے ہاتھوں میں سونپ دیا ہے۔ یہ لوگ مشتبہ امور پر عمل کرتے ہیں اور شہوت میں غرق ہیں۔ یہ لوگ (صرف) اس لئے مسلط ہیں کہ تم موت سے فرار اختیار کرنا چاہتے ہو اور اپنی اس زندگی پر مغرور اور مگن ہو' لیکن (یاد رکھو) تم کو ایک دن اس زندگی سے جدا ہونا ہے۔"

(۴) "اگر تم راہِ خدا میں مشکلات کو برداشت کرتے اور صبر کرتے تو لوگ تمہیں امُورِ شریعت میں مرجع اور مرکز مانتے' احکامِ شریعت تمہارے دروازے سے نکلتے اور لوگ تمہاری طرف رجوع کرتے۔ لیکن تم نے ان ظالموں کو اپنے اوپر مسلط کیا ہے اور امُورِ دین کو ان کے سپرد کیا ہے۔"

(۵) "اے گروہ علماء! تم خدا سے بہت امیدیں وابستہ کرتے ہو

مجھے ڈر ہے کہ کہیں قہر و غضبِ الٰہی تم پر نازل نہ ہو۔ عالمِ دین ہونے کے ناتے تم بڑے مقام و مرتبہ پر فائز ہوئے ہو۔ تم بندگانِ خدا کا احترام نہیں کرتے جب کہ یہی بندگانِ خدا، خدا کی خاطر تمہارا احترام کرتے ہیں۔ اپنے معاشرتی عہد و پیمان کی عہد شکنی پر تم واویلا کرتے ہو لیکن عہدِ خدا پامال ہو رہا ہے اور تم بے فکر ہو گویا عہدِ خدا تمہارے نزدیک پست ہے۔"

(کتاب الحیات، جلد ۲۔ صفحہ ۳۱۰ نقل از تحف العقول)

☆ دوسرا اہم معروف جو اس وقت متروک تھا وہ امامِ برحق جو خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے منصوص تھے، جن کی رہبری کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ نے بعثت سے لے کر غدیر تک اور غدیر سے لے کر اپنی رحلت تک کوشش کی کہ خلافت و زعامتِ مسلمین اہل بیتِ اطہار علیہم السلام کے ہاتھ میں ہو اور تمام امت کو حکم دیا کہ ان ذواتِ مقدسہ (اہل بیتِ اطہارؑ) کو قیادت پر فائز رکھیں، کیونکہ تمام شریعت کی بقا و دوام کا انحصار اہل بیتؑ ہی کی قیادت میں ممکن تھا جو کہ تمام اصول و فروع سے اہم تھا، یہ معروف اس وقت متروک تھا۔

اسی طرح منکرات کی فہرست میں بھی ہر دن اضافہ ہو رہا تھا۔ کبھی شراب نوشی کی خبر آتی تو کبھی نماز عید سے پہلے خطبہ کی خبر، کبھی بدھ کے دن نماز جمعہ پڑھنے کی خبر ملتی تو کبھی نیک و صالح مومنین کی شہادت کی خبر۔

ان منکرات کو اگر کسی نے روکنے کی کوشش کی تو وہ موردِ عتاب و عقاب قرار پایا اور قتل کیا گیا۔ ان حالات میں ستم وجور کے اس عہدِ بربریت میں جو عتاب و عقاب کی زد سے زندہ بچ گئے وہ اس درجہ معذور و خوف زدہ تھے کہ ان کا کردار ان منکرات کو روکنے میں مؤثر نہیں رہا۔

دوسرے ان تمام منکرات و جرائم کا سرچشمہ خود اموی نظامِ آمریت تھا جو آئے دن بے لگام ہو رہا تھا۔۔۔۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے خط میں معاویہ کو لکھا کہ:

"اس امت میں اس وقت جو بھی فساد ہے وہ خود تیری ذات ہے۔ لہٰذا جب تک اموی نظام باقی رہے گا کسی قسم کے منکرات کی روک تھام ناممکن ہے۔"

مذکورہ گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ امامؑ کس معروف کے رواج اور کس منکر کی روک تھام کے لئے نکلے تھے۔ یقیناً اموی نظامِ حکومت کو بیخ و بن سے اکھاڑنا امام کے پیش نظر تھا۔ لیکن یہاں ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا امامؑ اس قدر طاقت و قدرت رکھتے تھے کہ اس مضبوط حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکیں۔ اس سوال کے جواب سے قبل ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا امربالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے کے پاس طاقت و قدرت کا ہونا ضروری ہے اور کیا طاقت و قدرت کی غیر موجودگی میں یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔

امربالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے طاقت و قدرت کی شرط

۱۔ امربالمعروف و نہی عن المنکر کرنے کے لئے طاقتور اور قدرتمند ہونا ضروری

ہے۔ کیونکہ امر ہمیشہ بلند شخصیت کی طرف سے اپنے سے کمتر شخصیت کو کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ لفظ امر کی تعریف میں بیان کیا گیا ہے۔ البتہ اس کے لئے جسمانی طاقت کا میسر ہونا ہی ضروری نہیں بلکہ یہ طاقت و قدرت کسی اجتماعی' سیاسی اور قانونی گروہ کی پشت پناہی کی بدولت بھی میسر ہو سکتی ہے۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث مروی ہے کہ۔ آپؑ سے پوچھا گیا کہ آیا امر بالمعروف و نہی عن المنکر سب پر واجب ہے تو آپؑ نے جواب میں فرمایا۔

"نہیں بلکہ اس پر واجب ہے جو قوی المطاع ہو یعنی جس کی اطاعت کی جاتی ہو۔"

(ولایتِ فقیہ آیت اللہ منتظری جلد دوم صفحہ نمبر ۲۲۸)

۳۔ مقدمہ تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر حاکمِ اسلامی کے فرائض میں سے ہے اور حکومت ہی اس منصب پر ان افراد کو مقرر کرتی ہے جو ان شرائط پر پورے اترتے ہوں اور اس کی اہلیت رکھتے ہوں۔ یہ فریضہ حکومت کی مسئولیت میں شمار ہوتا ہے کیونکہ اس کے لئے طاقت و قدرت کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اور معاشرے میں طاقت کا سرچشمہ حکومت ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ تاریخِ اسلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ فریضہ ہمیشہ حکومت کی ذمہ داریوں میں رہا ہے۔ پیغمبرِ اکرمؐ' خلفائے راشدین اور ائمہ طاہرینؑ کے دور میں یہ حضرات بذاتِ خود اس فریضہ کو انجام دیتے تھے۔ اس کی بہت سی مثالیں تاریخ اور کتبِ حدیث میں موجود ہیں مثلاً:

"پیغمبرِ اکرمؐ بہ نفس نفیس ذخیرہ اندوزوں کے بازار سے گزرے تو

آپ نے حکم دیا کہ جتنا بھی ذخیرہ ہے اسے نکالو اور کھلے بازار میں لاؤ تاکہ اس پر لوگوں کی نظر پڑے۔"

(ولایتِ فقیہ آیت اللہ منتظری جلد دوم صفحہ نمبر ۲۶۴)

"ایک روز پیغمبرؐ بازار میں تشریف لائے اور گندم کے ذخیرہ پر نظر ڈالی آپ نے گندم کے ذخیرہ کے اندر ہاتھ ڈالا تو آپؐ کا ہاتھ تر ہو گیا۔ آپؐ نے پوچھا ایسا کیوں ہے تو جواب ملا کہ بارش کی وجہ سے گندم بھیگ گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو گندم بھیگا ہوا ہے اسے اندر کی تہہ میں کیوں چھپایا ہے اسے اوپر کیوں نہیں ظاہر کیا گیا۔"

(ولایتِ فقیہ آیت اللہ منتظری جلد دوم صفحہ ۲۶۴)

"کتاب دعائم الاسلام میں لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کبھی ناقہ پیغمبرؐ پر اور کبھی پیدل بازاروں میں نکل جاتے اور آپؑ کے ہاتھ میں ایک تازیانہ ہوتا تھا جس سے آپؑ ناپ تول میں کمی کرنے والے شخص کو سزا دیتے تھے۔"

(ولایتِ فقیہ آیت اللہ منتظری جلد دوم صفحہ نمبر ۲۶۸)

۴۔ امربالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے کے لئے قدرتمند ہونے کی شرط اس لئے بھی ہے کہ منکرات کے علانیہ ارتکاب کرنے والے لوگ کسی طاقت کی پشت پناہی پر ایسا کرتے ہیں (اس لئے کسی مومن معاشرے میں منکرات کا علانیہ ارتکاب کرنے کی کوئی جرات ہی نہیں کرسکتا سوائے اس کے کہ وہ احمق یا نادان شخص ہو یا طاقتور اور قدرتمند کی پشت پناہی میں ایسا کر رہا ہو۔) لہٰذا ایسے طاقتور

اور قدرتمند شخص کو منکر سے روکنا بغیر طاقت اور قدرت کے ناممکن ہے۔

قدرت وطاقت کے لازمی ہونے کی شرط اس صورت میں بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جب منکرات کا ارتکاب حکومت کے ایما اور اشارہ پر ہوتا ہے یا حکومت کے کارندے یا خود حکومت منکرات کا ارتکاب کرتی ہو' جیساکہ آج کل ہمارے معاشرے میں اکثروبیشتر جرائم پیشہ افراد کو حکومت کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے یا خود حکومت یہ فعل انجام دیتی ہے۔ ایسی صورت میں کہ مرتکبِ منکرات کے پاس جہاں زر بھی ہو اور زور بھی 'ان کو ان منکرات سے روکنے کی جرأت یا جسارت جو بھی کرے گا اس کا مقدّر کم سے کم قید و بند یا جلاوطنی یا پھر موت ہی ہوگا۔

امربالمعروف ونہی عن المنکر کے بارے میں نہج البلاغہ کے کلماتِ قصار ۳۷۳' ۳۷۴ اور ۳۷۵ میں ہے کہ امربالمعروف ونہی عن المنکر کے تین مرحلے ہیں جس میں تیسرا مرحلہ بذریعہ ید (یعنی ہاتھ سے) نہی عن المنکر کرنا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قوت وطاقت سے منکرات کو روکا جائے۔

امربالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے طاقت وقدرت کی شرط تسلیم کرلینے کے بعد امام حسین علیہ السلام کا یہ فرمان کہ "میں امربالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے نکل رہا ہوں" ہمارے لئے سوال پیدا کرتا ہے کہ آیا امامؑ کے پاس اسے روکنے کی طاقت اور قدرت تھی؟

کیونکہ اس وقت تمام رائج منکرات کا ارتکاب کرنے والے خود حکومتِ بنی امیہ اور اس کے کارندے تھے اور ان کو ان منکرات سے باز رکھنے کی قدرت وطاقت امام حسینؑ نہیں رکھتے تھے۔ جس کے ثبوت حسب ذیل ہیں:

- جن لوگوں نے امام حسینؑ کو سفرِ عراق سے روکنے کی کوشش کی یا مشورہ دیا ان کی منطق یہی تھی کہ آپؑ یزید کے مقابلہ میں طاقت وقوت نہیں رکھتے اس لئے اس کے مقابلہ پر نہ جایئے۔
- خود آپؑ نے فرمایا: "ان قلیل افراد کے ساتھ وسائل ' افرادی قوت اور طاقت کی کمی کے باوجود میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے نکل رہا ہوں۔"

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

(الف) عدمِ قدرت وطاقت کے اعتراف کے باوجود امام علیہ السلام نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے نکلنے کا اعلان کیوں فرمایا؟

(ب) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بارے میں کلماتِ فقہاء واحادیثِ معصومین علیہم السلام بکثرت موجود ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے وقت اگر کسی کو جانی 'مالی یا ناموس کے لئے خطرہ لاحق ہو تو یہ واجب اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے لئے ہر مرحلہ اور ہر قدم پر خطرات بڑھتے گئے لیکن اس کے باوجود آپؑ کسی تردد و تفکر میں مبتلا نہ ہوئے اور انتہائی پُرسکون انداز میں اطمینانِ قلب کے ساتھ 'ثباتِ قدم میں بغیر کسی تزلزل کے آگے ہی بڑھتے گئے اور اس فریضے سے دست بردار نہیں ہوئے ------ آخر کیوں؟

ان دو سوالوں کا جواب اس طرح ممکن ہے:

(ا)ـــ اگر کسی کے پاس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے طاقت و

قدرت نہ ہو تو یہ واجب اس پر سے ہمیشہ کے لئے ساقط نہیں ہوتا بلکہ اس پر واجب ہے کہ اپنی انتہائی صلاحیتیں طاقت و قدرت کے حصول کے لئے کام میں لائے۔

امام حسین علیہ السلام نے مدینہ والوں کو بھی دعوتِ نصرت دی 'طاقت و قدرت کی تلاش میں مدینہ سے مکہ تشریف لائے مکہ پہنچ کر آپؑ نے بصرہ والوں سے نصرت طلب کی۔

جب کوفہ والوں کی طرف سے بارہ ہزار سے زائد خطوط آپؑ تک پہنچے جن میں آپ کو دعوت دی گئی تھی اور ہر طرح سے نصرت و مدد کا یقین دلایا گیا تھا تو امام علیہ السلام نے اپنے بھائی مسلم ابن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ اہلِ کوفہ کے خطوط اور ان کی یقین دہانیوں کی تصدیق کریں —— کوفہ میں موجود افراد و انصار کو نصرت کے لئے زیادہ سے زیادہ مضبوط اور منظم کریں۔ اور آپ کے لئے قدرت وطاقت حاصل کریں ------ چنانچہ پچیس ہزار افراد نے کوفہ میں حضرت مسلم کے ہاتھ پر امامؑ کے لئے بیعت کی۔

(۲)—— کبھی بعض معروفات کے ترک ہو جانے اور بعض منکرات کے رائج ہو جانے پر امربالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے خوف و خطر کی شرائط خود بخود ساقط ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ حجر ابن عدی 'ان کے اصحاب اور رشید حجری 'زیاد ابن ابیہ کی طرف سے خطرات پر یقین رکھتے ہوئے بھی نہی عن المنکر کرتے ہوئے شہادت کی طرف بڑھے ------ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کا یہ فعل امام حسین علیہ السلام کے

لئے حجت ہے' بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات امیرالمومنین'' امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے خاص اصحاب ہیں اور انہوں نے تعلیماتِ ائمۂ طاہرین علیہم السلام کی روشنی میں یہ عمل انجام دیا ہے۔

(۳)— امام حسین علیہ السلام مکہ سے کوفہ جاتے ہوئے جس جس مقام پر جن جن لوگوں سے ملے' ان سے آپؑ نے نصرت طلب کی —— مکہ میں قیام کے دوران بھی آپ نے اپنے خطبات کے ذریعہ لوگوں کو نصرت کی دعوت دی —— مکہ سے بصرہ کے شیعیان و موالیان کے نام خطوط میں آپ نے ان سے نصرت طلب کی۔

نتیجہ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے طاقت و قدرت کا میسر ہونا ضروری ہے لیکن عدمِ قدرت کی بناء پر یہ فریضہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ طاقت و قدرت کا حصول واجب ہو جاتا ہے۔ امامؑ نے اپنی تحریک کے آغاز میں طاقت و قدرت کے حصول کی جانب توجہ دی اور جب اس کے میسر ہو جانے کا اطمینان ہو گیا تب آپ نے قیام کیا لیکن جب یہ طاقت آپؑ کے ہاتھوں سے جاتی رہی تو پھر آپؑ نے مہلت حاصل کرنے کی غرض سے اپنی واپسی کی تجویز پیش کی۔

ولید سے خطاب

مدینہ میں اپنے دربار میں جب ولید نے امام حسینؑ سے یزید کی بیعت کا

مطالبہ کیا تو آپؑ نے فرمایا:۔

"اے امیر! ہم اہل بیتِ نبوتؐ اور معدنِ رسالت ہیں۔ ہمارے ہی گھر فرشتوں کی آمدورفت رہتی تھی۔ ہم محلِ نزولِ رحمتِ خدا ہیں۔ خداوندعالم نے ہم ہی سے آغاز کیا اور ہم ہی سے اختتام کرے گا۔ یزید شارب الخمر ہے، قاتلِ نفسِ محترمہ ہے۔ مجھ جیسا (شخص) اس جیسے (شخص) کی بیعت نہیں کیا کرتا۔ بہرحال ہم بھی صبح کریں گے تم بھی صبح کرو۔ ہم بھی دیکھیں گے اور تم بھی دیکھو کہ ہم میں سے کون خلافت کا حقدار ہے۔"

مطالبۂ بیعت کے جواب میں امام حسینؑ نے ولید کو جو جواب دیا ہم اس کا یہاں چار نکات کی صورت میں تجزیہ کریں گے۔

(۱) آپؑ فرماتے ہیں کہ ----

"ہم اہل بیتِ نبوت ہیں اور مرکزِ رسالت ہیں"

آپؑ کا یہ جواب مطالبۂ بیعت سے کیا ربط رکھتا ہے اور اس جملے کے کیا معنی ہیں؟ امامؑ کے اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ خلافت ایک الٰہی عہدہ ہے اور منصبِ نبوت ہے اس کا اہل اور حقدار اس وقت صرف میں ہوں۔

(۲) مطالبۂ بیعت کے جواب میں جو دوسرا جملہ ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ:۔

"یزید شارب الخمر اور نفس محترمہ کا قاتل ہے اور علانیہ فسق وفجور کا ارتکاب کرتا ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی فاسق وفاجر شخص اس منصبِ نبوت پر فائز نہیں ہو سکتا کیونکہ جو ہستی اس الٰہی عہدہ پر فائز ہو اس کی اطاعت واجب ہے۔

جب کہ قرآن کی رو سے کوئی فاسق و فاجر شخص واجب الاطاعت قرار نہیں پا سکتا۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ:۔

"اور اس شخص کی اطاعت نہ کرنا جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے (یعنی یادِ الٰہی کی توفیق سلب کر لی ہے) کیونکہ اس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔"

(سورہ کہف ۱۸ ۔ آیت ۲۸)

"اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرنا۔"

(سورہ احزاب ۳۳ ۔ آیت ۱ اور ۴۸)

"اور تم ایسے شخص کی اطاعت نہ کرنا جو بڑا قسمیں کھانے والا ہے' ذلیل' طعنہ باز' چغل خور' نیک کاموں سے روکنے والا' حد سے گزرنے والا سخت گناہ گار ہے' سخت مزاج ہے اور جس کا حسب و نسب بھی خراب ہے۔"

(سورہ قلم ۶۸ ۔ آیت ۱۰ تا ۱۳)

"اور تم کسی فاسق اور کافر کی اطاعت نہ کرنا۔"

(سورہ دہر ۷۶ ۔ آیت ۲۴)

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپؑ نے فرمایا ----

"مجھ جیسا (شخص) اس (یزید) جیسے (فاسق و فاجر) کی بیعت نہیں کر سکتا۔"

۳۔ اس کے بعد امامؑ فرماتے ہیں کہ ----

"ہم بھی صبح کریں گے تم صبح کرو ہم بھی دیکھتے ہیں اور تم بھی دیکھو کہ کون خلافت کا سزاوار ہے۔"

یعنی ---- یہ خلافت کا مسئلہ اتنا سبک اور غیر اہم نہیں کہ آنکھیں بند کر کے بغیر سوچے سمجھے ہر کس و ناکس کی بیعت کر لی جائے "ہم بھی دیکھتے ہیں تم بھی دیکھو" یعنی ---- ہم بھی سوچتے ہیں اور تم بھی ذرا ٹھنڈے دل سے اس مطالبۂ بیعت سے دستبردار ہونے کے لئے غور کرو کہ یزید جیسے فاسق و فاجر کی بیعت نہیں کی جا سکتی۔ امام حسینؑ نے ایک طرف تو انہیں سوچنے اور غور و فکر کی دعوت دی اور دوسری طرف خود اپنے لئے بھی صبح ہونے تک کی مہلت طلب کی تاکہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ طے کیا جا سکے کہ آیا گزشتہ دس سالہ دور کی طرح اس مسئلہ پر مزید خاموشی اور تقیہ اختیار کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

امامؑ اس مسئلہ کے عواقب اور انجام پر ضرور غور کرنا چاہتے تھے لیکن یہ کہنا کہ امامؑ نے آج سے اس مسئلہ پر سوچنا شروع کیا اور اموی حکومت کو ہٹانے اور بازیابیٔ خلافت کے لئے آج غور کرنا شروع کیا صحیح نہیں ہے بلکہ آپؑ ایک عرصہ سے اس مسئلہ پر سوچ رہے تھے البتہ آج یہ سوچ ایک حساس مرحلۂ عمل میں داخل ہو چکی تھی۔ اس وقت دو مسئلے آپ کے پیشِ نظر تھے۔

ایک تو اس منصبِ الٰہی کے لئے آپؑ کا استحقاق (کہ جس کے مدعی ہونے میں ایک لمحہ کے لئے بھی آپؑ کو نہ کبھی شک تھا نہ تردد جیسا کہ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے آپؑ نے واضح طور پر فرمایا کہ "ہم اہل بیتِ نبوت اور معدنِ رسالت ہیں۔")

دوسرے بنی امیہ کو اس منصبِ نبوت سے ہٹانے کے لئے امت کا کردار۔
جہاں تک بنی امیہ کے غاصب پنجوں سے اس منصب کو واپس لینے کا تعلق ہے یہ مسئلہ تنہا امام حسینؓ کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ یہ پوری امت کا مسئلہ تھا۔ کیوں کہ امام اور امت مل کر ہی ان کو اس منصب سے ہٹا سکتے ہیں۔ اگر امامؓ تنہا ان کو اس منصب سے ہٹا سکتے تو اس میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ فرماتے۔ چونکہ امّت کو اس مسئلہ میں شریک کرنا اور امّت سے مشورہ کرنا بہت ضروری تھا اس لئے امام حسینؓ نے اس مسئلہ کو امّت کے سامنے رکھنے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ امّت کو اعتماد میں لینے کے لئے آپؓ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ اطرافِ عالم سے آنے والے مسلمانوں کو دعوت دے سکیں۔

مروان سے خطاب

جب مروان بن حکم نے امام حسینؓ کو یزید کی بیعت کرنے کا مشورہ دیا تو آپؓ نے اس سے فرمایا:۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپؓ نے فرمایا کہ:۔

"جب یزید جیسا شخص اسلام کا رہبر بنے تو پھر اسلام پر فاتحہ پڑھ لینی چاہیے۔"

آپؓ نے فرمایا کہ:۔

"میں نے اپنے جد سے سنا ہے کہ خلافت آلِ ابی سفیان پر حرام ہے۔"

(سخنانِ امام حسینؑ ج ا - ص ۱۶ نقل از لہوف - ص ۲۰ مثیر الاحزان - ص ۱۰ - مقتل عوالم - ص ۵۴ خوارزمی - ص ۱۸۵ - عبدالرزاق مقرم - ص ۱۳۶)

امام حسینؑ نے یہاں دو نکات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

- خلافت آل ابی سفیان پر حرام ہے اور یہ اس منصب کے ہرگز اہل نہیں۔
- ان کی خلافت پر خاموش رہنا اسلام پر فاتحہ پڑھنے کے مترادف ہے۔ لہذا میں اس پر خاموش نہیں رہ سکتا۔

ان دو نکات سے واضح ہے کہ امام حسینؑ نے مروان کے جواب میں مسئلہ خلافت کو پیش کیا۔

(سخنانِ امام حسینؑ - ص ۴۸ نقل از طبری - ج ۷ - ص ۱۴۰ - عبدالرزاق مقرم - ص ۱۵۹)

اہلِ بصرہ کے نام خط

امام حسینؑ نے اہلِ بصرہ کے نام ایک خط تحریر کیا جس کا متن یہ تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حسین ابن علیؑ کی طرف سے۔

خداوند عالم نے اپنی تمام مخلوقات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو منتخب فرمایا۔ آپؐ کو نبوت و رسالت کا شرف بخشا۔ پھر عزت کے ساتھ آپؐ کو اپنی بارگاہ میں طلب کر لیا۔ حضرت محمدؐ نے بندگانِ خدا کی ہدایت کی اور پیغاماتِ الٰہی کی تبلیغ کی (اب ان

کے بعد) ان کے اہل بیت اور ان سے سچی محبت کرنے والے ان کی جگہ کے زیادہ حقدار ہیں۔ ایک قوم نے ہم پر زبردستی حکومت کی لیکن فتنہ و فساد کو برا سمجھتے ہوئے اور امن و سکون کو قائم رکھنے کے لئے ہم نے ان کی حکومت تسلیم کی اور خاموش رہے۔ (مگر اب میں) تمہارے پاس یہ خط بھیجتا ہوں اور تم کو خدا کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم میری باتیں سنو اور میری پیروی کرو تو میں ضرور تم کو ہدایت کا راستہ دکھاؤں گا۔

(مقتل ابو مخنف۔ص ۲۳، عنوانِ امام حسینؑ۔ص ۴۸ نقل از طبری۔ج ۷۔ ص ۱۴۰، مقتل مقرم۔ص ۱۵۹)

بصرہ میں موجود شخصیات کے نام لکھے گئے خط میں مسئلۂ خلافت کو پیش کرتے ہوئے امام حسینؑ نے فرمایا کہ گزشتہ خلفاء کے دور میں ہم نے اسلام اور مسلمین کی مصلحت کی بنا پر صبر اختیار کیا لیکن آج اسی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم قیام کریں، اس وقت اگر ہم خاموشی اختیار کریں گے تو خود وہ مصلحت ہی خاک میں مل جائے گی لہٰذا ہم تمہیں اپنی طرف دعوت دیتے ہیں۔

امامؑ نے اپنے اس خط میں بھی مسئلۂ خلافت اور امامت کو پیش کیا۔

کوفہ والوں کے نام خط

جب امام حسینؑ کے پاس اہلِ کوفہ کے ۱۲ ہزار سے زائد خطوط پہنچے اور ان

خطوط میں سے ہر خط پر بے شمار لوگوں کے دستخط تھے یہاں تک کہ تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار افراد نے ان خطوط کے ذریعہ آپؑ کی نصرت اور آپؑ کی معیّت میں دشمن سے جنگ کرنے کیلئے آمادگی ظاہر کی تو آپؑ نے اپنے ابنِ عم حضرت مسلم ابن عقیل کو کوفہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ نزدیک سے اہلِ کوفہ کی نیتوں اور جنگ کی آمادگی کا جائزہ لے کر لوگوں سے بیعت لیں۔ اس موقع پر آپؑ نے حضرت مسلم کے ہاتھ اہلِ کوفہ کے لئے جو خط ارسال کیا اس کا متن یہ تھا۔

حسینؑ ابن علیؑ کی طرف سے جماعتِ مومنین و مسلمین کے نام

"تمہاری طرف سے سب سے آخر میں خطوط و پیغامات لے کر آنے والے ہانی اور سعید تھے۔ جو کچھ تمہارے خطوط نے اور تمہارے پیغام لیکر آنے والوں نے بتایا ان سب پر میں نے غور کیا۔ ان میں جو اہم نکتہ ہے وہ تمہارا یہ لکھنا کہ "ہمارے لئے کوئی امام نہیں۔ آپ ہماری طرف تشریف لائیں خدا آپ کے توسط سے ہم سب کو ہدایت دیگا، حق سے قریب اور متحد کریگا۔" میں اپنے چچا زاد بھائی، میرے معتمد رفیق اور اپنے اہل بیت میں سے مسلم بن عقیل کو تمہاری طرف بھیج رہا ہوں۔ اگر انہوں نے مجھے خط لکھا کہ تمہاری جمعیت اور صاحبانِ عقل و فضل تمہارے خطوط و پیغامات سے مطابقت رکھتے ہیں تو میں جلد ہی تمہاری طرف آجاؤں گا۔ وہ خدا جس کی قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس کی قسم کہ امام نہیں ہو سکتا سوا اس کے کہ جو قرآن کے مطابق حکومت کرتا ہو۔ عدل پر قائم ہو۔ دینِ حق کو رائج کرتا ہو اپنے

نفس کو رضائے الٰہی کے لئے وقف کر دیتا ہو۔

(عوالم بحرانی صفحہ ۱۸۴)

امامؑ کے اس خط کے چند نکتے قابلِ توجہ ہیں:۔

۱ - ہم نے تمہارے خطوط اور پیغامات پر اچھی طرح غور کیا اور سمجھا۔

۲ - تم ایک ایسے امام کی تلاش میں ہو جو تمہیں حق اور ہدایت کی راہ پر لگائے اور اسی کے لئے تم مجھے دعوت دے رہے ہو۔

۳ - پہلے مرحلہ میں دعوت کی تصدیق کرنے اور قبول کرنے کے لئے اپنے امین و معتمد بھائی کو بھیج رہا ہوں۔

۴ - اگر مسلم بہ نفسِ نفیس نزدیک سے تمہارے خطوط و پیغامات کے بارے میں تصدیق کریں گے بالخصوص یہ کہ صاحبانِ حل و عقد اس مسئلہ میں کس حد تک دلچسپی لے رہے ہیں۔ تب میں تمہاری طرف آؤں گا۔

۵ - جس چیز کی کوفہ والوں نے تشخیص کر کے ضرورت محسوس کی ہے یعنی امامت و رہبری تو ایسے شخص کی شناخت اسی صورت ہو سکتی ہے کہ (۱) قرآن کے مطابق عمل کرتا ہو (۲) معاشرہ کو عدالت پر قائم کرے (۳) دینِ حق کو رائج کرے (۴) اپنے نفس کو رضائے الٰہی کے لئے وقف کر دینا اس کا شیوہ ہو۔

اہلِ کوفہ کے نام دوسرا خط

امامؑ جب منزلِ حاجر بطن رمہ پر پہنچے تو قیس ابن مسہر صیداوی

یا عبداللہ بن یقطر کے ساتھ ایک اور خط شیعیان اور مومنینِ کوفہ
کے نام ارسال کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

حسینؑ ابن علیؑ کی طرف سے برادرانِ اہلِ کوفہ کے نام

تمام حمد و ستائش اس ذاتِ باری کے لئے۔ مسلم بن عقیل کا خط ملا۔ جس سے تمہاری حُسنِ نیت کا علم ہوا۔ تم سب ہماری مدد اور تلاشِ حق پر متفق ہو چکے ہو۔ ہم نے خدا سے دعا کی کہ ہمارے لئے اچھے نتائج فراہم کرے اور تم کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ میں ۸ ذوالحجہ ترویح کے دن مکہ سے تمہاری طرف روانہ ہو چکا ہوں۔ جب میرا پیغام تم تک پہنچے تو تم لوگ اپنے کام میں منظم رہو اور عزم میں پختگی پیدا کرو۔ میں انشاء اللہ چند ہی دنوں میں تم تک پہنچنے والا ہوں۔ والسلام

(عوالم۔ صفحہ ۲۲۰)

اس خط کے چند اہم نکات

۱۔ مسلم بن عقیل کا خط ملنے کے بعد کوفہ والوں کی حُسنِ نیت پر مطمئن ہونا۔

۲۔ حسینؑ کے حق کی بازیابی کے لئے اہلِ کوفہ نے عزم کیا۔

۳۔ حسینؑ کی دعا کہ اس سلسلہ میں خدا ان لوگوں کو اجر دیگا۔

۴۔ اہلِ کوفہ کو منظم رہنے اور اپنے عزم میں استحکام پیدا کرنے کی ہدایت۔

اہلِ کوفہ کے نام امامؑ کے یہ دونوں خطوط بھی اس بات کے عکاس ہیں کہ امامؑ کی تحریک اپنے حقِ خلافت کی بازیابی کے لئے تھی۔

لشکرِ حُر سے خطاب

امام حسینؑ نے منزلِ بیضہ پر لشکرِ حر سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:۔

"اے لوگو! رسول اللہؐ نے فرمایا ہے "جو کوئی ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے' خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھتا ہے' عہدِ الٰہی کو توڑتا ہے' سنتِ نبویؐ کی مخالفت کرتا ہے' خدا کے بندوں پر گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے اور یہ (دیکھ کر) اس کی نہ اپنے فعل سے مخالفت کرے نہ اپنے قول سے تو یقیناً خدا اس کو وہیں بھیجے گا (جہنم میں) جہاں اس کا ٹھکانا ہے۔

دیکھو ان لوگوں (بنی امیہ) نے شیطان کی پیروی کی ہے اور اطاعتِ رحمٰن سے انحراف کیا ہے۔ فتنہ و فساد کو پھیلا رکھا ہے۔ حدودِ الٰہی معطل کر دیئے ہیں۔ خراجِ سلطنت پر ناجائز قبضہ کر لیا ہے' خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دیا ہے اور میں رسول اللہؐ کے ساتھ قرابتِ قریبہ کی وجہ سے ان لوگوں سے زیادہ اس امر کا حق دار ہوں۔ میرے پاس تمہارے بے شمار خطوط آئے۔ تمہارے قاصد پیامِ بیعت لے کر پہنچے کہ نہ تم مجھے تنہا چھوڑو گے اور نہ مجھ سے بے وفائی کرو گے۔ تو اگر تم اپنی بیعت پر قائم رہے اور وفاداری کا ثبوت دیا تو تم راہِ ہدایت پر ہو۔ میں حسینؑ ابن علیؑ

ہوں' رسول اللہؐ کی صاحبزادی کا فرزند ہوں' میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ ہے اور میرے بچے تمہارے بال بچوں کے ساتھ ہیں۔ میں تمہارے لئے نمونہ ہدایت ہوں اور اگر تم ایسا نہ کرو اور مجھ سے جو عہد و پیمان کیا ہے اسے توڑ دو اور میری بیعت سے انکار کردو تو میری عمر کی قسم تم سے یہ امر بعید نہیں۔ تم میرے پدرِ بزرگوار' میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے مسلم بن عقیل کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو' جس نے تم پر بھروسہ کیا اس نے دھوکہ کھایا۔ لیکن یاد رکھو تم نے اپنا ہی نقصان کیا اور اپنے ہی نصیب کو ضائع کیا۔ جس نے بدعہدی کی اس نے خود اپنے خلاف بد عہدی کی۔ خدا عنقریب مجھ کو تم سے بے نیاز کردے گا۔"

(بحار الانوار۔ج ۱۰۔ص ۱۸۸)

امام حسینؑ نے اپنے خطبہ میں جن نکات کی طرف اشارہ فرمایا وہ یہ ہیں۔

(۱) ــ "یہ لوگ (بنی امیہ) شیطان کی اطاعت کو اپنائے ہوئے ہیں' خدا کی اطاعت کو چھوڑے ہوئے ہیں' انہوں نے زمین میں فساد پھیلایا ہے' حدودِ خدا کو معطل کیا ہے' مالِ مسلمین پر قابض ہوئے ہیں اور حلالِ خدا کو حرام اور حرامِ خدا کو حلال کیا ہے۔"

آپؑ کے یہ کلمات اس خطاب کی وضاحت ہیں جو آپؑ نے مدینہ میں دربارِ ولید میں کیا تھا کہ "یزید فاسق و فاجر ہے ..... الی آخر۔"

(۲) ــ آپؑ نے فرمایا:۔

"تمہاری دعوت کے خطوط اور پیغامات مجھ تک پہنچے ہیں کہ تم نے میری بیعت کی ہے کہ تم مجھے تنہا نہیں چھوڑو گے اور مجھے دشمن کے حوالے نہیں کرو گے۔ اگر تم اپنی بیعت پر قائم رہو گے تو تم ہدایت پاؤ گے۔"

آپؑ کے یہ کلمات اہلِ کوفہ کے خطوط کے مضامین اور حضرت مسلم کے ہاتھ پر کی جانے والی بیعت کی طرف اشارہ ہیں۔

آپؑ فرماتے ہیں:۔

(۳) ــــ میں حسینؑ ابن علیؑ ہوں 'فرزندِ فاطمہؑ بنتِ رسول اللہؐ ہوں' میں تمہارے ساتھ ہوں اور میرے اہل بیت تمہارے اہل خانہ کے ساتھ ہیں 'میں تمہارے لئے بہترین نمونہ و رہبر ہوں۔"

آپؑ کے یہ کلمات آپؑ کے اس جملے کی تکرار ہیں جو آپؑ نے مدینہ میں دربارِ ولید میں بیان فرمائے کہ ـــــ "ہم اہل بیتِ نبوت ہیں" ـــــ یعنی مستحقِ خلافت ہم ہیں۔

(۴) ــــ آپؑ نے فرمایا۔

"اگر تم نے اپنے عہد کو توڑا تو یہ تمہاری طرف سے کوئی نئی بات نہیں ہے 'تم میرے پدرِ بزرگوار 'میرے بھائی اور میرے ابنِ عم کے ساتھ بھی ایسا ہی کر چکے ہو۔"

منزلِ شراف پر لشکرِ حر سے دوسرے خطبے میں آپؑ نے یوں فرمایا۔

"اے لوگو! میری یہ گفتگو تم پر اتمامِ حجت اور درگاہِ خدا میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہے۔ میں از خود تمہاری

جانب نہیں آیا۔ بلکہ تمہارے ان خطوط اور قاصدوں کے جواب میں آیا ہوں جن کی گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ "ہمارا کوئی امام اور پیشوا نہیں، ہماری دعوت قبول فرمایئے اور یہاں (کوفہ) تشریف لایئے تاکہ خداوند عالم آپ کے توسط سے ہماری ہدایت و رہنمائی کرے۔"

اگر تم اس دعوت پر قائم ہو تو میں تمہارے پاس پہنچ چکا ہوں، آؤ اور میرے ساتھ محکم و مضبوط پیمان باندھو اور اپنی مدد و نصرت کے ذریعہ میری آسودگی کا سبب بنو اور اگر تمہیں میری آمد ناگوار ہے تو میں تیار ہوں کہ جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔"

(طبری۔ج ۷۔ص ۲۹۷، کامل ابن اثیر۔ج ۳۔ص ۲۸۰، کتاب الارشاد شیخ مفید۔ص ۲۲۴۔اور ۲۲۵، مقتل خوارزمی۔ص ۲۳۱ اور ۲۳۲)

اس خطبہ میں امامؑ نے مندرجہ ذیل نکات کی جانب اشارہ فرمایا۔

(۱) — "اے لوگو! اگر تم خدا سے ڈروگے اور حق کو اہلِ حق کے لئے پہچانو گے تو گویا تم نے خدا کو راضی کیا۔ ہم اہل بیتِ محمدؐ ہیں ہم اس منصب (خلافت) کے لئے ان (بنی امیّہ) سے زیادہ سزاوار ہیں۔"

آپؑ کے یہ کلمات آپؑ کے اس جملے (ہم اہل بیتِ نبوت ہیں) کی تکرار ہیں جو مدینہ میں آپؑ نے دربارِ ولید میں فرمائے۔

(۲) — اس خطبہ میں آپؑ فرماتے ہیں:۔

"خلافت کا دعویٰ کرنے والے یہ لوگ کہ جو تم پر ظلم و جور کرتے ہیں منصبِ خلافت کے حقدار نہیں۔"

یہ اس جملے کی تکرار ہے جو ولید سے آپؑ نے فرمایا کہ یزید فاسق و فاجر ہے۔

(۳) ــــ آپؑ نے فرمایا۔

"اگر تم نے ہمیں نہیں پہچانا اور اگر تم نے ہمارے حق اور اپنے عہد و پیمان سے روگردانی کرلی ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔"

یہ جملہ اہلِ کوفہ کے خطوط اور حضرت مسلم کے ہاتھ پر کی جانے والی بیعت کی طرف اشارہ ہے۔

شبِ عاشور آپؑ کا خطاب

شبِ عاشورا امام حسینؑ نے اپنے اصحاب اور بنی ہاشم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

"میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں' تم میری طرف سے آزاد ہو' تم پر اب میرا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے' خدا تمہیں جزائے خیر عطا کرے' تم اس تاریک رات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ یہ قوم صرف میری جان کے در پے ہے۔"

(نخشانِ امام حسینؑ۔ ص ۱۲۶' تاریخ طبری۔ جلد ۷۔ ص ۳۲۱' کامل ابن اثیر۔ ص ۲۸۵' ارشادِ مفید۔ ص ۲۳۱' لہوف۔ ص ۸۹' مقتل خوارزمی۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۶)

لیکن اس کے برعکس مدینہ سے نکلنے کے بعد مکہ میں اور پھر مکہ سے کربلا تک راستے میں امامؑ نے بہت سے لوگوں کو اپنی مدد اور نصرت کے لئے دعوت

دی۔ یہاں تک کہ جن لوگوں نے آپؑ کا ساتھ دینے سے عذر تراشی کی انہیں آپؑ نے سخت عذاب سے ڈرایا اور فرمایا کہ "مجھ سے اتنی دور چلے جاؤ کہ میری صدائے استغاثہ تم تک نہ پہنچے ورنہ تم پر عذابِ الٰہی نازل ہو گا۔"

یہ بات قابلِ غور ہے کہ ایک طرف تو آپؑ لوگوں کو اپنی نصرت کی دعوت دیتے ہیں اور عذر تراشی کرنے والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے ہیں جب کہ دوسری طرف شبِ عاشورا خود ہی اپنے مخلص اور باوفا اصحاب حتیٰ اپنے عزیز ترین افرادِ بنی ہاشمؑ کو بھی اجازت دیتے ہیں کہ وہ آپؑ کو چھوڑ کر رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نکل جائیں۔ ایسا کیوں؟ کیا امام حسینؑ تکلّف سے کام لے رہے تھے؟ نہیں! ہرگز نہیں۔ ائمہؑ ہماری طرح غیر حقیقی تکلّف نہیں کیا کرتے۔ بلکہ امامؑ کا ہر فعل اور ہر قول حقائق پر مبنی ہوتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ امامؑ اب تک اپنے قیام و حرکت میں جو مقصد و ہدف پیشِ نظر رکھے ہوئے تھے اور جس ہدف اور مقصد کے لئے آپؑ نے لوگوں کو خطوط لکھے تھے اور اپنا نمائندہ بھیجا تھا اور راستے میں ملنے والے لوگوں کو جس مقصد کے لئے دعوت دیتے تھے اس ہدف کے حصول سے اب امامؑ مایوس ہو گئے تھے۔ اسی لئے اب امامؑ نے ان کو واپس جانے کی اجازت دیدی تھی۔ شہادت کے علاوہ اگر کوئی اور اعلیٰ ہدف اور مقصد نہیں ہوتا کہ جس سے اب امامؑ مایوس ہو چکے تھے تو اپنے ان باوفا اعوان وانصار اور اپنے اعزا کو واپس جانے کی اجازت دینا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

واقعۂ تنعیم

"تنعیم مکہ سے دو فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔ اس وادی کو "تنعیم اس لئے کہتے

ہیں کہ اس کے دائیں طرف ایک پہاڑ ہے جس کا نام نعیم ہے اور ایک پہاڑ اس کے بائیں طرف ہے جس کا نام ناعم ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان وادی کو نعمان کہتے ہیں یہاں ایک مسجد ہے جسے اس وادی کے مناسبت سے مسجدِ تنعیم کہتے ہیں' اسے مسجدِ عمرہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہاں سے عمرہ کے لئے احرام باندھا جاتا ہے' اس کے علاوہ مسجدِ عائشہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہاں سے حضرت عائشہ نے احرام باندھا تھا۔

امام حسینؑ مکہ سے نکل کر جب اس وادی میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں سے اونٹوں پر تحفہ تحائف لادے ہوئے ایک قافلہ گزر رہا ہے۔ جب ان قافلہ والوں سے پوچھا گیا کہ وہ کہاں جارہے ہیں تو انھوں نے بتایا کہ بحیرہ ابن یسار حمیری نے یہ تحائف یزید ابن معاویہ کو بھیجے ہیں۔ امامؑ نے ان تحائف کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور ان سے کہا کہ تم میں سے جو یہاں سے واپس جانا چاہے وہ واپس چلا جائے ہم اسے یہاں تک کا کرایہ دیں گے اور جو ہمارے ساتھ جانا چاہتا ہے اسے بھی ہم اجرت دیں گے۔

(نقل از کتاب مقتل مقرم ۔ ص ۲۰۲' تاریخ طبری ۔ جلد ۶ ۔ ص ۲۱۸' مقتل خوارزمی ۔ جلد ۱ ۔ ص ۲۲۰' بدایہ و نہایہ ۔ جلد ۸ ۔ ص ۱۶۶' ارشاد مفید اور مثیر الاحزان۔)

امامؑ کا یہ اقدام اس امر اور امامؑ کے اس جملہ کی تائید میں ہے کہ خلافت کے حقدار صرف ہم ہیں اور یزید خلافتِ اسلامیہ کا حقدار نہیں۔ امامؑ نے اپنے اس عمل سے لوگوں کو بتایا کہ ان تحفہ و تحائف کے حقدار ہم ہیں۔ یزید نہیں۔

جن لوگوں کو یہ اشکال ہو کہ امام ایسا اقدام نہیں کرتے ان کی اطلاع کے

لئے عرض ہے کہ امام حسینؑ نے ایسا ہی ایک اقدام معاویہ کے دور میں بھی کیا تھا کہ جب امامؑ نے دیکھا کہ معاویہ تمام بیت المالِ مسلمین کو اپنی حکومت کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لئے صرف کر رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ہزاروں لوگ فقر و فاقہ میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک قافلہ جب یمن سے معاویہ کے لئے بہت سارا مال لے کر شام جا رہا تھا تو امامؑ نے اس مال کو اپنے قبضہ میں لیا اور بنی ہاشم اور دیگر مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور معاویہ کو اس مضمون کا ایک خط لکھا:-

> "یہ خط حسینؑ ابن علیؑ کی طرف سے معاویہ کے نام ہے (ہم نے دیکھا کہ) ایک قافلہ یمن سے تمہارے لئے مال اور تحائف لے کر ہمارے یہاں سے گزر رہا ہے تاکہ یہ مال دمشق کے خزانہ میں جمع ہو جائے اور تم اسے اپنے خاندان پر خرچ کرو۔ ہم نے اس پر قبضہ کر لیا ہے۔ والسلام"

(حیاتِ امام حسینؑ۔ جلد ۲۔ ص ۲۳۱)

قیامِ امام حسینؑ میں اسرار پوشی

امام حسینؑ اور آپ کے نمائندے ہمیشہ اپنے قیام کے دوران اپنے اقدامات اور حرکات کو ممکنہ حد تک عام نظروں سے مخفی رکھتے تھے۔ اس کے شواہد درج ذیل ہیں:

۱۔ امام حسینؑ نے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کرتے وقت تقویٰ اپنانے، لوگوں کی مدارات کرنے اور اسرار پوشی کی ہدایت کی۔

۲ ـــــ مسلم نے کوفہ پہنچنے کے بعد مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر قیام کیا۔ جب عبید اللہ ابن زیاد کی کوفہ آمد کی خبر سنی تو آپ ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہوگئے تاکہ آپ کا جائے قیام مخفی رہے۔

۳ ـــــ عبید اللہ ابن زیاد نے کوفہ پہنچتے ہی شہری ریکارڈ تلاش کیا تاکہ مسلم اور ان کا ساتھ دینے والوں کا پتہ چل سکے۔

۴ ـــــ ابن زیاد نے معقل کو تین یا چار ہزار درہم دیئے تاکہ اپنے آپ کو محبِ اہل بیت ظاہر کر کے مسلم بن عقیل کا پتہ لگائے کہ کہاں قیام پذیر ہیں۔ کسی نے معقل کو مسلم بن عوسجہ کا پتہ بتایا۔ معقل نے مسلم بن عوسجہ سے کہا کہ وہ شام کا رہنے والا ہے اور اہل بیت کی محبت اپنے دل میں رکھتا ہے اور حسینؑ کے نمائندے سے ملنا چاہتا ہے۔ مسلم بن عوسجہ نے کہا "تجھ سے مل کر خوشی بھی ہوئی کہ ایک محبِ اہل بیت سے ملا لیکن افسوس بھی ہوا کہ لوگوں کو میرا پتہ کیسے ہوا۔"

معقل مسلم بن عوسجہ کے توسط سے جناب مسلم بن عقیل کے پاس پہنچا تو آپ کو تین ہزار درہم دیئے۔ انہوں نے وہ رقم ابو تمامہ صیداوی کو دی اور معقل سے فرمایا کہ اسرار کو پوشیدہ رکھے۔ معقل ہر صبح جناب مسلم بن عقیل کے پاس آتا اور شام کو ساری رپورٹ عبید اللہ ابن زیاد کو دیتا تھا۔ اس کے بعد ہی ابن زیاد نے جناب ہانی ابن عروہ کو گرفتار کیا۔

۵ ـــــ سفیرِ حسین قیس ابن مسہر صیداوی کو جب کوفہ کے نزدیک گرفتار کیا گیا تو انہوں نے امامؑ کا خط پھاڑ ڈالا۔ جب عبید اللہ ابن زیاد نے خط

کے بارے میں پوچھا تو قیس نے کہا کہ وہ انہوں نے ضائع کر دیا ہے۔
جب پوچھا گیا کہ کیوں پھاڑ دیا تو جواب دیا تاکہ جس کے نام خط تھا
تمہیں اس کا پتہ نہ چل سکے۔

امامؑ کے یہ اقدامات تھے جن کے ذریعہ آپ اپنی حرکت کو پوشیدہ رکھتے تھے اور اپنے نمائندوں کو بھی انہیں مخفی رکھنے کی ہدایت کرتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حرکت حکومت اور کسی بڑی طاقت کے خلاف تھی ورنہ اس قدر رازداری کا کوئی اور سبب نظر نہیں آتا۔

—☆—☆—

امام حسینؑ کا قیام

اکابر علماء اور دانشوروں کی نظر میں

یہاں ہم امام حسین علیہ السلام کی تحریک و قیام کے بارے میں فریقین کے علماء کرام اور دانشور حضرات کی آراء و نظریات پیش کریں گے۔ اس سلسلہ میں ہم پہلے علماء اہل سنّت کی آراء نقل کرتے ہیں۔

علامہ شیخ محمد عبدہ مصری

آپ شارحِ نہج البلاغہ اور صاحبِ تفسیر المنار ہیں، علامہ سید جمال الدین افغانی کے ساتھی اور ہم عصر ہیں، آپ فرماتے ہیں:۔

"اگر دنیا میں کوئی حکومت موجود ہو جو احکامِ شریعت نافذ کرتی ہو اور اس کے مقابلہ میں ایک ظالم و جابر حکومت ہو جو شریعت کو معطل کر رہی ہو تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس ظالم و جابر حکومت کے خلاف قیام کرے۔ چنانچہ امام حسینؑ نے اپنے وقت کے ظالم و جابر حاکم کے خلاف قیام کیا۔ یہ ظالم اور جابر حاکم جو مکر و فریب کے ذریعہ مسلمانوں پر مسلط ہو کر حکومت کر رہا تھا یزید ابن معاویہ تھا۔ خدا اس کو اور اس کے معاونوں کو ذلیل کرے۔"

(کتاب مقتل حسینؓ از عبد الرزاق مقرم - ص ۱۳ نقل از تفسیر منار جلد اول - ص ۳۶۷ سورہ مائدہ آیت ۳۶ اور ۳۷ کی تفسیر کے ضمن میں)

ابن مفلح حنبلی

ابن مفلح حنبلی کہتے ہیں کہ ابن عقیل اور ابن جوزی نے غیر عادل حاکم کے خلاف قیام کرنے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ امام حسینؓ نے یزید کے خلاف قیام کیا تھا۔

(مقتل امام حسینؓ - عبد الرزاق مقرم - ص ۱۱)

امام قاضی ابی بکر بن عربی مالکی (المتوفی ۵۴۳ھ)

ابن عربی کہتے ہیں کہ مورخین نے لکھا ہے کہ:-

"جب اہلِ کوفہ کے خطوط حسینؓ کو ملے تو انہوں نے اپنے ابن عم مسلم ابن عقیل کو ان کے پاس بھیجا اور کہا کہ پہلے وہ جا کر اہلِ کوفہ سے بیعت لے لیں پھر اس کے بعد وہ ان کی دعوت پر کوفہ جانے پر غور کریں گے۔ ابن عباس نے حسینؓ کو منع کیا اور کہا کہ ان لوگوں نے آپؓ کے والد کو اور آپؓ کے بھائی کو بھی تنہا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن عبد اللہ ابن زبیر نے ابن عباس کی رائے کے برخلاف حسینؓ کو کوفہ جانے کا مشورہ دیا۔ بہر حال حسینؓ کوفہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ابھی حسینؓ راستہ ہی میں تھے کہ انہیں مسلم ابن عقیل کے قتل کیے جانے کی خبر ملی۔ جس سے حسینؓ کا غم وغصہ اور بڑھ گیا۔ حسینؓ نے اپنے دور کے اعلمِ زمان (ابن عباس) اور شیخِ صحابہ (عبد اللہ ابن عمر) کی رائے کو

نہ مانا اور دینِ حق کی بقاء اور اقامۂ حق کی خاطر اپنے سفر کو جاری رکھا۔ ان کے اردگرد نہ کوئی انصار و اعوان تھے اور نہ کوئی جان دینے والا۔ حسینؓ کہتے تھے کہ ہم زمین کو یزید جیسے شارب الخمر سے پاک کر کے دم لیں گے۔ جن لوگوں نے حسینؓ کا ساتھ دیا انہوں نے تاویل سے کام لیا۔ جب کہ وہ لوگ جنہوں نے حسینؓ سے جنگ کی انہوں نے پیغمبرؐ کی اس صریح حدیث پر عمل کیا کہ --- "فتنہ و فساد کی آگ میں مت کودو۔" اس سلسلے میں پیغمبرؐ کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ایک حدیث وہ ہے جو صحیح مسلم میں پیغمبرؐ سے نقل کی گئی ہے کہ ----

"میرے بعد ایسے حالات رونما ہوں گے۔ چنانچہ اگر کوئی امت کے اتحاد میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرے تو اس کو تلوار سے قتل کرو چاہے وہ کتنا ہی عظیم ہو یا کسی عظیم شخصیت کا فرزند ہو۔"

چنانچہ حسینؓ کو چاہئے تھا کہ وہ اپنے گھر اپنے باغ اور اپنے مال مویشیوں میں رہتے۔"

(العواصم من القواصم۔ ص ۲۳۶)

ابنِ تیمیہ

"حسینؓ کو بہت سے نصیحت کرنے والوں نے نصیحت کی کہ وہ خروج نہ کریں اور عاقبت اندیشی سے کام لیں، لیکن ان تمام نصیحتوں کے برخلاف حسین نکلے۔ ان کے خروج میں نہ دنیا کی کوئی مصلحت تھی نہ دین کی۔ ان کے خروج اور قتل میں فساد کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اگر وہ اپنے شہر میں رہتے تو یہ فساد نہ ہوتا۔ وہ جس خیر کو حاصل کرنا اور شر کو دفع کرنا چاہتے تھے وہ مقصد انہیں حاصل

نہیں ہو سکا بلکہ ان کے خروج اور قتل سے خیر میں کمی ہوئی اور شر میں اضافہ ہوا بلکہ ان کا خروج بہت سے فتنوں اور شر کا سبب بنا۔"

شیخ محمد خضری

شیخ خضری حسینؓ کے قتل کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "حسینؓ نے خروج کر کے بہت بڑی غلطی کی۔ انہوں نے امت کے لئے وبال پیدا کیا' تفرقہ اور اختلاف کا بیج بویا اور اسلام کے ستون کو متزلزل کیا۔" (معاذ اللہ)

استاد عبد اللہ العائلی

حسینؓ اپنے قلیل اعوان و انصار کے ساتھ نکلے اور معرکۂ حق و باطل میں استقامت کے ساتھ باطل کا مقابلہ کیا' دیکھنے والوں کے لئے اس مقابلہ میں اس آیۂ کریمہ کو دلیل و حجت و رہنما بنایا:-

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

اس آیۂ کریمہ میں فتنہ کے معنی اختلاف اور نزاع نہیں بلکہ فتنہ سے مراد فساد پھیلانا ہے۔ امام حسینؓ کا خروج جیسا کہ بعض لوگوں نے متہم کرنے کی کوشش کی ہے' فتنہ نہیں ہے بلکہ انکا قیام فتنہ کو فرو کرنے کے لئے تھا۔ قیامِ حسینؓ فساد کے خلاف ایک انقلاب ہے تاکہ دین صرف اور صرف خدا کے لئے ہو اور ہم سب محض خدا کے حکم کے تحت ہیں۔ امام حسینؓ نے اس خروج میں حکمِ خدا سے تجاوز نہیں کیا اور اسی آیۂ کریمہ پر عمل کرتے ہوئے فتنہ کے خلاف جنگ کی یہاں تک کہ خود زمین پر گر گئے تاکہ کلمۂ حق میدان میں رہے

اور نامِ حسینؑ اور صدائے حسینؑ کو لوگ ترانہ کی صورت میں ڈھال لیں۔ یہ خون کربلا کی زمین میں جذب ہو گیا تاکہ ظالموں کے راستہ میں کانٹے پیدا ہوں، مستکبرین کے لئے ایک خوفناک آواز غیب میں چھوڑی تاکہ ان کے کانوں میں ایک جرس کی مانند خلش پیدا کرتی رہے۔ سلام ہو آپ پر آپ کی شہادت کے دن اور آپ کی بعثت کے دن۔"

(الامام الحسینؑ۔ صفحہ ۳۴۳، مولفہ ۳۵۹ھ)

خالد محمد خالد

مصر سے تعلق رکھنے والے متعدد کتابوں کے مصنف اور معروف اہلِ سنت دانشمند خالد محمد خالد لکھتے ہیں کہ:

"یزید کے بر سر کار آنے سے خلافت ملوکیت اور خاندانی وراثت میں بدل گئی اور اسلام کی بقاء کا مسئلہ درپیش ہو گیا۔ حدیثِ رسولؐ ہے کہ "جب مسندِ خلافت پر نااہل متمکن ہوں تو قیامت کا انتظار کرو۔" اس وقت تختِ خلافت پر براجمان "یزید" تنہا نااہل ہی نہ تھا بلکہ مجسم شر تھا ایسی صورت میں امام حسینؑ پر ایک کٹھن ذمہ داری آن پڑی تھی اور آپؑ کے ذہن کو اس مسئلہ نے پریشان کر دیا تھا۔ اور آپؑ اسلام و مسلمین کی نجات کی خاطر ہر قسم کی قربانی کے لئے آمادہ ہو چکے تھے۔

امامؑ نے اس تحریک کا آغاز صرف اہلِ کوفہ کے خطوط اور وفود کی بناء پر نہیں کیا تھا بلکہ حسینؑ اس وقت دینِ الٰہی اور مسلمانوں کو یزید کے ہاتھوں کھلونا بننے کے لئے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ خواہ اہلِ کوفہ دعوت دیتے یا نہ

دیتے امامؑ اپنی ذمہ داری' ایمان اور بصیرت کی بنیاد پر قیام کرنے والے تھے نہ کہ کسی کے اکسانے پر۔

آپؑ فرماتے تھے کہ "خلافت آلِ ابو سفیان پر حرام ہے" جب معاویہ کے بارے میں امامؑ کا یہ نظریہ ہو تو آج تو آپؑ کو یزید کا سامنہ تھا۔ لہٰذا آپؑ نے اسکے خلاف اعلانِ جہاد کیا۔ حسینؑ بخوبی آگاہ تھے کہ یزید بیعت لئے بغیر آپؑ کو نہ چھوڑے گا اور آپؑ کسی صورت اسکی بیعت پر آمادہ نہ تھے لہٰذا اب جہاد کے سوا کوئی دوسرا راستہ باقی نہ رہا تھا"۔

(ابناء الرسولؐ فی کربلا۔ ص ۱۰۰ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)

ڈاکٹر عبدہ یمانی

ڈاکٹر عبدہ یمانی جو کتاب "علموا اولادکم محبۃ ال بیت النبیؐ" کے مؤلف ہیں یہ کتاب دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیہ' جدہ' سے شائع ہوئی ہے۔ وہ اپنی اس کتاب کے صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"معاویہ ابن ابی سفیان نے اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو ولیعہدی پر منصوب کیا۔ بعض اصحاب نے اس کے اس فعل کو خلفاءِ راشدین کی سیرت اور اسلام کے قوانین کے خلاف قرار دیا ہے۔ ان لوگوں نے اس کی بیعت نہیں کی۔ معاویہ کے انتقال کے بعد جب یزید نے خلافت سنبھالی تو ان اصحاب میں سے بعض اصحاب نے خونریزی سے بچنا مناسب سمجھا اور یزید کی بیعت سے انکار کرنے پر اکتفا کیا۔ جب کہ حسینؑ ابن علیؑ اور عبداللہ ابن زبیر نے یزید کے خلاف خروج کو یہ کہہ کر واجب قرار دیا کہ یزید کی ولیعہدی خلافتِ راشدہؓ کے

نظام میں تبدیلی کرنے کی ایک جسارت ہے۔ خلافتِ راشدہ میں اپنے قریبی رشتہ کو مقدم رکھنے کی بجائے افضل کو مقدم رکھا جاتا تھا۔ مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد یزید نے والیٔ مدینہ کو لکھا کہ وہ اہلِ مدینہ سے اس کے لئے بیعت طلب کرے۔ چنانچہ بیعت سے بچنے کے لئے ماہِ رجب کے آخر میں بعض لوگ مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔ جو لوگ مدینہ چھوڑ کر مکہ گئے ان میں ایک فرد حسینؓ ابن علیؓ بھی تھے جو ماہِ شعبان سے لے کر ماہِ ذی الحجہ کے ابتدائی ہفتہ تک مکہ میں رہے۔ مکہ میں قیام کے دوران ان کو اہلِ کوفہ کے خطوط ملے اور کوفہ کے کچھ وفود بھی ان سے آکر ملے جس کے بعد حسینؓ مکہ چھوڑ کر عراق روانہ ہوئے۔"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے صفحہ ۱۷۹ پر لکھتے ہیں:۔

"حضرت معاویہ کے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کے لئے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے کی جو ابتداء ہوئی تھی، ان کے نامزد کردہ جانشین یزید کے عہد میں وہ بدترین نتائج تک پہنچ گئی۔ اس کے زمانہ میں تین ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے پوری دنیائے اسلام کو لرزہ براندام کردیا۔

" پہلا واقعہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ہے۔ بلاشبہ وہ اہلِ عراق کی دعوت پر یزید کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور یزید کی حکومت انہیں برسرِ بغاوت سمجھتی تھی۔

ہم اس سوال سے تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کئے لیتے ہیں کہ اصولِ

اسلام کے لحاظ سے حضرت حسینؓ کا یہ خروج جائز تھا یا نہیں۔ اگرچہ ان کی زندگی میں اور ان کے بعد صحابہ و تابعین میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ قول ہمیں نہیں ملتا کہ ان کا خروج ناجائز تھا اور وہ ایک فعلِ حرام کا ارتکاب کرنے جا رہے تھے۔ صحابہ میں سے جس نے بھی ان کو نکلنے سے روکا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ تدبیر کے لحاظ سے یہ اقدام نامناسب ہے۔"

علماء و فقہاءِ شیعہ

شیخ مفید

امام فقیہ محقق محمد ابن نعمان ملقب بہ شیخ مفید (المتوفی سنہ ۴۱۳ ہجری)

آپ فرماتے ہیں:۔

"اپنے بھائی امام حسنؓ کے بعد قرآن و سنّت کی رو سے امامت امام حسینؓ کے لئے ثابت ہے اور تمام خلق پر واجب ہے۔ معاویہ کے ساتھ اس صلحنامہ کی وجہ سے کہ جب تک معاویہ زندہ ہے خلافت اس کے پاس رہے گی نیز تقیہ کی وجہ سے آپؓ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت نہیں دی اور آپؓ کا یہ عمل آپؓ کے بھائی امام حسنؓ اور آپؓ کے پدرِ بزرگوار امام علیؓ کی سیرت کے سلسلے کی ایک کڑی ہے لیکن معاویہ کی موت کے بعد صلحنامہ کی مدت ختم ہو گئی تو امام حسینؓ نے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی اور اپنے حقِ امامت سے امت کو آگاہ کیا کہ آپؓ اس منصبِ خلافت کے سزاوار ہیں۔ یہاں تک کہ آپؓ کے گرد کافی تعداد میں انصار و اعوان جمع ہو گئے۔ چنانچہ لوگوں کو جہاد کی دعوت دی اور حرمِ رسولؐ کو چھوڑ کر اپنے اہل و عیال کو لے کر عراق کی طرف نکلے اور

راستے میں اپنے شیعوں سے ہر جگہ نصرت طلب کی۔ اپنے سفر سے پہلے اپنے ابنِ عم حضرت مسلم ابن عقیل کو اپنے دشمن کے خلاف جنگ کرنے اور لوگوں سے بیعت لینے کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ اہلِ کوفہ نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور نصرت و مدد کا عہد و پیمان کیا۔ لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ انہوں نے عہد و پیمان کو توڑ دیا اور حضرت مسلم کو دشمن کے درمیان تنہا چھوڑ گئے یہاں تک کہ مسلم شہید ہوئے۔ پھر یہی لوگ عمر سعد کے لشکر میں شامل ہو کر امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لئے کربلا پہنچے 'امام' کا محاصرہ کیا اور انہیں مدینہ یا کسی اور جگہ جانے سے روکا اور بالآخر امامؑ مظلومیت کے ساتھ بھوکے پیاسے شہید ہوئے۔ غرض اہلِ کوفہ نے امامؑ کے حقِ حرمت کی پرواہ نہ کی اور آپؑ کے ساتھ کئے جانے والے عہد و پیمان اور بیعت کو توڑ دیا۔"

شیخ مفید رضوان اللہ علیہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:۔

"امام حسنؑ کی شہادت کے بعد شیعیانِ عراق حرکت میں آئے اور امام حسینؑ سے درخواست کی کہ معاویہ سے صلح کے عہد نامہ کو ختم کریں اور اپنے لئے بیعت لیں تو امامؑ نے ان کی درخواست یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ ہمارے اور معاویہ کے درمیان صلح کا عہد نامہ ہے اور جب تک اس صلحنامہ کی مدت ختم نہ ہو جائے ہم اس معاہدے کو توڑ نہیں سکتے۔ البتہ معاویہ کی موت کے بعد ہم اس مسئلہ پر اظہارِ نظر کریں گے۔ چنانچہ معاویہ کی موت کے بعد جب ان لوگوں نے یہ خبر سنی کہ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے تو انہوں نے دوبارہ امامؑ کو دعوت دی اور خطوط لکھے۔ ان کے خطوط کے جواب میں حضرت امام حسینؑ نے ان کی دعوت قبول کرتے ہوئے اپنے بھائی مسلم ابن عقیل کو

کوفہ روانہ کیا۔"

(ارشادِ شیخ مفید۔ ص ۱۹۹ تا ۲۰۴)

علامہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ

بعض لوگوں کے اس اعتراض کے جواب میں کہ امامؑ نے جس وقت اپنے اہل و عیال کے ہمراہ کوفہ جانے کا فیصلہ کیا اس وقت کوفہ پر ان کے دشمن کا تسلط و اقتدار قائم تھا۔ پھر امامؑ اپنے پدرِ بزرگوار اور برادرِ بزرگ کے ساتھ اہلِ کوفہ کے سلوک سے بھی باخبر تھے۔ یہی نہیں بلکہ بعض مخلص و مشفق حضرات نے اہلِ کوفہ کے غدر و خیانت کی بناء پر آپؑ کو اس سفر سے باز رکھنے کی کوشش بھی کی تھی۔ پھر بھی امامؑ نے کوفہ روانگی کا فیصلہ کیوں کیا؟ حضرت آیت اللہ علامہ مرتضیٰ علم الہدیٰ فرماتے ہیں کہ:۔

"ہم نے پہلے ہی کہا ہے کہ جب امامؑ کو ظنِ قوی ہو جائے کہ وہ اپنا حق حاصل کر سکتا ہے اور اپنی مسئولیت پر عمل پیرا ہو سکتا ہے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ قیام کرے اگرچہ اس میں مشکلات ہی کیوں نہ جھیلنا پڑیں۔ امام حسینؑ اس وقت تک کوفہ کی جانب روانہ نہیں ہوئے جب تک کہ اہلِ کوفہ نے اپنے خطوط اور نمائندوں کے ذریعہ اپنے ثابت قدم ہونے کی یقین دہانی نہ کرادی۔

اہلِ کوفہ سے امامؑ کا یہ ربط کسی دباؤ اور زور کی بناء پر نہ تھا۔ بلکہ معاویہ کے دور میں بھی اہلِ کوفہ کے وفود اور خطوط امامؑ کو موصول ہوئے تھے۔ صلح کے بعد جبکہ ابھی امام حسنؑ حیات تھے اور پھر ان کی شہادت کے بعد بھی اہلِ

کوفہ نے آپؑ سے ملاقات کی جس میں امامؑ نے انہیں اس وقت ہر قسم کی حرکات سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ معاویہ کے انتقال کے بعد پھر اہلِ کوفہ نے امام کو خطوط لکھے۔ اس وقت جب امامؑ کو یہ محسوس ہوا کہ موجودہ حاکمِ کوفہ ضعیف ہے اور اس کے مقابل مومنینِ کوفہ قوی ہیں تو امام کو ظنِ قوی حاصل ہوگیا۔ اور آپؑ نے اپنے لئے قیام کو واجب جانا۔

اس وقت اہلِ کوفہ کے قوی ہونے کی ایک دلیل جناب مسلم کے وہاں پہنچنے پر اکثریت کا آپؑ کی بیعت کرنا ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جب عبید اللہ ابن زیاد نے ہانی کو گرفتار کیا تو جناب مسلم کی ایک آواز پر کثیر تعداد میں مسلح افراد اپنے گھروں سے نکل آئے اور دار الامارہ کو گھیرے میں لے لیا۔ لیکن جب حالات نے پلٹا کھایا اور کوفہ پر عبید اللہ ابن زیاد کو کنٹرول حاصل ہوگیا تو امامؑ نے عمر سعد کے لشکر سے کہا کہ مجھے واپس جانے دو۔"

(تنزیہ الانبیاء۔ ص ۲۲۱)

علامہ حلّی

فخرِ علماء جامع معقول و منقول حضرت آیت اللہ العظمٰی علامہ جمال الدین حسن ابن یوسف مطہر معروف بہ علامہ حلّی (المتوفی ۲۱ محرم الحرام ۷۲۶ ہجری) کا نظریہ:۔

"امام حسنؑ کی شہادت کے بعد ۵۰ ہجری میں حسینؑ منصبِ امامت پر فائز ہوئے۔ اس لحاظ سے اپنے دورِ امامت کے گیارہ سال امام حسینؑ نے معاویہ کے ساتھ گزارے۔ مذہبِ حقہ، تشیع کی رو سے امام حسنؑ کے بعد امام حسینؑ ہی

منصبِ امامت کے حقدار تھے اور تمام لوگوں پر آپؑ کی اطاعت واجب تھی۔ لیکن معاویہ اور امام حسنؑ کے درمیان صلحنامہ کی وجہ سے تقیّہ کے طور پر آپؑ لوگوں کو اپنی طرف علانیہ دعوت نہیں دے سکتے تھے۔ اس صلحنامہ کے تحت معاویہ کے ساتھ آپؑ کا رویّہ وہی ہونا چاہئے تھا جو اس کے ساتھ (آپؑ کے بھائی) امام حسنؑ کا تھا۔ یہ چیز آپؑ کے جدِ بزرگوار پیغمبرِ اکرمؐ کی اس تین سالہ سیرت کا ایک حصہ تھی جو پیغمبرؐ نے شعبِ ابی طالبؑ میں گزارے یا آپؑ کے پدرِ بزرگوار علی ابن ابی طالبؑ کی اس سیرت کا پرتو تھی جو پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد اپنے دورِ خلافت تک امام علیؑ نے گزارے۔

اگرچہ اس صلحنامہ کی وجہ سے آپؑ علانیہ لوگوں کو اپنی طرف دعوت نہیں دے سکتے تھے لیکن مخفی طور پر آپؑ مخلص اور صالح افراد سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے۔ اور بہت سے افراد آپؑ کے گرد جمع بھی ہو گئے تھے۔ لیکن ۱۵ رجب المرجب ۶۰ ہجری کو جیسے ہی معاویہ اپنے انجام کو پہنچا اور یزید مسندِ خلافت پر قابض ہوا آپؑ اس کی خلافت کو مسترد کرتے ہوئے یزید اور بنی امیّہ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اہل بیت اور فرزندوں کے ہمراہ عازمِ عراق ہوئے۔ کیونکہ کوفہ میں موجود آپؑ کے شیعوں نے آپؑ کو دعوت دی تھی کہ وہ آپؑ کے ہمرکاب ہو کر آپؑ کے دشمنوں سے جنگ کریں گے۔ چنانچہ امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت مسلم ابن عقیل کو کوفہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ لوگوں کو جہاد کی دعوت دیں اور آپؑ کے لئے لوگوں سے بیعت لیں۔

اہلِ کوفہ نے آپؑ کے ساتھ آپؑ کے دشمنوں سے جنگ کرنے کی بیعت

کی اور آپؑ سے اپنی وفاداری کا اعلان کیا لیکن کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ ان لوگوں نے اپنی بیعت کو توڑ کر حضرت مسلم کی نصرت سے ہاتھ اٹھایا اور مسلم ابن عقیل کو دشمنوں کے درمیان چھوڑ دیا۔ چنانچہ حضرت مسلم بے یارومددگار شہید ہو گئے۔ اس کے بعد یہی ناوان اور غفلت شعار لوگ خود امام حسینؑ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے کوفہ سے نکلے اور کربلا میں امام حسینؑ کا محاصرہ کیا' امامؑ کو دیگر شہروں میں جانے سے روکا اور آپؑ پر وہاں سے نکلنے کے تمام راستے بند کر دیئے۔ یہاں تک کہ فرات کا پانی بھی آپؑ پر بند کر دیا۔ اور آخر کار آپؑ اپنے قلیل اعوان و انصار کے ساتھ بھوکے پیاسے مظلومیت کے ساتھ شہید ہو گئے۔

(نقل از کتاب ترجمہ المستجار۔ ص ۱۹۵۔ تالیف۔ علامہ حلی۔ ناشر دفتر انتشارات جامعہ مدرسین قم)

علامہ حلّی کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسینؑ بازیابیٔ خلافت کے لئے نکلے تھے۔

علامہ شیخ محمد حسین کاشف الغطا

آیت اللہ العظمیٰ شیخ محمد حسین کاشف الغطا اعلیٰ اللہ مقامہ فرماتے ہیں:

"امام حسینؑ کے قیام اور آپؑ کا اپنے اہل بیتؑ کو اپنے ہمراہ کربلا لے جانے کا مقصد اپنی نہضت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا تھا اور اس نہضت و قیام کا ہدف بنی امیہ کی خلافت اور رذائل کی نابودی اور خاتمہ تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ امام حسینؑ اپنے اصحاب اور اولاد کے ساتھ خود شہید ہو جاتے اور کاش خواتین (مخدراتِ عصمت) کو ساتھ نہ لے

جاتے۔

لیکن یہ خواتین اگر امام حسینؑ کی نہضت اور آپؑ کے مشن کو اپنے ہاتھ میں نہ لیتیں تو آپؑ کی یہ نہضت وہیں پر ختم ہو جاتی اور اس کے بعد آپؑ کا خون ضائع ہو جاتا۔ امام حسین علیہ السلام اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے جانا اس لئے ضروری سمجھتے تھے کہ آپؑ اپنی نہضت کو دوام بخشنا چاہتے تھے اور اس نہضت کو قائم اور دائم رکھنا اپنے اہل و عیال کو لے جائے بغیر ناممکن تھا۔ امامؑ اپنے اہل و عیال کو اس لئے ساتھ نہیں لے گئے تھے کہ آپؑ کے اہل بیت اسیر ہوں اور اس طرح مظلومیت کا اظہار ہو سکے۔ بلکہ اس میں ایک اعلیٰ سیاسی مقصد کار فرما تھا جو محکم بنیادوں پر قائم تھا۔ آپؑ کو اپنی نہضت کو اپنے اصلی ہدف اور مقصد تک پہنچانا تھا اور وہ ہدف و مقصد یزید کی حکومت کا خاتمہ تھا قبل اس کے کہ یزید اسلام کو مکمل طور پر ختم کر دے اور جاہلیت کے دور کو پھر واپس لے آئے۔"

(حیاتِ امام حسینؑ جلد ۲۔ ص ۲۹۸ نقل از سیاستِ حسینیہ)

علامہ شہرستانی

آیت اللہ العظمیٰ سید ہبت الدین شہرستانی

آیت اللہ شہرستانی کی تالیفات میں سے آپ کی ایک بلند پایہ تالیف نہضت الحسینؑ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کی اس کتاب کے بارے میں آیت اللہ شیخ محمد حسین کاشف الغطاء لکھتے ہیں:

" یہ کتاب صرف اس زمانے کے لئے نہیں بلکہ یہ وہ کتاب ہے جو رہتی دنیا

تک ہمیشہ افکار کو جلا اور عزم و ارادہ کو نشاط بخشتی رہے گی۔"

آیت اللہ شہرستانی اپنی اس کتاب میں (ص ۷۱) فرماتے ہیں:

"امام حسینؑ کا اہلِ کوفہ کی دعوت پر لبیک کہنا اور اپنے ابنِ عم حضرت مسلم بن عقیل کو بیعت کے لئے ان کی طرف بھیجنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپؑ نے اپنے آپ کو منصبِ خلافت کے لئے پیش کیا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امامؑ نے خود کو منصبِ خلافت کے لئے پیش کیا تو یہ بات نہ امام حسینؑ کی شخصیت سے متصادم ہے اور نہ آپؑ کے مؤقف سے۔ اس وقت حالات اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ امام حسینؑ پر واجب تھا کہ وہ قیام کریں اور قیام کے لئے جن شرائط اور جس اہلیت کی ضرورت ہے وہ سب امام حسینؑ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔"

☆ یزید خلافت کا ہرگز اہل نہیں تھا۔ کتبِ تواریخ اس کے فسق و فجور کی داستانوں سے بھری پڑی ہیں۔ وہ کتے، خنزیر اور چیتوں سے کھیلتا تھا، شراب پیتا تھا اس کے نزدیک حرام و حلال کی کوئی تمیز نہیں تھی۔

یزید کا فسق و فجور میں غرق رہنا ایک طرف، وہ تو کسی لحاظ سے بھی خلافت کا حقدار نہیں تھا۔ نہ اہلیت کی بنا پر اور نہ ہی کسی وصیت اور وراثت کی بنیاد پر، کیونکہ اس کے باپ نے اس منصب پر مکرو فریب، جبرو دھمکی اور رشوت کے ذریعہ قبضہ کیا تھا اور لوگوں سے زبردستی اور جبراً بیعت لی تھی۔ چنانچہ جب حالات اور واقعات اس نہج پر ہوں تو امت کے ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ ظالم اور غاصب خلیفہ کو اس منصب سے ہٹائے۔

چنانچہ پیغمبرِ اکرمؐ نے فرمایا کہ "اگر کوئی شخص ظالم و جابر حاکم کے خلاف

قیام کرے اور وہ جابر سلطان اس امر و نہی کرنے والے شخص کو قتل کر دے تو اس شخص کا درجہ وہی ہے جو پیغمبرِ اکرمؐ کے چچا امیر حمزہؓ کا ہے جو کہ سید الشہداء ہیں۔"

☆ امام حسین علیہ السلام خود بھی اپنے اس حق سے آگاہی رکھتے تھے اور آپ کے جد رسولؐ، پدر (علی مرتضیٰؑ) اور بھائی (حسن مجتبیٰؑ) نے بھی آپ کو آگاہ کیا تھا کہ تنہا وہ خود (امام حسینؑ) مسلمانوں کے امام ہیں اور کوئی دوسرا امامِ مسلمین بننے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ حق کی آواز بلند کرنے والے وہ تمام افراد جو تقیہ کے پردے میں چھپے بیٹھے تھے وہ بھی امام حسینؑ ہی کو خلیفۃ المسلمین سمجھتے تھے ـــــ اگر امام حسینؑ کے علاوہ کسی شخص میں خلیفۃ المسلمین بننے کے لئے تمام شرائط و اہلیت موجود ہوتیں اور کوئی دوسرا شخص اس منصب پر حق جتاتا تو کیا وہ اپنے حق (یعنی اس منصب) کا دعویٰ نہ کرتا؟

☆ امام حسین علیہ السلام کو آپؑ کے جد رسولِ اکرمؐ، پدرِ علی مرتضیٰؑ، آپؑ کی مادرِ گرامی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور آپؑ کے بھائی امام حسن مجتبیٰؑ سب نے خبر دی تھی اور خود امام حسینؑ بھی ذاتی طور پر خوب جانتے تھے کہ آپ شہید ہو جائیں گے، چاہے آپؑ بیعت کریں یا نہ کریں۔ تو ایسی صورت میں کہ جب حتمی طور پر آپؑ کو علم تھا کہ آپؑ شہید ہو جائیں گے تو پھر کیوں نہ آپؑ ان اعلیٰ مقاصد کی راہ میں کہ جن میں شریعت کی بقا و دوام مضمر ہو کام آنے کو ترجیح دیتے۔

☆ امام حسینؑ کی خدمت میں عراق سے جو ہزارہا خطوط روانہ کئے گئے ان سب میں تحریر تھا کہ "یابن رسول اللہ! ہمارے لئے کوئی امام نہیں۔ آپ ہماری

طرف تشریف لائیں۔ یزید فاسق و فاجر ہے ہماری گردنوں پر اس کی کوئی بیعت نہیں۔ آپؑ جلد تشریف لائیں۔ اگر آپؑ تشریف نہیں لائے تو ہم آپؑ کے جد رسولِ اکرمؐ کے سامنے شکایت کریں گے۔"

ان تمام مذکورہ بالا صورتوں کو لکھنے کے بعد آیت اللہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس خلافت کے لئے تمام تر صلاحیت موجود ہو اور قیام کے لئے یہ تمام شرائط موجود ہوں تو اس کے قیام کرنے میں اعتراض کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟

آیت اللہ سید نعمت اللہ الجزائری (المتوفی سنہ ۱۱۱۲ ہجری)

آپ فرماتے ہیں کہ:

"بعض جاہل افراد یہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ یہ جانتے ہوئے کہ شہید ہو جائیں گے عراق کی طرف کیوں گئے جبکہ یہ اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "اگر امامؑ کو انصار و اعوان میسر آجائیں تو امامؑ پر جہاد واجب ہو جاتا ہے۔" اس گمان کے تحت کہ لوگ ان کا ساتھ نہیں دیں گے انبیاءؑ بھی جہاد ترک نہیں کر سکتے۔ چنانچہ انبیاءؑ یہاں تک کہ اولوالعزم پیغمبروں کو بھی طرح طرح کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن انہوں نے قیام کیا۔ کیونکہ اتمام حجت کرنا ضروری ہے۔

بالکل اسی طرح امام حسینؑ کے لئے اتمامِ حجت کرنا ضروری تھا۔ علمِ امامت کے تحت کسی غیبی واقعہ کا علم ہونا اپنی شرعی ذمہ داری کو پورا کرنے میں مانع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ امام حسینؑ کو ظاہری حالات و مشاہدات کی بنیاد پر اپنے

وظیفۂ شرعی کو بجالانا اور اتمامِ حجت کرنا واجب تھا۔ جیسا کہ پیغمبرِ اکرمؐ اپنے علمِ نبوت سے غیبی حقائق سے واقفیت کے باوجود فریقین کے درمیان کسی نزاع کا فیصلہ ظاہری شواہد پر کرتے تھے۔"

"اہلِ کوفہ کی ایک بڑی تعداد کی مدد و نصرت کے وعدہ کے بعد بھی اگر امام حسینؑ یزید کے خلاف قیام نہیں کرتے تو اہلِ کوفہ پر اتمامِ حجت نہیں ہو پاتی اور یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے مشکوک ہو کر رہ جاتا کہ امامؑ نے انصار و اعوان کی قلت کی بنیاد پر قیام نہیں کیا یا وہ یزید کی حکومت کو جائز سمجھتے تھے، اس سے راضی تھے۔ چنانچہ سابقہ خلفاء کے دور میں حضرت علیؑ کے خاموش رہنے کو مخالفین آج تک ہمارے لئے حجت قرار دیتے ہیں اور حضرت علیؑ کی خاموشی کی یہ تعبیر کرتے ہیں کہ علیؑ خلفاء کی حکومت سے راضی تھے اور کہتے ہیں کہ اگر علیؑ ان کی حکومت سے راضی نہیں تھے تو پھر انؑ کو ان خلفاء کے خلاف جنگ کرنے سے کون سا امر مانع تھا کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب امام حسینؑ نے اپنا حق طلب کیا تو امامؑ کو کتنی مصیبتیں اٹھانا پڑیں۔

اگر کوئی کہے کہ جس طرح امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ صلح کرلی امام حسینؑ نے یزید کے ساتھ کیوں صلح نہیں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جا سکتا۔ امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کی تو معاویہ نے آخر میں کتنا دھوکہ دیا یہاں تک کہ آپؑ کو زہر سے شہید کروایا۔"

(انوارِ نعمانیہ ج ۳۔ ص ۲۳۸)

حضرت آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری

امام حسینؑ کے قیام کے مختلف زاویوں کی موشگافی کا سہرا درحقیقت شہید

مرتضیٰ مطہریؒ کے سر ہے۔ نہضتِ امامؑ کے معمہ کو حل کرنے میں آپ کا جو کردار ہے کسی اور کا نہیں۔ آپ ماہیّتِ قیامِ امامؑ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"جس طرح دوسرے طبیعی اور اجتماعی حوادث وجود میں آنے کے لئے علّتِ فاعلی اور علّتِ غائی کے محتاج ہیں اسی طرح قیامِ امام حسینؑ بھی اس ضرورت اور اس قانون سے مستثنیٰ نہیں۔

قیامِ امام حسینؑ کے تین عوامل ہیں۔

۱۔ ردِّ بیعت

۲۔ اہلِ کوفہ کی دعوت

۳۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر"

ان نکات کی وضاحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ:۔

محض ردِّ بیعت ایک سلبی عمل ہے یعنی بیعت کا انکار کرنے کے بعد کسی اور ردِ عمل کا اظہار نہ کرنا ایک سلبی موقف ہے۔ مثال کے طور پر اگر امامؑ بنی امیّہ کی طرف سے یزید کی بیعت کے مطالبہ کا نفی میں جواب دے کر خاموش بیٹھ جاتے تو ایک سلبی مؤقف ہوتا۔ لہٰذا اگر آپؑ محض بیعتِ یزید کو مسترد کرنا چاہتے تھے تو یہ عمل انجام دینے کے بعد خاموشی سے کسی طرف نکل جاتے۔ جیساکہ بعض لوگوں نے آپؑ کو مشورہ بھی دیا تھا کہ "آپؑ کہیں دور چلے جائیں یا یمن کے دروں میں چھپ جائیں۔ اگر امامؑ محض اس سلبی مؤقف پر اکتفا کرنا چاہتے تھے تو ان لوگوں کا یہ مشورہ صائب تھا کیونکہ مطالبۂ بیعت کو مسترد کر کے آپؑ نے اپنا یہ مقصد حاصل کر لیا تھا۔"

قیام امامؑ کے دوسرے عامل کے بارے میں شہید کہتے ہیں کہ:

"دوسرا عامل اہلِ کوفہ کی دعوت ہے۔ کوفہ سے ایک دو آدمیوں نے امامؑ کو دعوت نہیں دی بلکہ بارہ ہزار سے زیادہ افراد نے امامؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ اہلِ کوفہ نے اپنے خطوط میں لکھا تھا کہ ہم پوری استعداد کے ساتھ آپؑ کے ساتھ ہیں' وقت آچکا ہے کہ ہم آپؑ کے ساتھ قیام کریں۔ ہم سب آپؑ سے تعاون اور آپؑ کی مدد کے لئے آمادہ ہیں۔"

"دوسرے لفظوں میں گویا امت یزید کے خلاف قیام کے لئے آمادہ ہو گئی تھی۔ ان کو اب بس اپنی رہبری کے لئے ایک قائد و رہبر کی ضرورت تھی۔ لہٰذا انہوں نے امامؑ کو لکھا کہ "ہمارے لئے امام نہیں ہے' آپؑ تشریف لائیں گے تو ہم زیادہ متحد اور منظم ہو جائیں گے۔" اس دعوت سے امامؑ پر حجت تمام ہو گئی' اب یہ گنجائش نہیں تھی کہ امامؑ یہ فرماتے کہ میرے پاس انصار و اعوان نہیں ہیں۔ اب امامؑ ان کی دعوت کو رد نہیں کر سکتے' اگر رد کریں تو آنے والی تاریخ کو امامؑ کیا جواب دیں گے۔ لہٰذا امامؑ نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور پوچھنے والوں کے جواب میں آپؑ فرماتے تھے کہ اہلِ کوفہ نے مجھے دعوت دی ہے۔ یہ ان کے خطوط ہیں۔"

شہید مطہریؒ فرماتے ہیں کہ:

"ردِّ بیعت یعنی امامؑ کا یزید کی بیعت کو مسترد کرنے کا عمل گویا امامؑ کی طرف سے خود اس منصب (خلافت) کا سزاوار اور حقدار ہونے کا اعلان ہے اس ردِ بیعت کے بعد اہلِ کوفہ نے آپؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ردِّ بیعت کا عمل پہلے ہے اور اہلِ کوفہ کی دعوت بعد میں۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ

اہل کوفہ کی دعوت امامؑ کو حرکت میں لائی۔"

آپ مزید فرماتے ہیں کہ:

"قیامِ امام حسینؑ کا تیسرا عامل امربالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ گو یہ بیان (کہ میں امربالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں) امامؑ سے ردِّ بیعت کے بعد صادر ہوا لیکن امامؑ کے قیام کا سب سے بڑا عامل امربالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اگر بنی امیّہ آپؑ سے بیعت طلب نہ بھی کرتے تب بھی آپؑ قیام کرتے۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ انہوں نے بیعت طلب کی اس لئے امام نے قیام کیا۔ اگر اہلِ کوفہ آپؑ کو دعوت نہ دیتے تب بھی آپؑ بنی امیّہ کے خلاف فریضۂ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی رو سے قیام ضرور کرتے۔"

(رسالۃ الثقلین)

آیت اللہ شہید سید محمد باقر الصدر

شہید سید محمد باقر الصدرؒ نے امام حسینؑ کے قیام کے بارے میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور سید ابن طاؤس کی آراء پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنا نظریہ پیش کیا اور فرمایا:

"سید ابن طاؤس نے اپنی تالیف لہوف فی القتل التفوف میں فرمایا ہے کہ "تحقیق کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ امام حسینؑ اپنے انجام کار سے واقف تھے، آپؑ شہادت ہی کے لئے جا رہے تھے اور یہی ان کی شرعی ذمّہ داری تھی۔"

"سید ابن طاؤس اپنے مدعا کے لئے ان اخبار و روایات کو پیش کرتے ہیں

جن میں امام حسینؑ کی شہادت کی خبریں نقل ہیں اور فرماتے ہیں کہ "بعض لوگ شہادت کی سعادت سے ناآشنا ہونے کی بناء پر امامؑ کے اس اقدام کو اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف قرار دیتے ہیں اور اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا ہمیشہ حرام نہیں کبھی کبھی یہ ایک فوز و سعادت کا درجہ رکھتا ہے۔" پھر اس کے گواہ کے طور پر سید یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ:

"فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم"

اس کے بعد شہید صدر علامہ مرتضیٰ علم الہدیٰ کی رائے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

(علامہ مرتضیٰ علم الہدیٰ کی رائے ہم گزشتہ صفحات پر نقل کر چکے ہیں۔)

"دونوں نظریات میں واقعیت اور حقیقت بھی ہے اور خطاء و اشتباہ بھی۔ شہیدِ صدرؒ سید ابن طاؤس کی رائے کے بارے میں کہ جنہوں نے شہادت ہی کو امام حسینؑ کا ہدفِ اصلی قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ کا خروج حکومتِ الٰہی کے قیام کے لئے تھا۔ فاسق اموی نظام کے خلاف قیام کے لئے نکلنا ائمہ کے نزدیک ایک مسلّم حقیقت رہی ہے۔ کیونکہ حکومتِ الٰہی کے قیام کی ضرورت تمام ائمہ کی رگ و پے میں جاری ہے۔ اور آپؑ کی تمام مشکلات و پریشانیاں اس میں مضمر ہیں۔ درحقیقت امام کی شہادت اور قربانی کا مقصد احیائے دینِ اسلام اور اس کا دفاع کرنے کے لئے جہاد کی راہ کو ہموار کرنا تھا۔

جہاں تک سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی رائے ہے کہ "امامؑ اپنی کامیابی پر بالکل مطمئن نکلے تھے تو یہ حقیقت ہے اور شہادت کا کوئی احتمال نہ تھا" یہ اس واقعہ کے سلسلے میں وارد نصوص کے خلاف ہے۔ ان کی رائے کے حوالہ سے نہ ہم

شرائط کی آمادگی سے انکار کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ شہادت کا احتمال تھا۔

خلاصہ یہ کہ شہید صدر کی نظر میں خواہ امامؑ قیامِ حکومت کے لئے نکلے تھے یا شہادت کے لئے' اس سے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ دونوں کا مقصد ایک تھا یعنی قیامِ حکومتِ الٰہی اور فاسد حکومت کے خلاف انسانی ضمیر کو جھنجھوڑنا۔"

(رسالہ ثقافت اسلامیہ شمارہ نمبر ۴۴۔ ص ۶۱)

آیت اللہ حسین علی منتظری

حکومتِ الٰہی کی ضرورت کے ثبوت میں بہت سے دیگر دلائل کے علاوہ یزید کے خلاف امام حسینؑ کے قیام کو دلیل قرار دیتے ہوئے آیت اللہ منتظری اپنی کتاب ولایتِ فقیہ جلد اول صفحہ ۲۰۵ پر فرماتے ہیں:۔

"امام حسینؑ ہمارے نزدیک امامِ معصوم ہیں' ان کا ہر عمل ہمارے لئے حجت ہے کیونکہ امام وہی ہوتا ہے جس کی اتباع اور اقتدا کی جائے اور جس کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔ امام حسینؑ نے یزید کے خلاف اپنے قیام کے اہداف کو اپنے ایک خطبہ میں پیغمبرؐ کی اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

" اگر کوئی شخص کسی جابر سلطان کو حرامِ خدا کو حلال اور حلالِ خدا کو حرام کرتا ہوا دیکھے' سنّتِ رسولؐ کی مخالفت کرتا ہوا اور بندگانِ خدا پر ظلم و ستم کرتا ہوا دیکھے اور اپنے قول و فعل کے ذریعہ اسے نہ روکے تو خدا پر واجب ہے کہ وہ اس شخص کو جہنم میں داخل کر دے"۔

(اس خطبے کو طبری اور ابن اثیر دونوں نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے)

اس کے علاوہ آیت اللہ منتظری امام حسینؑ کے اس خطبے کو جو آپؑ نے مقام ذی حسم پر دیا طبری سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :-

" امام حسینؑ پیغمبرِ اکرمؐ کی پاکیزہ عترت ہیں پیغمبرؐ نے انؑ سے تمسک کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا اس بنا پر اگر چہ امامؑ کا قول اپنی جگہ پر خود حجت ہے لیکن اس کے باوجود یزید کے خلاف اپنے قیام کے عمل کی سند میں پیغمبرؐ کی اس حدیث کو بیان فرمایا "۔

آپ لکھتے ہیں کہ :-

"اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں قیام کرنا صرف امام حسینؑ کی ذمہ داری نہیں بلکہ ہر فرد مسلمان کی ذمہ داری ہے ۔"

آپ لکھتے ہیں کہ :-

" کیا اس دور میں ایسے افراد موجود نہیں ہیں کہ اسلام کے نام پر حکومت کر رہے ہیں اور یزید کے نقشِ قدم پر گامزن ہیں "۔

آیت اللہ محمد حسین فضل اللہ

آپ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت کے بارے میں آگاہ تھے یا نہیں ۔ اگر علم و آگاہی رکھتے ہوئے انہوں نے قیام کیا تو کیا آپؑ کا یہ اقدام عقل و شرع کے لحاظ سے جائز ہے ؟ کیا یہ اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف نہیں ؟

اس بارے میں بعض علماء کے جواب کو غیر صحیح قرار دیتے ہوئے آیت اللہ فضل اللہ لکھتے ہیں کہ کچھ علماء نے اس کا یوں جواب دیا ہے کہ " ائمہ علیہم

السلام کیلئے بعض مواقع پر خاص وظیفہ ہوتا ہے ----- خود ائمہ جانتے ہیں ----- ہمیں کیا معلوم یا امامؑ کے کاموں میں دخل دینے والے ہم کون ہوتے ہیں کہ ان کے وظیفہ اور ان کی ذمہ داری کا تعین کریں اور ان کیلئے حکمِ شرعی بیان کریں؟ وہ خود اعرف ہیں"۔

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں:

"علماء کا یہ جواب اوّل تو شافی نہیں اور قانع اور مطمئن نہیں کرتا۔ کیوں کہ اگر ہم امامؑ کے وظیفۂ شرعی کو اپنے سے جدا کریں اور ان کی تکلیفِ شرعی کو اپنی سمجھ سے بالا قرار دیں تو کسی بھی ظالم و جابر کے خلاف خطرے کی حالت میں قیام کرنے کا ہمارے لئے جواز نہیں رہتا' ایسی صورت میں قیام کا جواز ہمارے لئے مشکوک اور غیر معلوم رہتا ہے۔ کیوں کہ امامؑ ایک خاص حکم رکھتا ہے اور وہ خاص حکم ہمارے لئے نہیں۔ اس لئے اس سوال کے جواب کو ہمیں کسی اور زاویہ سے دیکھنا ہوگا۔ وہ زاویہ یہ ہے کہ کیا امام حسینؑ کا قیام بنی امیہ کے دباؤ' گھیراؤ اور محاصرہ سے متاثر ہو کر وجود میں آیا ہے؟ کیا امامؑ خود اپنی طرف سے مثبت اقدام کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے بلکہ ذاتی اور خاندانی شرافت و عزت کے دفاع کیلئے آپؑ نے قیام کیا؟ یا اس وقت کے اسلامی معاشرے میں جو حالات اور واقعات رونما ہوئے تھے 'خلیفہ کے غیر اسلامی اعمال اور امت پر ہونے والے ظلم و تشدد کو دیکھ کر امامؑ نے قیام کیا؟ اس صورت میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے جو خطرات درپیش تھے ان کو دفع کرنا اس بات پر موقوف تھا کہ امامؑ اپنے قیام کو اپنی ذاتی خصوصیات کی بنیاد پر قائم نہ کریں بلکہ وہ امت کو یہ باور کرائیں کہ جو حالات اور شرائط پیدا ہوئے اور پیش آئے ہیں وہ اسلام اور

مسلمانوں کا مسئلہ ہے اور ان حالات سے نمٹنا اور ان کو دفع کرنا قوت اور قدرت کا متقاضی ہے اس لئے اس سلسلہ میں امت کا حرکت میں آنا ضروری ہے۔لہٰذا امامؑ نے اپنے قیام و نہضت کی بنیاد اس عنوان کو قرار دیا جس میں امت اور امامؑ برابر کے شریک ہیں۔امامؑ چاہتے تھے کہ امت مسائل کو سمجھ کر اور درک کرکے آپؑ کی اطاعت کرے۔وہ عنوان ہے امربالمعروف اور نہی عن المنکر۔چنانچہ آپؑ نے مدینہ سے نکلتے ہوئے فرمایا کہ "میں امربالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے نکل رہا ہوں"۔

آپؑ نے لشکرِ حر سے فرمایا:

"جو شخص کسی ظالم و جابر سلطان کو حرامِ خدا کو حلال اور حلالِ خدا کو حرام کرتا ہوا دیکھے، سنتِ رسولؐ کی مخالفت کرتا ہوا دیکھے اور دیکھنے کے بعد قیام نہ کرے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔

امامؑ نے یہ عنوان پیش کرکے امت پر واضح کیا کہ آپؑ کا قیام شخصی اور ذاتی اقتدار کیلئے نہیں۔یہ چیلنج بنی امیہ کی طرف سے کسی ذات کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ اسلام اور مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔لہٰذا تمام امت پر فرض ہے کہ وہ قیام کرے۔

آپؑ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا:

"کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے لوگ باز نہیں آرہے"۔

(نقل از رسالہ الحسینؑ شمارہ اول ص ۱۵)

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

امام حسین علیہ السلام نے مکہ میں جو خطبہ دیا اس کی تفسیر کرتے ہوئے آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی اپنی شرح کے صفحہ ۳۸ پر فرماتے ہیں:

" اگرچہ امامؑ کے اس خطبہ سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کا یہ سفر' سفرِ شہادت ہے سفرِ حصولِ حکومت اور دنیاداری نہیں "۔

لیکن شرح کے اسی صفحہ پر وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" امامؑ کا اصل پروگرام حکومتِ اسلامی کی تشکیل کرنا نیز منافقین سے قرآن اور اسلام کو محفوظ رکھنے کے لئے ان کے ہاتھوں کو قطع کرنا تھا۔ ایسا کرنا امامؑ کا ایک حتمی وظیفہ اور ذمہ داری تھی۔ لیکن امامؑ جانتے تھے کہ یہ امر (یعنی اسلامی حکومت کی تشکیل نیز قرآن اور اسلام کو منافقین کے دستبرد سے محفوظ رکھنا) ظاہری کامیابی پر منحصر نہیں بلکہ اس مقدس ہدف تک پہنچنے کے لئے آپؑ اور آپؑ کے انصار و اعوان کے شہادت کی راہ سے گزرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں "۔

حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای

عاشورہ حسینی ہمیں جو درس دیتا ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای فرماتے ہیں:

" پہلی تعلیم جو عاشورہ حسینی دیتا ہے وہ یہ ہے کہ دین کے لئے قربانی دینا واجب ہے۔ ہم پر واجب ہے کہ کسی بھی چیز کو خاطر میں لائے بغیر قرآن کی راہ میں قیام کریں اور تمام مسلمان مرد' عورت' جوان' بوڑھے' عام و خاص غرض ہر

شخص حق کی راہ میں صف باندھ کر کھڑا ہو جائے۔ کربلا نے یہ ثابت کردیا کہ دشمن ظاہری طور پر کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو لیکن وہ جب بھی حق کے مقابلہ میں آتا ہے پاش پاش ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسیرانِ عاشورا کے بیکس و ناتوان قافلہ کے سامنے بنی امیہ (کی طاقتور حکومت) ذلیل و عاجز ہو کر رہ گئی اور کوفہ، شام اور مدینہ میں بنی امیہ کو ذلت و خواری اور خجالت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ قیامِ حسینی کے مقابلہ میں بنی امیہ کی سلطنت اپنے انجام کو پہنچی۔

عاشورا نے ہمیں یہ بھی سکھایا ہے کہ حق کی راہ میں نکلنے والے انسان کو بصیرت سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ جو لوگ بصیرت نہیں رکھتے وہ جلدی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ جیسا کہ بہت سے افراد جو دینی رسومات کے اگر چہ پابند تھے لیکن بصیرت نہ رکھنے کی وجہ سے انہوں نے دھوکہ کھایا اور دھوکہ کھا کر یزیدی لشکر میں شامل ہو گئے"۔

عاشورا حسینی کی دوسری اہم تعلیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت آیت اللہ خامنہ ای فرماتے ہیں:

"قیامِ امام حسینؑ سے دوسرا درس یہ ملتا ہے کہ امام حسینؑ نے تاریخ کے اس اہم موڑ پر اس نکتہ کو واضح کیا ہے کہ ایک فردِ مسلم پر جو وظائف، ذمہ داریاں اور مسئولیت عائد ہوتی ہے ان میں سب سے اہم امت کی قیادت اور رہبری کا مسئلہ ہے۔ آپؑ نے اس مسئلہ کو اسی طرح پیش کیا جس طرح پیش کرنا چاہئے تھا یعنی جتنی اہمیت اس مسئلہ کو ملنی چاہئے تھی۔

امتِ اسلامی میں جو خامیاں اور نقاطِ ضعف دیکھنے میں آتے ہیں وہ سب امت، قائدین اور معاشرے کی برجستہ شخصیات کے اہم اور اساسی ذمہ داریوں

کی بروقت تشخیص نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ان واجب اور اہم مسئولیت کی تشخیص نہیں کرپاتے تھے جن کے حصول کے لئے ہر قسم کی قربانی دینا چاہئے تھی۔ یہاں تک کہ اپنے فروعی مسائل میں بھی وہ اہم اور غیر اہم کی تشخیص نہیں کرتے تھے جب کہ ایک وظیفہ دوسرے وظیفہ سے چاہے وہ اصولی ہو یا فروعی 'اہمیت کے لحاظ سے ایک فرق اور امتیاز رکھتا ہے۔

امام حسینؑ نے جس وقت اپنی نہضت کا آغاز کیا اور اس وقت کے معاشرے سے قیام کے لئے کہا تو انہوں نے منفی ردِ عمل اور عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا کیوں کہ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ اس وقت قیام کرنا سوائے مشکلات و مصائب کو دعوت دینے اور جان و مال کے زیاں کے کچھ نہیں۔ ان لوگوں نے معاشرے میں ان امُور کو فوقیت اور اہمیت دی جو شریعت میں ثانوی حیثیت رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے اساسی وظیفہ اور ذمہ داری سے روگردانی کی اور اہم ترین واجبات پر عمل نہیں کیا جو ان پر واجب تھا۔ جن لوگوں نے امامؑ سے روگردانی کی وہ دین کی ظاہری رسومات اور ظاہری مسائلِ شریعہ کی پابندی کرتے تھے۔ ان لوگوں میں معاشرے کی بعض برجستہ شخصیات بھی تھیں اور وہ اپنے دینی واجبات پر عمل کرنے میں پوری طرح مستعد تھے لیکن انہوں نے نہ اپنی اساسی اور اہم شرعی مسئولیت کی تشخیص کی اور نہ ہی اپنے زمانہ کے تقاضہ کو پہچانا اور نہ دشمن کو۔ وہ لوگ اس وقت اپنے اساسی اور اہم ترین وظیفہ کو چھوڑ کر ثانوی وظائف میں مشغول رہے۔ یہی مسئلہ بالکل اسی شکل و صورت میں آج بھی ہمیں درپیش ہے"۔

(رسالۃ الثقلین 'شمارہ ۵۔ ص ۱۲)

حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ

حضرت امام خمینی فرماتے ہیں:

"امام حسین علیہ السلام نے حضرت مسلم ابن عقیل کو کوفہ بھیجا تاکہ لوگوں کو اپنی بیعت کے لئے دعوت دیں اور بنی امیہ کی فاسق حکومت کا خاتمہ کر کے مسلمانوں کے لئے اسلامی حکومت تشکیل دیں"۔

"اسلامی حکومت کا قیام منشاءِ اسلام ہے 'ائمہ اطہار' کی تمنا ہے۔ اصحابِ رسولؐ کی ہمیشہ یہ آرزو رہی کہ اسلامی حکومت قائم ہو"۔

"سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ جانتے ہوئے کہ آپؑ یزید کو اقتدار سے نہیں ہٹا سکیں گے اور شہید ہو جائیں گے' اس کی ظالم حکومت کے خلاف قیام کیا اور اس راہ میں شہید ہو گئے"

(کتاب واقعہ کربلا۔ ص ۱۳۳)

تبصرہ

ہم نے اس واقعہ کے فریقین کے نظریات کو بھی اس کتاب میں جمع کیا ہے اور ان کے نظریات کو بھی کہ جو فریق نہیں تھے۔ نیز دور اور قریب کی شخصیات کے نقطہ نظر کو بھی یہاں تحریر کیا ہے۔ یعنی اس واقعہ کے ایک فریق بنی امیہ اور ان کے حامی افراد اس سانحہ کو کیا رنگ دیتے تھے اور واقعہ کے دوسرے فریق امام حسینؑ اور ان کے حامی افراد اور اصحابِ امامؑ اپنے قیام کے کیا اہداف و مقاصد بتاتے تھے؟ واقعہ کی تفسیر و شناخت میں اس وقت ہمارے لئے جو چیز

معاون اور مددگار ثابت ہو سکتی ہے اور دلیل بن سکتی ہے وہ اس واقعہ کے بعد آنے والے جید اور برگزیدہ علماء و فقہاء اور دانشورانِ ملت ہیں۔ واقعہ کی تحقیق و جستجو کرنے والوں اور حقائق کی تہ تک پہنچنے کی جستجو کرنے والوں کی نظریں ان علماء 'فقہا اور دانشوروں پر مرکوز ہوتی ہیں کہ وہ اس واقعہ کی کیا تفسیر کرتے ہیں؟

ہم نے زیرِ نظر کتاب میں قدیم ایّام سے لے کر موجودہ دور تک کے علماء اور دانشوروں (چاہے وہ شیعہ ہوں یا اہل سنّت) کی تفسیر حتیٰ عصرِ حاضر کے ولی امرِ مسلمین حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے نظریات اور تفسیر کو بھی قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ ان تمام علماء 'فقہا اور دانشوروں کی سانحۂ کربلا کی تفسیر دو نکات پر مرتکز ہے:۔

(۱) پہلا نکتہ یہ کہ تمام شیعہ اور سنی فقہاء اور دانشور اس بات پر متفق ہیں کہ امام حسینؑ نے یزید کی حکومت کے خلاف قیام کیا تاکہ ظلم و جور کی بنیادوں کو ہلایا جاسکے اور خلافتِ اسلامیہ کو موروثی جاگیر بننے سے بچایا جائے۔

(۲) دوسرا نکتہ اس حکم کے بارے میں ہے کہ یزید کے خلاف امام حسینؑ کا قیام و خروج قرآن و سنت کی رو سے شرعاً جائز تھا یا نہیں؟ اسلام اور مسلمین کی مصلحت میں تھا یا نہیں؟ یہاں آکر ابنِ عربی 'محی الدین خطیب 'ابنِ تیمیہ اور محمد خضری جیسے چند افراد نے دیگر علماءِ اسلام سے اختلاف کرتے ہوئے امامؑ کے قیام و خروج کو غیر شرعی اور اسلام اور مسلمین کی مصلحت کے خلاف قرار دیا ہے اور اپنے فتاویٰ کی سند میں یہ لوگ ان روایات کو پیش کرتے ہیں جو بنی امیّہ نے اپنی حکومت کو بچانے کے لئے ابو ہریرہ 'سمرۃ ابن جندب 'عروۃ ابن زبیر جیسے

حدیث فروشوں سے جعل کروائیں۔ یہ لوگ ان جعلی احادیث کے مقابلہ میں فی سبیل اللہ اور فی سبیل المستضعفین جہاد کے بارے میں واضح قرآنی آیات اور مصدّقہ سینکڑوں روایات کو نظرانداز کرتے ہیں۔ ان آیات اور روایات کو نقل کرنے کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔

امام حسینؑ کے قیام و خروج کو غیر شرعی قرار دینے کے لئے اپنی سند میں یہ لوگ ان چند صحابیوں کے مشوروں کو پیش کرتے ہیں جو ان لوگوں نے امامؑ کو اس قیام سے باز رکھنے کے لئے دیئے تھے۔ صحابہ کے یہ مشورے بھی نہ عقل و منطق کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں اور نہ تاریخی حقائق سے مطابقت رکھتے ہیں۔ عبداللہ ابن عمر کہ جس کے مشورے کو یہ سند کے طور پر پیش کرتے ہیں کیا یہ وہی عبداللہ ابن عمر نہیں جو یزید کی ولیعہدی کے اعلان پر معاویہ کی مذمت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ :-

> "اے معاویہ! خلافت کے مسئلہ میں قیصرو کسریٰ کی سنّت پر مت چلو۔ باپ کے مرنے پر بیٹا اگر اس منصب کا حقدار ہوتا ہے تو سب سے زیادہ میں اس منصب کا حقدار ہوں۔"

کل تک جو یزید کی ولیعہدی کو ناجائز سمجھتا تھا اور اس ولیعہدی کے اعلان پر معاویہ کی مذمت اور اس کو تنبیہہ کرتا تھا آج کس منہ سے یزید کے خلاف قیام کو ناجائز قرار دیتا ہے؟

کیا وجہ ہے کہ ابنِ تیمیہ 'ابنِ عربی وغیرہ خدا کی راہ میں امام حسین علیہ السلام کے قیام و جہاد کو تو غیر شرعی قرار دیتے ہیں جبکہ آپؑ کا قیام آیاتِ قرآنی کے تحت فی سبیل اللہ اور فی سبیل المستضعفین تھا اور اپنے جد پیغمبرِ اکرمؐ کی سنّت

کے عین مطابق تھا۔ لیکن امامؑ کی نصرت سے منہ موڑنے اور خدا کی راہ میں جہاد سے اعراض کرنے والے عبداللہ ابن عمر کی مذمت نہیں کرتے؟ کیا عبداللہ ابن عمر قرآن اور سنّت کا زیادہ درک رکھتا تھا یا وہ حسینؑ کہ جس نے آغوشِ نبوت میں تربیت پائی اور اس گھر میں آنکھ کھولی جہاں قرآن نازل ہوا؟

ابنِ تیمیہ اور ابنِ عربی وغیرہ یہ تو کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے عبداللہ ابن عمر کا مشورہ نہ مان کر غلطی کی اور اس کے مشورہ کے خلاف قیام و خروج کیا لیکن یہ کیوں نہیں کہتے کہ عبداللہ ابن عمر نے امام حسینؑ کی دعوت کو مسترد کر کے اور ان کی نصرت سے منہ موڑ کر غلطی کی اور خدا اور رسولؐ کے فرمان کی خلاف ورزی کی۔

ہمیں ابنِ تیمیہ، ابنِ عربی اور محی الدین خطیب جیسے لوگوں سے شکایت نہیں کیونکہ ان کی اہل بیت سے دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں لیکن شکوہ ہے تو اپنے ہی ان دوستداران اور عزادارانِ حسینؑ سے ہے جن میں بہت سے خطیب و مقرر بھی ہیں جو امام حسینؑ کے تمام خطبات و ارشادات کو پس پشت ڈال کر، اصحابِ حسینؑ اور بڑے بڑے مراجعِ عظام کی آراء کو نظرانداز کر کے اور دانشور اور دیگر علماء کے خیالات سے اعراض کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے یزید کے خلاف قیام و خروج نہیں کیا کیوں کہ حکومتوں کے خلاف قیام و خروج (بقول ان کے) امامؑ کے شایانِ شان نہیں۔"۔

ہم آخر میں اپنے تمام قارئین سے التماس کرتے ہیں کہ وہ جو توانائیاں حسینؑ کے نام پر صرف کرتے ہیں انہیں حسینؑ کے اہداف و مقاصد کے فروغ پر صرف کریں۔ ابنِ تیمیہ، خضری اور ابنِ عربی کی فکر کی ترویج اور فروغ پر نہیں۔

کوفہ کے انتخاب کی وجہ

جب مکہ میں امام حسینؑ کو بنی امیہ کی سازش کی خبر ملی کہ یزید نے حاجیوں کے بھیس میں ایسے افراد کو بھیجا ہے جو دورانِ حج آپؑ کو گرفتار کرلیں گے یا قتل کردیں گے تو آپؑ نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ کرلیا اور کہا کہ مکہ سے ایک یا دو بالشت باہر قتل ہوجانا میرے لئے بہتر ہے۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ امامؑ کے لئے مکہ جائے امن نہیں رہا تھا لہٰذا آپ نے مکہ جلد از جلد چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

اس تاریخی حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد ذہن میں چند اہم سوال ابھرتے ہیں کہ اب مکہ کے بعد امامؑ کو کس طرف کا رخ کرنا چاہئے۔ آیا کوفہ کی طرف جائیں کہ جس کی خصوصیات اہلِ لغت، اہلِ اصطلاح، سیاستدان، معاشرہ شناس، اہلِ مذہب ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں کچھ اس طرح بیان کی ہیں کہ:۔

(۱)۔ اگر کسی کو زیادہ بیوفا بتانا ہو تو کوفہ کی مثال دیتے ہیں۔

(۲)۔ اگر کسی نے کسی مسئلہ میں تردّد کیا یا پلٹا کھایا تو کوفہ کی مثال دیتے ہیں۔

(۳)۔ اپنی بات پر قائم نہ رہنا 'حاکم کے خلاف بغاوت کرنا 'اہلِ کوفہ کا شیوہ بتاتے ہیں۔

(۴)۔ کہتے ہیں کہ پوری تاریخ میں اہلِ کوفہ حاکم کے خلاف بغاوت کرتے رہے 'وہ کسی سے راضی نہ ہوئے۔چنانچہ تاریخ میں وارد ہے کہ کوفہ کے فاتح اور مؤسس ابن وقاص جس نے اس شہر کو بسایا اس کے بارے میں اہلِ کوفہ نے حضرت عمر سے شکایات کی کہ سعد ابن وقاص اچھی طریقے سے نماز نہیں پڑھتا ہے۔اسکی جگہ جلیل القدر صحابی عمار یاسر کو حاکم بنایا تو عمار کی شکایت کی 'ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری کا تقرر کیا تو کہا کہ ہمیں موسیٰ کی ضرورت نہیں اسے نکال دو۔اس پر حضرت عمر نے تنگ آکر کہا کہ یہ لوگ کسی حال میں خوش نہیں۔اگر کسی قوی کو مقرر کرتا ہوں تو یہ لوگ شدت کی شکایت کرتے ہیں۔اور اگر نرم دل کا تقرر کرتا ہوں تو اسے کمزور بتا تے ہیں 'حیران ہوں کہ کیا کروں۔

(۵)۔ تنہا تاریخ نگار اور تجزیہ نگاروں نے اہلِ کوفہ کے غدر کے بارے میں بات نہیں کی بلکہ امیرالمومنین امام علی علیہ السلام کی اہلِ کوفہ سے شکایت اور ان کے غدر وبیوفائی کے بارے میں 'نہج البلاغہ بھری ہوئی ہے۔

(۶)۔ عقیلہ قریش جناب زینبؑ جب بازارِ کوفہ پہنچیں تو آپؑ نے اہلِ کوفہ کو اہلِ غدر کہہ کر مخاطب کیا اور کہا: "اے اہلِ کوفہ!تم اس بوڑھی کی مانند ہو جو دھاگا بٹتی اور توڑتی رہتی ہے۔"

(۷)۔ تنہا اہل بیت ہی اہلِ کوفہ کی بے وفائی اور غدر سے ناراض نہ تھے بلکہ بنی امیہ کے حکام بھی ان سے ناراض رہتے تھے۔ حجاج بن یوسف نے اہلِ کوفہ کو خطاب کرکے کہا "یا اہل الشقاق والنفاق"

(۸)۔ معاویہ نے مرتے وقت اپنے بیٹے یزید کو وصیت نامہ میں لکھا کہ اگر اہلِ عراق تم سے ہر روز حاکم بدلنے کے لئے کہیں تو بدل دینا کیونکہ ایک آدمی کو بدلنا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک ہزار آدمی تمہارے خلاف تلوار اٹھائیں۔

لہٰذا اہلِ کوفہ کا غدر، مکر، قلابازیاں، حکومت کے خلاف اٹھنا، سیاست میں دغابازی کی داستانیں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ چنانچہ جن افراد نے امامؑ کی خدمت میں اہلِ کوفہ کی بے وفائی، غداری اور دھوکہ بازی کی داستانیں پیش کیں انہوں نے امام علیہ السلام کی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ کیونکہ یہ سب امامؑ کا آنکھوں دیکھا ہے۔ وہ مصیبتیں جو اہلِ کوفہ کی طرف سے امامؑ نے اٹھائیں ان مصیبتوں پر شاید آنسو کبھی خشک نہ ہوں۔ کوفہ کی بے وفائی کے بارے میں امامؑ کے علمِ غیب کی باتیں کرنا کہ آپؑ وہاں کے لوگوں کی خصلت کے بارے میں جانتے تھے یا نہیں بے سود ہے۔ غیب کی بات وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی آشنا نہ ہو۔

ان تمام حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ سب تلخ باتیں، مذمت کی کہانیاں صرف اور صرف اہلِ کوفہ کے بارے میں کیوں؟ کیا یہ تمام بری باتیں صرف کوفہ کے معاشرہ میں پائی جاتی تھیں؟۔ اس بارے

میں تجزیہ اور تحلیل کرنے کے لئے ہمیں چند چیزوں سے واقف ہونا ضروری ہے

(۱)۔ کوفہ کا تاریخی پس منظر

(۲)۔ کوفہ کا اجتماعی پس منظر یعنی معاشرہ کی ترکیب یا اجتماعی تشکیل کیا تھی۔

کوفہ کا تاریخی پس منظر

جنگِ قادسیہ سے فارغ ہونے کے بعد لشکرِ اسلام نے مدائن میں قیام کیا تو وہاں کی مٹی اور آب و ہوا ان کے موافق نہیں آئی۔وہ لوگ کمزور ہونے لگے انکے چہروں کے رنگ بدل گئے۔حذیفہ یمانی نے حضرت عمر کو لکھا کہ مدائن کی مٹی، آب و ہوا کی خرابی و ناسازگاری کے سبب عربوں کے جسم خشک ہو رہے ہیں اور صحت خراب ہو رہی ہے۔حضرت عمر نے سعد ابن ابی وقاص کو خط لکھا کہ سلمان فارسی اور حذیفہ یمانی کو مامور کریں کہ وہ فوج کی سکونت کے لئے ایک ایسی جگہ تلاش کریں جو بہتر ہو لیکن ہمارے اور اس جگہ کے درمیان کوئی دریا حائل نہ ہو۔سعد ابن ابی وقاص نے ہدایت کے مطابق سلمان فارسی اور حذیفہ یمانی کو اس کام پر مامور کیا ——— یہ دونوں بزرگ تلاش کرتے کرتے کوفہ پہنچے۔دونوں حضرات نے کوفے کی سرزمین کو بہت پسند کیا اور اپنی سواریوں سے اتر کر وہاں پر نماز پڑھی اور دعا کی "یا اللہ اس مقام کو ہمارے لئے بہترین قرار دے" اس کے بعد وہ دونوں سعد ابن ابی وقاص کے پاس پہنچے، اپنی سروے رپورٹ پیش کی اور جگہ کی تعریف کی۔ان کی یہ باتیں سن کر سعد ابن ابی وقاص

محرم ۱۷ ہجری کو کوفہ اپنا مرکز بنانے کو پہنچا اور وہاں سے حضرت عمر کو خط لکھا کہ میں کوفہ آیا ہوں اور حیرہ اور فرات کے درمیان اس جگہ کو منتخب کیا ہے —— اور ہم نے لشکریوں کو اختیار دیا ہے کہ چاہیں تو وہ مدائن میں رہیں اور چاہیں تو کوفہ میں ---یہاں آتے ہی سعد ابن ابی وقاص نے ایک مسجد تعمیر کی جو آج بھی مسجد کوفہ کے نام سے معروف ہے۔

اسلام میں جن چار مساجد کی بہت اہمیت ہے ان میں کوفہ کی یہ مسجد چوتھے نمبر پر ہے 'جس کی فضیلت کتبِ فقہ "ابوابِ مسجد" میں بیان کی گئی ہے۔

(کتاب سلمان فارسیؒ۔ تالیف شیخ محمد جواد آل فقیہ ص ۱۲۷)

کوفے کے مرکز بننے کے بعد پورے جزیرہ عرب سے جنگی تربیت یافتہ افراد آکر یہیں سکونت اختیار کرتے تھے تاکہ جنگوں میں شرکت کریں۔ یہ لوگ خلیفہ کے اوامر (احکام) کے انتظار میں رہتے تھے 'اسلامی لشکر نے یہیں سے ایران اور روم پر حملہ کیا اور فتح حاصل کی 'لہذا کوفے والے خود اپنے آپ کو فاتحِ اسلام سمجھتے اور اسلام کی سربلندی کا سہرا اپنے ہی سر لیتے تھے۔

عرب کے دور دراز علاقوں کی طرح مدینہ سے بھی مہاجر و انصار کی تقریباً تین سو ستر مقتدر 'نامور اور باعزت شخصیات یہاں آکر سکونت پذیر ہوئیں۔

کوفہ کے اس نام سے موسوم ہونے کی متعدد وجوہات بیان کی جاتی ہیں مثلاً "معجم میں ہے کہ کوفہ کے درمیان میں ایک چھوٹا سا پہاڑ واقع ہے جسے "کوفان" کہا جاتا ہے اور اسی نسبت سے اس شہر کو کوفہ کہتے ہیں۔"

"بعض کا کہنا ہے کہ اسکی سرزمین میں "کوفہ" نام کا ایک سنگ ریزہ پایا جاتا ہے جس کی بناء پر یہ شہر کوفہ کے نام سے موسوم ہوا"۔

کوفہ کا اجتماعی پس منظر

۲۰ ہجری کوفہ میں رہائش پذیر فوجیوں کی تنخواہوں کے لئے کوفہ کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ یہ تقسیم محلہ یا سکونت کے لحاظ سے نہ تھی بلکہ حلف و نسبت کی بنا پر تھی اور ہر گروہ کے لئے ایک شخص کو بیت المال کی تقسیم کا رئیس بنایا گیا جس کا نام عریف رکھا گیا یہ تقسیم اس طور پر تھی:

(۱) قبیلہ کنانہ اور اس کے حلیف (ان کو اہلِ عالیہ کہا جاتا تھا)۔

(۲) قضاعا، غسان، بجیلہ، خثعم، حضر موت یہ یمنی تھے۔ ان کی سرپرستی جریر ابن عبداللہ بجلی کرتے تھے، یہ خلیفہ عمر کے قریب ترین حلقوں میں سے تھے۔

(۳) مدحج، ہمدان یہ یمانی والے تھے۔

(۴) تمیم رباب مرزیہ تھے

(۵) اسد، غطفان، محارف، نمیر یہ لوگ ربیعہ تھے۔

(۶) عیادک، عبدالقیس یہ بحرین سے تھے اور یہ لوگ فارس سے آئے تھے۔

(۷) بنی طے۔

یہ اس اجتماع کی تقسیم تھی جو جنگی اور فوجی لحاظ سے کی گئی۔ اس کے علاوہ وہاں مسلمانوں کے علاوہ یہود، نصاریٰ اور مجوس بھی آکر آباد ہوئے۔

کوفہ میں جب پہلی بار لشکرِ اسلام نے قیام کیا تو یہاں آنے والے لشکر ایک ہی قائد کے زیرِ اثر رہے وہ اپنی قومی، قبائلی، نسبی حیثیت کو اسلامی قومیت میں

فنا کیے ہوئے تھے اگرچہ وہاں ایران یا مدینہ سے آنے والے یہود تھے خود مدائن سے آنے والے نصاریٰ وغیرہ بھی تھے لیکن کوئی علیحدہ حیثیت نہ رکھتے تھے وہ بھی سب کے سب اسلامی قائد کے پرچم تلے تھے۔

کوفہ میں سردارانِ قبیلہ 'رؤسائے قوم یا کسی گروہ کا قائد کوئی بھی اپنی برتری کا حق نہیں رکھتا تھا بلکہ اس وقت ہر قبیلہ 'ہر گروہ پر برتری صرف اور صرف اسلام کو حاصل تھی اور ان کی برتری صرف اسلام کی بنیاد پر تھی۔ اور یہ صورتحال عمر کے دورِ خلافت کے اختتام تک جاری رہی ... لیکن ۲۴ ہجری میں جب حضرت عثمان نے خلافت سنبھالی تو انہوں نے وہاں کے بڑے بڑے عہدوں پر ایمان و اسلام کی بناء پر فائز حضرات کو برطرف کرکے کوفہ کے کلیدی عہدوں پر بنی امیّہ کے افراد فائز کیے جس کے نتیجہ میں وہاں کا معاشرہ بنی امیّہ اور غیر بنی امیّہ میں تقسیم ہوگیا۔

کوفہ کا اجتماعی 'سیاسی اور مذہبی پس منظر واضح ہونے کے بعد یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب مکہ اور خانۂ خدا امام حسینؑ کے لئے جائے امن نہیں رہا تو اس وقت اسلامی خطہ میں آباد شہروں میں سے کون سا شہر امامؑ کے لئے مناسب تھا کہ آپؑ اس شہر کا رخ کریں جہاں امن بھی نصیب ہو اور امامت کے فرائض بھی انجام دیے جا سکیں۔

☆ آیا مدینہ واپس چلے جائیں جہاں سے آپ اپنی جان کے درپے ماحول سے خوف کی حالت میں اس قرآنی آیت کی تلاوت کرتے ہوئے نکلے "خرج موسی منہا خائفا"۔ کیا امامؑ کا مدینہ واپس جانا ممکن تھا؟

☆ کیا شام کا رخ کریں کہ جو پورا کا پورا بنی امیّہ کے تسلط میں ہے؟

☆ کیا مصر جائیں جہاں اہل بیت کا بدترین دشمن عمرو عاص مدتوں حاکم رہا' جہاں محمد ابن ابی بکر کو بہیمانہ اور انتہائی وحشیانہ طریقہ سے شہید کیا گیا ؟۔ مصر وہ دوسرا شہر تھا جو اہل بیت کے دشمنوں سے بھرا ہوا تھا اور وہاں کے لوگ عثمانی العقیدہ تھے۔

☆ کیا یمن جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں آپؑ کے شیعہ ہیں جن کے متعلق یہ یقین نہیں کا وہ استقامت کا مظاہرہ کریں گے یا نہیں' دشمن سے مقابلہ کرنے کی قدرت وسکت رکھتے ہیں یا نہیں ۔کیونکہ یمن وہی شہر ہے جہاں بسر ابن ارطات ایک قلیل فوج کے ساتھ وارد ہوا' قتل وغارت گری کی لیکن یمن والے اپنے شہر کا دفاع نہ کر سکے۔بھلا ایسے لوگ شہر کے باہر امامؑ کا ساتھ کیوں کر دے سکیں گے ؟

☆ کیا امامؑ بصرہ جائیں جہاں کی اکثریت عثمانی العقیدہ اور اہل بیت سے منحرف لوگوں کی تھی ۔وہ بصرہ جہاں سے طلحہ اور زبیر نے حضرت علیؑ کے خلاف جنگ کا محاذ کھولا ۔علاوہ ازیں یہاں پر سمرۃ ابن جندب' زیاد ابن ابیہ اور عبید اللہ ابن زیاد جیسے بدترین دشمنانِ اہل بیت حکمران رہے اور عملی طور پر بھی بصرہ میں ابن زیاد کی حکومت تھی۔

اس کے علاوہ ان شہروں سے امامؑ کو کوئی دعوت نہیں دی گئی ۔نہ کسی خط کی صورت میں اور نہ کسی فرد کے ذریعہ ۔کیا ایسی جگہوں پر جانا عقل کے لحاظ سے مناسب ہے

مکہ سے نکلنے کے بعد پھر کوفہ ہی وہ شہر رہ جاتا ہے جو کسی اور شہر کے مقابلہ میں قیام و نہضت کیلئے مناسب ہے جس کی وجوہات حسب ذیل ہیں:

(۱) — کسی بھی حکومت کے خلاف قیام و نہضت کے لئے سب سے زیادہ مناسب موقع وہ ہو تا جب حکومت کمزور اور متزلزل ہو۔ وہ حکومت اس قیام کو کچلنے کی قدرت و طاقت نہ رکھتی ہو۔ اس وقت کوفہ میں نعمان ابن بشیر جیسا ضعیف و کمزور حاکم تھا۔ ایک طرف تو وہ نرم مزاج تھا' دوسری طرف وہ چندان یزید کے حق میں نہ تھا۔ اس کے ضعف و ناتوانی کی دلیل وہ شکایت ہے جو بنی امیّہ کے افراد نے مرکز سے کی تھی۔

(۲) — اہلِ کوفہ عرصہ سے بنی امیّہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے کی وجہ سے اکثر اس حکومت سے کراہت اور نفرت کرتے تھے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ کوفہ میں موجود علیؑ اور اولادِ علیؑ کے بدترین دشمن خوارج نے بھی امام حسینؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ کوفہ دل سے امامؑ کے خواہان تھے۔ اس کی تصدیق فرزدق اور بشیر ابن غالب کے اس جملہ سے ہوتی ہے جو انہوں نے منزلِ صفا پر امامؑ سے کہا کہ :۔ "اہلِ کوفہ کے دل آپ کے ساتھ ہیں۔"

اور یہی وجہ ہے کہ کوفے کے بہت سے بااثر لوگ بھی یزید کے ہمرکاب ہو کر امام حسینؑ سے جنگ پر بس و پیش کا شکار تھے مثلاً۔

۱۔ **شبث ابنِ ربعی**

عبید اللہ ابن زیاد نے جب محلہ نخلیہ پر کیمپ لگایا اور وہاں سے لوگوں کو امام

حسینؑ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے کربلا بھیجنا شروع کیا تو اس نے اس وقت امامؑ کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے مقتدر شخصیات کے پاس آدمی بھیجا۔ ان شخصیات میں سے ایک شخص شبث ابن ربعی تھا جس نے اپنے آپ کو مریض ظاہر کرتے ہوئے جنگ سے معذوری ظاہر کی۔ عبیداللہ نے دوبارہ پھر کسی اور آدمی کو اس کے پاس بھیجا اور اس سے کہلوایا ---- "تو بیمار نہیں ہے تو نے یہ بہانہ بنایا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو منافق تو نہیں ہو گیا"۔ اور کہا کہ تو اس آیت کا مصداق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

"جب وہ مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب منافقین سے ملتے ہیں تو ایمان لانے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں"

عبیداللہ نے اسے دھمکی دی کہ وہ فوراً اس کی اطاعت میں آجائے۔ یہ دھمکی سن کر شبث ابن ربعی رات کی تاریکی میں ابن زیاد کے پاس آیا تاکہ وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے اور آکر اس سے اپنی وفاداری کا اعلان کیا۔

(مقتلِ حسینؑ۔ عبدالرزاق مقرم۔ ص ۲۳۹ نقل از بحار الانوار)

۲۔ عمر ابن سعد

جو لوگ امامؑ سے جنگ کے لئے آمادہ نہیں تھے ان میں عمر سعد بھی شامل تھا چنانچہ جب عبیداللہ ابن زیاد نے اس کو امام حسینؑ کے خلاف جنگ کے لئے کربلا جانے کا حکم دیا تو اس نے کچھ مہلت طلب کی 'اپنے عزیز اور اقارب سے مشورہ کیا اور تمام رات سوچنے کے بعد صبح آکر ابن زیاد سے کہا کہ:

"تو میرے بجائے کسی اور شخص کو بھیج دے جو اس کام کے لئے مجھ سے زیادہ مناسب ہو"۔

یہ کہہ کر اس نے چند آدمیوں کے نام بھی تجویز کئے۔ ابن زیاد نے اس کی تجویز سن کر کہا:

"میں نے تجھ سے مشورہ طلب نہیں کیا تھا۔ تو اگر جنگ کے لئے جانا نہیں چاہتا تو "رے" کی گورنری کا پروانہ واپس کر دے"۔

عمر سعد نے جب دیکھا کہ دنیاوی اقتدار اور حسینؑ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے تو اس نے دنیاوی اقتدار کو امام حسینؑ پر ترجیح دیتے ہوئے ابن زیاد سے اپنی وفاداری کا اعلان کیا۔

عمر سعد آخری لمحات تک امام حسینؑ سے جنگ کرنے سے ڈرتا رہا۔ چنانچہ کربلا پہنچنے کے بعد اس نے امام حسینؑ سے مذاکرات کیئے اور جنگ کے بغیر مسئلہ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ صبحِ عاشور بھی جب حضرت حر ابن یزید ریاحی نے عمر سعد سے پوچھا کہ کیا "امام حسین علیہ السلام کی تجاویز تمہارے لئے قابلِ قبول نہیں"؟ تو عمر سعد نے جواب میں کہا کہ "میں کیا کروں میرا امیر نہیں مانتا۔ اگر اختیار میرے ہاتھوں میں ہوتا تو میں یہ تجاویز قبول کر لیتا۔"

(مقتلِ حسینؑ۔ عبد الرزاق مقرم۔ ص ۲۲۳ نقل از ابن اثیر ج ۴ ص ۲۲)

۳۔ نعمان ابن بشیر

نعمان ابن بشیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ یزید کے دورِ خلافت میں بھی وہ اپنی گورنری کے فرائض انجام دیتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت مسلم

ابن عقیل کوفہ پہنچے۔ کوفہ والوں نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر امام حسینؓ کے لئے بیعت کی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تمام اہلِ کوفہ کوفہ کے گورنر سے منحرف ہو کر امام حسینؓ سے اپنی عقیدت کا اظہار اور ان کی اطاعت کا کلمہ پڑھنے لگے۔ بنی امیہ سے اپنی کھلی نفرت کا اظہار کرنے لگے۔ کوفہ میں ان حالات اور نئی تبدیلی پر نعمان ابن بشیر کو تشویش ہوئی اور اس نے کوفہ کے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

> "میں تم لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ تم لوگ حالات کو برقرار رکھو، امن وامان کو تباہ نہ کرو اور اپنے امیر (یزید) کی مخالفت نہ کرو۔ جو ہم سے نہیں لڑے گا ہم اس سے نہیں لڑیں گے اور جو ہم پر حملہ نہیں کرے گا ہم بھی اس پر حملہ نہیں کریں گے"۔

نعمان ابن بشیر کی اس تقریر سے اس کی کمزوری صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

نعمان ابن بشیر کی اس کمزور تقریر پر عبداللہ ابن مسلم حزری اور عمر ابن سعد جیسے بنی امیہ نوازوں نے سخت تنقید کی کہ اس نے بنی امیہ کے خلاف اس بغاوت اور تحریک پر آواز بلند کیوں نہیں کی اور لوگوں کو دھمکی کیوں نہیں دی۔ ان لوگوں نے نعمان سے کہا:

> "تم نے جو تقریر کی اور جو نرم رویّہ اختیار کیا، یہ کمزور لوگوں کا طریقہ کار ہے جو نہ موزوں ہے اور نہ تمہارے اس (گورنری کے) عہدہ کے شایان شان"۔

اس پر نعمان نے کہا:

"میں خدا کی اطاعت میں کمزور اور مستضعف ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں بجائے اس کے کہ خدا کی معصیت میں مجھے عزت ملے"۔

(حیاتِ امام حسینؑ ج ۲ ص ۳۵۱ نقل از ابن اثیر ج ۳۔ ص ۲۶۷ ،مقتل ابی مخنف ص ۲۲)

۵۔ حر ابن یزید ریاحی

حُر لشکرِ عمر سعد کو چھوڑ کر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوا تو اس نے امامؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ:

"قسم بخدا کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں مجھے ذرہ بھر بھی یہ گمان نہ تھا کہ یہ قوم آپؑ کی ہر تجویز کو مسترد کر کے آپؑ کے قتل کے درپے ہوگی۔ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ یہ اس انتہا تک پہنچ جائیں گے تو میں ہرگز ایسا اقدام نہ کرتا اور ایسی جسارت نہ کرتا جو مجھ سے سرزد ہوئی"۔

(مقتلِ امام حسینؑ تالیف آیت اللہ سید محمد تقی بحرالعلوم۔ ص ۳۸۳)

(۳) دوسری جگہوں کی بہ نسبت تعداد کے لحاظ سے ،معرفت کے لحاظ سے ،قدرت و شجاعت کے لحاظ سے ،اجتماعی حیثیت کے لحاظ سے کوفہ میں کہیں زیادہ شیعہ رہتے تھے مثلاً ہانی ابن عروہ ، مسلم ابن عوسجہ ،حبیب ابن مظاہر ،مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی ، سلیمان ابن صرد خزاعی وغیرہ اسی شہر سے تعلق رکھتے تھے۔ یہاں کے لوگوں کے دلوں میں علیؑ اور اولادِ علیؑ کی طرف جھکاؤ کا سبب وہ

پانچ سالہ خلافتِ مولا امیرالمومنین بھی تھی جو اس شہر میں رہنے والوں کے مشاہدہ میں تھی۔

(۴) اہلِ کوفہ کی طرف سے مسلسل دعوتیں یہاں تک کہ آپؑ کے پاس بارہ ہزار خطوط جمع ہوئے۔ آپؑ کے نمائندہ جناب مسلم ابن عقیل کے ہاتھوں پچیس ہزار سے زائد افراد نے آپؑ کے دشمن سے جہاد کرنے کے لئے بیعت کی۔

کیا ایسی شرائط کوفہ کے علاوہ کسی اور شہر میں موجود تھیں تاکہ کوفہ پر اس شہر کو ترجیح دی جائے۔

کسی بھی تحریک، قیام، نہضت یا برسرِ اقتدار حکومت سے کسی شہر کے باشندوں کا تعلق دو نسبتوں سے ہوا کرتا ہے۔ ایک نسبت اس شہر کے باشندوں کا اس تحریک، قیام و نہضت یا برسرِ اقتدار حکومت سے ہمنوا اور ہم فکر ہونا ہے۔

اس نسبت کا تعلق اس شہر کے عام باشندوں سے ہے۔ کیونکہ وہی لوگ اپنی فکری ہم آہنگی سے اس تحریک کو تقویت دیتے ہیں یا حکام کو منتخب کرتے ہیں۔ جب کہ دوسری نسبت کا تعلق اس خاص عسکری گروہ سے ہے جو جنگ و جہاد اور مزاحمت کی صلاحیت رکھتا ہے اور فوجی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے۔ یہی عسکری گروہ کسی تحریک اور قیام و نہضت میں خاص کردار رکھتا ہے۔

ان نکات پر توجہ دینے کے بعد یہ حقیقت روشن ہو کر سامنے آتی ہے کہ کوفہ والوں کی دلی وابستگی اور چاہت امامؑ کے ساتھ تھی۔ لیکن یہ وابستگی اسی وقت تک تھی جب تک کوئی خوف، ہراس، سیاسی رشوتیں، قبائلی تعصب اور برسرِ اقتدار حکومت کی سختیاں درمیان میں حائل نہ ہوں۔ لیکن اگر یہ عوامل

راہ میں حائل ہو جائیں تو امامؑ کے ساتھ اس وابستگی کو باقی رکھنا مستقل مزاج افراد اور امامؑ کے خاص مخلصین کا ہی کام تھا۔ چنانچہ عبید اللہ ابن زیاد جوں ہی کوفہ میں داخل ہوا اور اس نے سخت گیری، دھونس ودباؤ اور سیاسی رشوت کا بازار گرم کیا تو خاص افراد کو چھوڑ کر کوفہ کے عوام امامؑ کے ساتھ اپنی اس وابستگی کو برقرار نہ رکھ سکے جس کا انہوں نے اظہار کیا تھا۔

ایک اور سوال کہ کوفہ کے شیعہ کہاں گئے؟

ممکن ہے کوئی کہے بلکہ کہا بھی گیا ہے کہ شیعوں نے امام حسینؑ کو دعوت دی اور انہوں نے ہی امامؑ کو شہید کیا ہے۔

جہاں تک دعوت کا مسئلہ ہے تو پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ کوفہ میں تنہا شیعہ اور موالیانِ اہل بیت ہی نہیں بلکہ دیگر قبائل اور سیاسی گروہوں نے بھی امامؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ لیکن یہ بات کہ امام حسینؑ کا قتل شیعوں نے ہی کیا غلط ہے۔ اس کے دلائل یہ ہیں:۔

- کوفہ میں رہنے والے سب کے سب شیعہ نہیں تھے، جیسا کہ کوفہ کی اجتماعی ترکیب کے بیان میں بتایا گیا ہے۔
- کربلا میں جو لشکر امامؑ کے مقابل کھڑا تھا اور جس نے اس جرم کا (یعنی قتل حسینؑ کا) ارتکاب کیا۔ وہ بنی امیہ یا خوارج میں سے تھے۔ عمر ابن سعد بھی انہیں میں سے تھا۔ شمر ابن ذالجوشن، شبث ابن ربعی، محمد ابن اشعث، حجاج ابن ابجر، عروۃ ابن قیس وغیرہ پہلے ہی سے خوارج میں سے تھے اور کوفہ کے باشندہ تھے۔
- اہلِ کوفہ جو واقعہ کربلا میں موجود تھے ان کی تقسیم دو گروہوں میں ہوتی

ہے۔ایک گروہ وہ جو امام حسینؑ کی رکاب میں ان کی نصرت کیلئے آیا اور دوسرا گروہ وہ جس نے امامؑ کو شہید کیا۔جہاں تک کوفہ میں بسنے والے شیعوں کا تعلق ہے'وہ حالات کے اثر سے تین حصوں میں بٹ گئے۔

(الف) ۔ سعادتمندوں کا گروہ جنھوں نے ان سخت حالات میں بھی اپنے آپ کو امامؑ کے لشکر میں پہنچایا۔چنانچہ امامؑ کے انصاروں میں دوسرے شہروں کی بہ نسبت اکثریت کوفہ سے تعلق رکھتی تھی۔

(ب) ۔ دوسرا گروہ حضرت مسلم کی شہادت کے بعد عبیداللہ ابن زیاد کے زندانوں میں اذیتیں جھیلتا رہا۔جن میں مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی' سلیمان ابن صرد خزاعی وغیرہ شامل ہیں۔باقر قریشی نے اپنی کتاب حیاتِ امام حسینؑ جلد ۲ صفحہ ۴۱۶ پر نقل کیا ہے کہ بارہ ہزار شیعوں کو زندانوں میں ڈالا گیا تھا۔

(ج) ۔ تیسرا گروہ کوفہ کے وہ عام شہری تھے جن کے دلوں میں ابوعبداللہ الحسین کی محبت جاگزیں تھی۔لیکن عبیداللہ ابن زیاد کی طرف سے کوفہ کی ناکہ بندی 'سخت پہرہ 'ہر آنے جانے والے پر سخت پابندی 'راہوں کے مسدود ہونے 'عبیداللہ ابن زیاد کے ظلم و تشدد اور اہل و عیال اور گھربار تباہ ہونے کے خوف سے وہ امامؑ کی نصرت کرنے سے محروم رہے۔یہ لوگ امامؑ سے اس درجہ کی ولا نہیں رکھتے تھے کہ اپنے اہل وعیال سے کنارہ کش ہوکر 'گھربار چھوڑ کر کسی انجام کی پرواہ کیے بغیر نصرتِ امامؑ کے لئے نکل پڑتے۔یا کوفہ میں کوئی انقلاب برپا کرتے۔یہ وہی لوگ تھے کہ جب سرہائے

شہدائے کربلا اور اسیرانِ آل محمد کوفہ پہنچے تو یہ حسرت و ندامت سے روتے تھے اور آہ وزاری کرتے تھے۔

شاید بعض لوگوں کو یہ جملہ پسند نہ ہو اور ان کے حلق سے نہ اترے، کہ یہ لوگ شیعہ تھے۔ یقیناً یہ لوگ شیعہ تھے اور امام حسینؑ سے محبت بھی رکھتے تھے اور اسی لئے امامؑ کی نصرت میں اپنی کوتاہی پر آنسو بہاتے تھے۔ ان لوگوں کو شیعہ کہنے میں تردد اور ہچکچاہٹ کی وجہ شاید عقیلۂ قریش ثانیٔ زہرا جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کا بازارِ کوفہ میں وہ خطبہ اور اس خطبہ کا وہ لہجہ ہو جس میں اس مظلومہ بی بی نے ان اہلِ کوفہ کی غیرت کو للکارا ہے کیوں کہ للکارا ان کی غیرت کو جاتا ہے جو اپنے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے ان لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہو کہ ثانیٔ زہرا اپنے شیعوں سے اس شدید لب و لہجہ میں خطاب نہیں کر سکتیں۔ لیکن جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا اپنے لہجہ کی اس شدت میں حق بجانب تھیں اور اس کی دو توجیہات ہو سکتی ہیں :۔

☆ اہلِ کوفہ نے امامؑ کی نصرت میں جان و مال قربان کرنے کی بیعت کی تھی لیکن انھوں نے اس سے بخل کر کے وعدہ خلافی کی جو کسی صورت میں جائز نہ تھی۔ اس لئے اہل غدر و مکر کہے جانے کے مستحق ہیں۔

☆ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ جناب زینب کبریٰؑ کا خطاب ان شیعوں سے ہو لیکن مراد اور مخاطب کوئی اور ہوں۔

لیکن بہرحال یہ لوگ شیعہ تھے۔ اور حسینؑ کی مظلومیت پر اور اپنی کوتاہی پر نوحہ کناں تھے۔ لیکن یہ کہنا کہ قاتلانِ حسینؑ شیعہ تھے غلط ہے۔ کیوں کہ :۔

☆ اگر وہ شیعہ تھے تو اہل بیتؑ کی مصیبت اور حسینؑ کی مظلومیت

پر اس وقت سے لے کر آج تک کیا بنی امیہ یا خوارج نے آنسو بہائے اور امامؑ کا ساتھ نہ دینے پر حسرت وندامت کا اظہار کیا؟

☆ اگر قاتلانِ حسینؑ شیعہ تھے تو سرہائے شہدا اور اسیرانِ کربلا کے دلخراش منظر کو دیکھ کر کوفہ کی طرح بازارِ شام میں آہ وفغاں بلند ہونے کا کوئی منظر کیوں دیکھنے میں نہیں آیا۔؟

---☆---☆---

اعتراضات

اعتراض نمبرا

قیام کا مقصد طلبِ شہادت تھا

بعض لوگ جو امام حسین علیہ السلام کے قیام کو ایک سیاسی قیام کہنے سے گریز کرتے یا ہچکچاتے ہیں، وہ اس کی چند وجوہات پیش کرتے ہیں:

نمبرا:— وہ اپنے دعویٰ کی دلیل میں ان روایات کو پیش کرتے ہیں جو پیغمبرِ اکرمؐ، امیرالمومنین امام علی اور امام حسن مجتبیٰ علیہم السلام سے وارد ہوئی ہیں۔ یعنی "امام حسین علیہ السلام سرزمینِ کربلا میں شہید کیے جائیں گے۔"

نمبر۲:— اس کے علاوہ یہ لوگ اپنی دلیل میں وہ روایات بھی پیش کرتے ہیں جو خود امام حسینؑ سے منقول ہیں جنھیں امامؑ نے مدینہ سے نکلتے وقت اور مدینہ سے نکلنے کے بعد کربلا پہنچنے تک مختلف مقامات پر اور مختلف اشخاص مثلاً ابن عباس، عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن جعفر طیار اور محمد ابن حنفیہ وغیرہ سے بیان فرمایا کہ:

"میں شہادت کی طرف بڑھ رہا ہوں۔"

نمبر۳:— اپنے نظریہ کی دلیل میں یہ لوگ امام حسین علیہ السلام کا وہ خطبہ بھی پیش کرتے ہیں جو ۸ ذی الحجہ کو آپؑ نے مکہ میں دیا جس میں آپؑ نے فرمایا کہ:

"میں شہادت کا اتنا ہی مشتاق ہوں جتنا حضرت یعقوبؑ اپنے فرزند حضرت یوسفؑ سے ملنے کے مشتاق تھے۔"

آپؑ نے فرمایا کہ:

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے جسم کو نواویس اور کربلا کے درمیان پامال کیا جائے گا۔"

نمبر۴:— امامؑ کا وہ خط بھی اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کرتے ہیں جو آپؑ نے مکہ سے نکلتے وقت بنی ہاشم کے نام لکھا تھا۔ جس میں آپؑ نے فرمایا کہ:

"جو ہم سے ملے گا وہ شہید ہو جائے گا۔ جو ہمارے قافلہ میں شریک نہیں ہو گا وہ فتح و کامرانی سے ہمکنار نہیں ہو گا۔"

نمبر۵:— یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ جب امامؑ کربلا پہنچے تو آپؑ نے فرمایا:

"یہ ہماری وعدہ گاہ شہادت ہے۔ ہمارے جوان یہاں شہید ہوں گے اور ہمارے اہل و عیال یہاں اسیر کیے جائیں گے۔"

نمبر۶:— نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شہادت خود ایک بلند درجہ اور مرتبہ ہے اور اتنی فضیلت رکھتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اور فضیلت نہیں، جیسا کہ عقیلۂ قریش جناب زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ:

"شہادت ہمارے لئے خدا کی طرف سے ایک کرامت ہے۔"

نمبر۷:۔ وہ کہتے ہیں کہ اس وقت ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ شہادت کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہا تھا۔

غرض یہ لوگ ان روایات کو جو یہ خبر دیتی ہیں کہ امامؑ شہادت کی طرف بڑھ رہے ہیں یا یہ کہ دشمن آپؑ کو شہید کر دے گا' اپنے مؤقف کے حق میں پیش کرتے ہیں۔

ان لوگوں کی منطق کی رد میں جوابات

پہلا جواب

پیغمبرِ اکرمؐ 'امیرالمومنین امام علیؑ 'امام حسن مجتبیٰؑ اور خود امام حسین علیہ السلام سے وارد مذکورہ بالہ روایات سب کتبِ مقاتل میں موجود ہیں کوئی ان سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن ان روایات میں ہمیں کہیں بھی یہ نہیں ملتا کہ:

"...امامؑ صرف اور صرف شہادت کے لئے نکل رہے ہیں۔ اور آپؑ کا مقصد فقط شہید ہونا ہے۔"

ان روایات کا مجموعی مضمون یوں ہے کہ:

"جس راہ کی طرف ہم بڑھ رہے ہیں اس راہ میں شہادت ہے۔ اور ہمارے دشمن ہمیں شہادت سے ڈرا نہیں سکتے۔ کیونکہ شہادت ہمارے لئے تلخ نہیں۔"

امامؑ جب اپنی زبانِ مبارک سے یہ فرماتے ہیں کہ "یہ لوگ جو ہمیں بلا رہے ہیں ہمیں شہید کریں گے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؑ مستقبل میں

واقع ہونے والی ایک حقیقت سے لوگوں کو آگاہ کر رہے ہیں نہ یہ کہ --- آپؑ کے قیام و خروج کا اصل محرک شہادت ہے۔

دوسرا جواب

اگر یہ مان لیا جائے کہ ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ امام حسینؑ کا واحد مقصد شہادت کے بلند درجہ پر فائز ہونا ہے اور آپؑ نہایت شوق و رغبت سے فقط اور فقط شہید ہونے کے لئے نکل رہے ہیں اور شہید ہونے کے علاوہ آپؑ کا کوئی اور مقصد ہی نہیں ---تو ذرا ایک نظر خود آپؑ کے اس جملہ پر بھی ڈالیں جو آپؑ نے لشکرِ حر سے خطاب کر کے فرمایا کہ "اگر تم میری آمد سے راضی نہیں تو میں یہیں سے واپس چلا جاوں گا"۔

عاشورہ سے پہلے عمر سعد سے مذاکرات میں بھی یہی جملہ دہرایا۔ صبحِ عاشورہ کے خطبوں میں بھی اس جملے کی تکرار کی۔

آپؑ کا یہ جملہ کوئی غیر معروف جملہ نہیں ہے۔ بلکہ اکثر کتبِ مقاتل نے امامؑ کے اس جملہ کو نقل کیا ہے۔ یہاں تک کہ امامؑ نے اس وقت بھی کہ جب آپؑ تن تنہا رہ گئے تھے، آپؑ کے تمام اصحاب اور جوانانِ بنی ہاشم شہید ہو چکے تھے یہ جملہ فرمایا کہ:

"مجھے اپنے اہل و عیال کے ساتھ یہاں سے چلے جانے دو۔"

ذرا غور کیجئے کہ اپنے سخت ترین دشمن سے یہ مطالبہ کہ "مجھے واپس چلے جانے دو۔" اور وہ بھی مکمل طور پر دشمن کے چنگل میں آجانے کے بعد حسینؑ جیسی عظیم شخصیت تو درکنار دنیا کے عام قائدین کی زبان سے بھی زیب نہیں دیتا

کہ پست ہمتی پر مبنی ایسا جملہ اپنی زبان سے نکالیں۔ دنیا کے معمولی رہبرو قائدین کہ جن کا معاد و قیامت اور فوز و کامیابی پر کوئی ایمان نہیں جب ایسی پست ہمتی کا اظہار نہیں کرسکتے تو پھر حسینؑ جیسی شخصیت سے کہ جو شہادت کو لقاء اللہ 'لقاءِ رسولؐ اور اپنی مادرِ گرامی سے ملاقات کا سبب سمجھتا ہے' کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ آخری لمحات میں ایسا جملہ اپنی زبان سے ادا کرے۔

اگر امام حسین علیہ السلام کے اس قیام و نہضت کا ہدف صرف اور صرف شہادت تھا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ پہلے تو امامؑ شہادت کی طرف اتنا شوق و رغبت سے بڑھے جیسے کوئی پیاسا پرندہ پانی کی طرف جھپٹتا ہے لیکن جب شہادت کے نزدیک پہنچے تو کیا موت کو دیکھ کر معاذ اللہ مزید زندہ رہنے کے لئے واپس جانے کی تمنا کرنے لگے؟

ایسا نہیں بلکہ یقیناً امامؑ کے سامنے شہادت سے ارفع اور عظیم کوئی اور ہدف بھی تھا جس کے حصول کے لئے آپؑ نے واپس جانے کا مطالبہ کیا۔ اگر ایسا نہیں تو کیا معاذ اللہ یہ مطالبہ خود اپنی جگہ شہادت ہی سے روگردانی کے مترادف نہیں؟

تیسرا جواب

آپؑ کے قیام و نہضت کے بارے میں جس طرح امامؑ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے یہ کلمات ملتے ہیں کہ ــــ "میں شہادت کے لئے نکل رہا ہوں" ــــ اسی طرح کتبِ تاریخ اور مقاتل میں آپ ہی کی زبان سے کچھ دوسرے اہداف و مقاصد پر مبنی بیانات بھی ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر اپنے اس وصیت نامہ میں جو

آپؑ نے محمد ابن حنفیہ کے نام لکھا آپؑ فرماتے ہیں کہ:

(۱) "میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے نکل رہا ہوں۔"

(۲) "میں امتِ جدؐ کی اصلاح کے لئے نکل رہا ہوں۔"

(۳) "میں اپنے جد پیغمبرِ اکرمؐ اور اپنے پدرِ بزرگوار علیؑ ابن ابی طالبؑ کی سیرت کو زندہ کرنے کے لئے نکل رہا ہوں۔"

(۴) کسی سے کہا کہ:

"بنی امیہ نے مجھ سے بیعت کا مطالبہ کر کے مجھے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

(۵) لشکرِ حرؑ سے فرمایا کہ:

"ان لوگوں نے حلالِ خدا کو حرام کیا ہے اور حرامِ خدا کو حلال کیا ہے' بندگانِ خدا پر ظلم و ستم ڈھائے ہیں اس لئے میں ان کا سدباب کرنے کے لئے نکل رہا ہوں۔"

(۶) کبھی فرمایا کہ:

"اہلِ کوفہ نے مجھے دعوت دی ہے۔ میں ان کی دعوت پر نکل رہا ہوں۔"

چوتھا جواب

شہادت ایک عمومی اصطلاح نہیں ہے بلکہ ایک شرعی اصطلاح ہے۔ شریعت میں ہر اس شخص کو شہید نہیں کہا جاتا جو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بلکہ بے مقصد جان کو ہلاکت میں ڈالنے والوں کو شریعت نے یہ کہہ کر روکا ہے کہ: "بے مقصد اپنے نفس کو ہلاکت میں مت ڈالو۔"

اسی لئے شریعت نے جان و مال کو خطرہ کی صورت میں "تقیہ" واجب قرار دیا

ہے اور تقیہ نہ کرنے والوں کو دین سے خارج قرار دیا ہے۔ لہٰذا شریعت ہر اس شخص کو شہید قرار نہیں دیتی جو بے مقصد خود کو خطرات کے طوفان میں ڈالے اور مر جائے۔

اس سے واضح ہے کہ شہادت مطلقاً مطلوب و مقصودِ الٰہی نہیں ہے۔

تاریخِ اسلام میں شہداء کی فہرست بہت طویل ہے۔ ایک جنگ میں شہید ہونے والوں کو جو فضیلت حاصل ہے دوسری جنگ میں شہید ہونے والوں کو وہ فضیلت حاصل نہیں۔ مثلاً جنگِ بدر میں شہید ہونے والوں کی شان میں جو فضیلت وارد ہوئی ہے دوسری جنگوں میں شہید ہونے والوں کے لئے اتنی فضیلت وارد نہیں ہوئی۔

جنگِ احد میں شہید ہونے والوں میں سب سے زیادہ فضیلت امیر حمزہؓ کو دی گئی اور انہیں سید الشہداء کا لقب ملا۔

کربلا میں شہید ہونے والے شہداء تمام شہداء پر فضیلت رکھتے ہیں ' جب کہ حضرت عباسؑ کو (جیسا کہ امام علیؑ ابن الحسینؑ سید سجاد نے فرمایا) شہادت کا جو درجہ ملا اس پر گزشتہ اور آئندہ شہداء سب رشک کرتے ہیں۔ لیکن تاریخِ شہداء میں تمام شہداء کے آقا و سردار حضرت امام حسین علیہ السلام ہی کو سید الشہداء کا لقب ملا۔ اور آپؑ ہی گزشتہ اور آئندہ شہداء کے سردار ہیں۔

چنانچہ شہادت بذاتِ خود اگر ایک ہدف اور مقصد ہوتا تو شہادت کے درجات میں یہ فرق کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ سب ہی شہادت کے درجہ پر فائض ہوئے۔

شہادت کا لفظ جب بھی استعمال کیا جاتا ہے تو کسی سبب اور مقصد کے لئے۔

مثلاً اردو زبان میں ہم کہتے ہیں کہ —— شہید راہِ آزادی یا فارسی میں شہید راہِ استقلال یعنی وہ جو آزادی کی راہ میں شہید ہوا۔

یا عربی زبان میں کہتے ہیں

شهادة فى سبيل الله

یعنی اللہ کی راہ میں شہادت

شهادة فى سبيل المستضعفين

یعنی مستضعفین کی راہ میں شہادت

شهادة فى سبيل الحرية

یعنی آزادی کی راہ میں شہادت

لہٰذا شہادت بذاتہٖ — ایک ذریعہ، ایک واسطہ اور ایک منزل ہے، نہ یہ کہ منزلِ مقصود۔

سورہ توبہ کی آیت ۵۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ:

"آپؐ ان کافروں سے کہدیں کہ تم ہمارے لئے دو نیکیوں میں سے ایک نیکی کا انتظار کر رہے ہو۔ یا ہم تم پر غالب آکر تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے اور تمہارے بتوں کو پاش پاش کر دیں گے یا ہم راہِ خدا میں جام شہادت نوش کریں گے۔ ہم بھی تمہارے بارے میں دو چیزوں میں سے ایک کا انتظار کر رہے ہیں یا تو خداوندعالم قیامت کے روز تمہیں اپنی طرف سے دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا یا تم ہمارے ہی ہاتھوں اس دنیا میں اپنے انجام کو پہنچو گے۔"

اس آیت میں جنگ کا ہدف اور مومنین کا مقصد دو چیزوں کو بتایا گیا ہے:

★ اسی کی راہ میں قیام کرتے ہوئے جوار اور قربِ پروردگار، نعمتِ ابدی اور رضائے الٰہی سے ہمکنار ہونا۔

★ دشمن پر غالب آکر اس کی طلسی طاقت کو توڑنا اور انسانی معاشرے کو انسان کی بالا دستیوں سے پاک کر کے حکومتِ الٰہی کو قائم کرنا۔

یعنی یہ دونوں ہی مومنین کی منزلیں ہیں۔ لیکن دوسری منزل (یعنی شہادت) پہلی منزل کی راہ میں واقع ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کو سامنے رکھنے کے بعد صدرِ اسلام میں اس منزل کی طرف بڑھنے والوں کے تین گروہ ہیں:

۱ — پہلے گروہ میں حضرت امیر حمزہ، مصعب ابن عمر وغیرہ جیسی ہستیاں ہیں جو پیغمبرِ اکرمؐ کی پہلی جنگوں میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۲ — دوسرے گروہ میں وہ ہستیاں ہیں جو تمام جنگوں میں سرزمینِ حجاز میں حکومتِ الٰہی کو آب و تاب سے نافذ کرنے میں کامیاب ہوئیں اور کفار سے جنگ کے بعد منحرفین سے بھی جنگ کرتے ہوئے حکومتِ الٰہی کے استحکام کے دوران جامِ شہادت نوش کیا۔ ان ہستیوں میں امیرالمومنین امام علی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس بھی شامل ہے۔

۳ — تیسرے گروہ میں وہ ہستی ہے کہ جس کی قیادت و رہبری میں تمام جنگیں ہوئیں، تاریخِ انسانی میں جس نے ایک بے مثال

حکومت قائم کی لیکن دنیا سے رخصت ہوتے وقت شہید ہوئے بغیر لقاء اللہ سے پیوست ہوئے۔ یہ عظیم ہستی خود پیغمبرِ ختمی مرتبتؐ کی ذات ہے۔

اب بھلا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ شہادت ہی وہ آخری منزل ہے جس سے ارفع اور عظیم کوئی منزل نہیں۔؟ اگر کہہ سکتا ہے تو کیا وہ یہ کہنے کی جرأت کرے گا کہ کوئی ہستی پیغمبرِ ختمی مرتبتؐ کی ذات سے بھی معاذ اللہ بڑھ کر ہے۔؟ کیونکہ پیغمبرؐ تو درجہ شہادت پر فائز نہیں ہوئے۔

لہٰذا حسبِ آیاتِ قرآنی، حسبِ روایاتِ وارده اور حسبِ سیرتِ انبیاءؑ اور ائمہ اطہارؑ شہادت اس منزل کا نام ہے جہاں انبیاء اور اولیاء علیہم السلام قیامِ حکومتِ الٰہی کی راہ میں اپنی جان سپردِ الٰہی کرتے ہیں۔ چنانچہ "شہادت" حکومتِ الٰہی کے قیام کے لئے ایک واسطہ ہے اور رضائے الٰہی سے آگے کوئی اور درجہ نہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ:

"رضوان من اللہ اکبر"

امام حسین علیہ السلام نے اپنی اس نہضت میں شہادت کو ہمیشہ دوسرے درجہ پر رکھا۔

چنانچہ مدینہ سے نکلتے وقت امام حسینؑ نے جو وصیت نامہ اپنے بھائی محمد ابن حنفیہ کے نام لکھا اس میں آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"میں امر بالمعروف و نہی از منکر کرنے اور اپنے جد محمد مصطفیؐ اور پدرِ بزرگوار علی مرتضیٰؑ کی سیرت کو زندہ کرنے کے لئے نکل رہا ہوں۔ اگر کسی نے میری اس بات کو قبول کیا تو گویا اس نے خدا کی

راہ کو اختیار کیا۔ اور اگر کسی نے میری بات کو قبول نہیں کیا تو میں صبر کروں گا اور صبر واستقامت سے اپنے مشن کو آگے بڑھاؤں گا یہاں تک کہ خداوندعالم میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے۔"

اسی طرح راستہ میں جب امامؑ کی ملاقات فرزدق سے ہوئی تو آپؑ نے اس سے فرمایا کہ:

قضائے الٰہی اگر ہماری مرضی کے مطابق ہوئی تو یہ خداوندعالم کی ایک نعمت ہوگی اور ہم اس کی نعمت کے شکرگزار ہیں' وہ ہماری مدد فرمائے گا۔

اور اگر حوادثِ زمانہ اور حالات ہمارے اور ہمارے ہدف کے درمیان حائل ہوئے اور امور اگر ہماری آرزوؤں کے مطابق طے نہیں ہوئے تب بھی جس کی نیت حق پر ہو اور تقویٰ جس کا وطیرہ ہو وہ جادۂ مستقیم سے کبھی منحرف نہیں ہوتا۔"

اسی طرح کربلا میں صبحِ عاشور اپنے دوسرے خطبہ میں امامؑ نے چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یوں ہے:

"اگر ہم اپنے دشمن پر غالب آئے تو ہم پہلے بھی اپنے دشمنوں پر غالب آتے رہے ہیں اور اگر ہمیں شکست ہوئی تو ہم اسے شکست نہیں سمجھیں گے بلکہ وہ ایک حادثہ ہوگا۔"

چنانچہ امامؑ کے ان تمام کلمات سے یہ بات واضح ہے کہ آپؑ کے پیشِ نظر اپنے اس قیام و نہضت کے دونوں پہلو تھے۔ یعنی:

اپنے ہدف کے حصول میں کامیابی' ورنہ

دوسری صورت میں 'شہادت

یعنی آپؑ نے شہادت کو دوسرے درجہ پر رکھا۔

امامؑ کا شہادت کے لئے شوق و رغبت کے بارہا اظہار کا فلسفہ

اپنی تحریک کے دوران امام حسین علیہ السلام باربار شہادت کی طرف اپنے شوق و رغبت کا اظہار فرماتے تھے۔ اس کی چند وجوہات ہیں۔

۱۔ اپنے باپ کی سیرت اور وصیت کے تحت یزید کی ہر ممکن یہ کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح امام حسینؑ کو شہید کردے اور اس قتل کی ذمہ داری بھی اس پر عائد نہ ہو۔ چنانچہ اس نے جب ولید کو خط لکھا کہ امام حسینؑ سے اس کے لئے بیعت طلب کرے تو اس خط کے ہمراہ ایک غیر رسمی پرچہ بھی علیحدہ سے تحریر کردیا کہ اگر امامؑ بیعت سے انکار کریں تو ان کو قتل کردے۔ مقصد یہ تھا کہ امام حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری سے یزید اپنا دامن بچالے اور ذمہ داری ولید پر عائد ہو۔ اس کے علاوہ اس نے مسلح افراد کو حاجیوں کے بھیس میں مکہ بھیجا تاکہ ان کے ذریعہ خاموشی سے امامؑ کو شہید کرادے اور یہ نہ معلوم ہوسکے کہ حسینؑ کا قاتل کون ہے۔ امام حسین علیہ السلام اس کے ان ناپاک ارادوں کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپؑ نے یزید کے ان ناپاک اور مذموم عزائم کو خاک میں ملانے کا عزم کرلیا اور ہر موقع پر امت کو اپنے ہنگامی قتل کے خطرے سے آگاہ فرماتے رہے اور وقتاً فوقتاً قاتلوں کی نشان دہی کرتے رہے کہ میرے قتل کے ذمہ دار بنی امیہ ہونگے۔ چنانچہ ایک جگہ آپؑ نے فرمایا کہ:۔

"یہ باغی قوم مجھے قتل کرے گی خواہ میں حشرات الارض کے کسی
سوراخ میں بھی چھپ جاؤں۔"

(حیاتِ امام حسینؑ۔ جلد ۳۔ ص ۶۵)

۲۔ جب بھی آپؑ کا کوئی حامی اور خیر خواہ آپؑ کو آپؑ کے قتل کے خطرہ سے خبردار کرتا تھا تو آپؑ اپنی شہادت کی خبر دے کر فرماتے تھے کہ میں اس پیش آمد سے اچھی طرح واقف ہوں۔ چنانچہ ام سلمہ نے آپؑ نے کہا کہ:۔

"میں نے آپؑ کے جد سے سنا ہے کہ میرا یہ فرزند حسینؑ عراق میں قتل کیا جائے گا اور اس سرزمین کا نام کربلا ہے۔" تو امامؑ نے فرمایا کہ "یا اماہ! میں بھی جانتا ہوں کہ مجھے قتل کیا جائے گا۔"

(مقتلِ حسینؑ۔ بحرالعلوم۔ ص ۱۳۰)

۳۔ آپؑ کے دشمن جب آپؑ کو دھمکی دیتے کہ اگر آپؑ یزید کی بیعت نہیں کریں گے تو آپؑ کو قتل کر دیا جائے گا تو آپؑ اپنی شہادت کی خبر دیتے ہوئے فرماتے کہ قتل کی دھمکی مجھے میری راہ اور میرے ہدف سے نہیں ہٹا سکتی۔ جیسا کہ مروان اور عمر ابن سعید اشدق کو آپؑ نے جواب دیا۔ اس کے علاوہ جو خطبہ آپؑ نے مکہ میں دیا اس میں فرمایا کہ:۔

"راہِ خدا میں شہید ہو جانا میرے لئے کوئی ناگوار امر نہیں ہے۔
میں شہادت کو سعادت سمجھتا ہوں اور شہادت کا اتنا شوق رکھتا ہوں جتنا یعقوبؑ کو اپنے فرزند یوسفؑ سے ملنے کا شوق اور تمنا تھی۔"

اعتراض نمبر۲

اہل و عیال کو ہمراہ لے جانا

امام حسینؑ کے قیام کو حصولِ خلافت کے منافی سمجھنے والوں کی ایک دلیل یہ ہوتی ہے کہ اگر ایسا تھا تو امامؑ اپنے اہل و عیال کو کیوں ہمراہ لائے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ اپنا اعتراض یوں پیش کرتے ہیں:۔

نمبر۱ ــــ "اگر امام حسینؑ خلافت و حکومت کے حصول کے لئے نکلتے تو اپنے اہلِ حرم کو اپنے ہمراہ نہ لے جاتے کیونکہ اس صورت میں یزید سے تصادم لازمی اور بدیہی تھا۔ چنانچہ کوئی بھی عاقل شخص جنگ اور تصادم کی صورت میں خود کو تو خطرات میں ڈالنا گوارا کر سکتا ہے لیکن کبھی بھی اپنے اہل و عیال کو کہ جو دفاع کی قوت نہیں رکھتے خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا آپؑ حصولِ خلافت کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ صرف شہادت کے لئے میدان میں آئے تھے۔"

نمبر۲ ــــ "اپنے موقف کی تائید میں دلیل کے طور پر یہ لوگ فیلسوفِ شرق علامہ اقبال کے اس شعر کو پیش کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی اپنے اس سفر سے غرض اگر حصولِ خلافت ہوتی تو آپؑ اپنے اہل و عیال کو اپنے ہمراہ نہ لے جاتے۔

مدعایش سلطنت بودے اگر   خود نہ کردی با چنین ساماں سفر

جواب

ہم یہاں اس اعتراض کا جواب نکتہ وار عرض کرتے ہیں۔

● جہاں تک شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے اشعار کا تعلق ہے تو یہ بات ذہن نشین رہنا چاہئے کہ کسی شاعر کا قول خواہ وہ کتنا ہی بڑا شاعر کیوں نہ ہو معصومؑ کے کسی عمل یا اقدام کے ثبوت و اثبات کے لئے دلیل قرار نہیں پا سکتا۔

● بالفرض محال اگر اس دلیل کو کلیہ کے طور پر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ انسان کبھی بھی اپنے اہل و عیال کو خطرات کے موقع پر ساتھ نہیں لے جاتا اور اسی بناء پر یہ مان لیا جائے کہ امامؑ حصولِ خلافت کے لئے نہیں بلکہ طلبِ شہادت کے لئے نکلے تھے تو پھر تو امامؑ کو ان حضرات کی منطق کے مطابق اپنے اہل و عیال کو ہرگز ہرگز اپنے ہمراہ نہیں لے جانا چاہئے تھا۔ کیوں کہ جنگ کی صورت میں پھر بھی بچ جانے اور غالب آجانے کے امکانات ہوتے ہیں لیکن جہاں شہادت ایک یقینی امر ہو وہاں تو اپنے بال بچوں کو لے جانا صریحی اور جان بوجھ کر ان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

● بات دراصل یہ ہے کہ اسلامی جنگوں کی تاریخ ان لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اسلامی جنگوں میں عورتوں کو محاذِ جنگ پر لے جانا معمول تھا۔ پیغمبرِ اکرمؐ اور امیرالمومنین امام علیؑ نے جو جنگیں لڑیں (کفر و ایمان کے درمیان جنگیں تھیں) ان میں خود حضرت علیؑ کی بیویاں، بہنیں اور اہل و عیال محاذ کے پیچھے جنگوں میں ہمراہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ ——

(الف) — خود پیغمبرِ اکرمؐ کی دختر جناب زہرا سلام اللہ علیہا جنگِ احد میں پیغمبرؐ کے ہمراہ تھیں اور جب آپؐ زخمی ہوئے تو حضرت علیؑ پانی ڈال رہے تھے اور جناب زہراؑ آپؐ کے زخموں کو دھوتی جاتی تھیں۔

(ب) — اسی طرح جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کے اصحاب کی ازواج اور اہل

و عیال ان کے ہمراہ تھے۔ صلحِ امام حسنؑ کے بعد ان خواتین میں کہ جو جنگِ صفین میں محاذ کے پیچھے جنگ میں ہمراہ تھیں بعض کو حوادثِ روزگار کے نتیجہ میں شام جانا پڑا اور بعض کو معاویہ نے عراق میں اپنے گورنر کے ذریعہ شام بلوایا۔ چنانچہ ان مومنات میں سے چند کے نام یہ ہیں:

☆ زرقاء بنت عدی

☆ ام الخیر بنت حریش البارقیہ

☆ سودہ بنت عمارہ

☆ ام البرا بنت صفوان

☆ بکارہ ھلالیہ

☆ عکرشہ بنت الحرش

یہ خواتین جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کے لشکر کو جوش دلانے کے لئے اشعار پڑھتی تھیں۔ چنانچہ شام میں معاویہ نے ان خواتین سے یہ کہا کہ جنگِ صفین میں جو اشعار تم پڑھتی تھیں اب مجھے سناؤ۔ یہ کہہ کر معاویہ ان کے زخموں پر نمک چھڑکنا اور ان کے دلوں کو مجروح کرنا چاہتا تھا۔

(حیاتِ امام حسنؑ۔ جلد ۲، ص ۳۹۶)

لہٰذا جنگ میں اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے جانا اگر غیر معمولی عمل ہوتا تو یقیناً مولائے متقیان امام علی علیہ السلام اپنے اصحاب کو منع کرتے اور ہدایت کرتے کہ ایسے موقعوں پر اپنے اہل و عیال کو ساتھ رکھنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ ہمارے ائمۂ اطہارؑ کے نزدیک خود اپنے اہل و عیال کا تحفظ اور اپنے اصحاب کے اہل و عیال کا تحفظ مساویانہ اہمیت کا حامل ہے۔

(ج) ــــ طلحہ، زبیر اور حضرت عائشہ نے خونِ عثمان کے انتقام کے بہانے بصرہ میں حضرت علیؑ کی حکومت کے خلاف بغاوت شروع کی۔ حضرت علیؑ کو جب اس کی خبر ملی تو آپؑ اس بغاوت کو کچلنے کے لئے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے جبکہ آپؑ کے ہمراہ آپؑ کے اہل و عیال بھی تھے۔

(د) ــــ امام حسین علیہ السلام کے اہلِ حرم کو اپنے ساتھ لے جانے کی وجوہات میں سے چند اسباب یہ ہیں:

★ امامؑ اپنے اہل بیتؑ کو اپنے جد پیغمبرِ اکرمؐ اور پدرِ بزرگوار حضرت علی مرتضیٰؑ کی امانت سمجھتے تھے۔

چنانچہ آپؑ نے فرمایا کہ:

"یہ میرے پاس امانت ہیں اور مجھے آخری دم تک ان کا تحفظ کرنا ہے۔"

★ خود آپؑ کے اہل بیتؑ آپ سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے۔

★ کوئی بھی مدبر، حکیم و دانا اور سیاستدار جب کسی دشمن سے نبرد آزما ہوتا ہے تو اس کی مسئولیت صرف اسی حد تک نہیں ہوتی ہے کہ وہ صرف اسلحہ اور افرادی قوت کے بھروسہ پر آنکھیں بند کر کے میدان میں وارد ہو جائے بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ دشمن کی طرف سے جس جس سمت سے خطرہ کا امکان ہو ان سب کا سدباب کر کے دشمن کے مقابلے میں آئے۔ یہ دانشمندی نہیں ہے کہ ایک محاذ پر تو دشمن سے جنگ لڑے اور دوسرے محاذوں

کے دروازے دشمن کے لئے کھلے چھوڑ دے۔

شبِ عاشور جب امامؑ کے ساتھ قلیل افراد تھے اور آپؑ کے مقابل تیس ہزار کا لشکر تھا اور شہادت یقینی تھی۔ آپؑ نے اپنے اصحاب کو ہدایت کی کہ وہ خیموں کے پیچھے خندقیں کھودیں تاکہ دشمن ادھر سے حملہ نہ کرسکے۔ یہی نہیں بلکہ شبِ عاشور امامؑ خود ایک مرتبہ خیمہ سے باہر نکلے۔ ہلال ابن نافع نے دیکھا تو وہ آپؑ کے پیچھے پیچھے چلا۔ ایک مرتبہ امامؑ نے پلٹ کر دیکھا اور ہلال سے پوچھا کہ تم کیوں نکلے۔ ہلال نے جواب دیا کہ آپؑ کو تنہا دیکھ کر آپؑ کی حفاظت کے لئے نکلا ہوں کہ کہیں دشمن آپؑ کو اکیلا دیکھ کر آپؑ پر حملہ نہ کردے۔ اس کے بعد ہلال نے امامؑ سے سوال کیا:

"کس بناء پر آپؑ یوں بے وقت باہر آئے ہیں؟"

امامؑ نے جواب دیا کہ میں اس لئے نکلا ہوں کہ اطمینان کرلوں کہ کہیں دشمن پشتِ خیمہ سے ہم پر حملہ نہ کردے۔ چنانچہ امامؑ اس آخری وقت میں بھی جب کہ زندہ بچنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہ گیا تھا ممکنہ حفاظتی تدابیر سے آنکھیں بند نہیں کئے ہوئے تھے۔ تو بھلا کیوں کر ممکن ہے کہ آپؑ اپنے قیام کے آغاز میں اپنے اہلِ حرم کے تحفظ سے غافل ہوتے۔

چنانچہ جب امام حسین علیہ السلام نے اپنی نہضت کا آغاز کیا تو پہلے ہی دن سے آپؑ اپنے دشمن کی تمام سازشوں پر نظر رکھے ہوئے تھے اور ہر خطرہ کا جائزہ لے چکے تھے اور آپؑ نے اس کے انسداد کا اہتمام کرلیا تھا۔

امام حسین علیہ السلام نے جب اپنی نہضت کا آغاز فرمایا تو اس وقت ایک خطرہ یہ تھا کہ اگر آپؑ اپنے اہلِ حرم کو مدینہ یا مکہ میں تنہا چھوڑ کر نکلتے تو ہو سکتا تھا کہ یزید اور اس کے کارندے آپؑ کے اہل و عیال کو اسیر کر لیتے تاکہ امامؑ مجبور ہو کر یا تو اپنے قیام و نہضت سے دستبردار ہو جائیں یا اپنے اہل وعیال کو یزید کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے خود کو یزید کے سپرد کر دیں اور ایسا کرنا یزید سے کچھ بعید بھی نہیں تھا اس لئے کہ بنی امیہ کی حکومت کی طرف سے ایسی قبیح اور مذموم حرکات یزید کے باپ کے دور میں امامؑ خود دیکھ چکے تھے۔ جیساکہ تاریخ میں ملتا ہے کہ جب معاویہ نے امیرالمومنین امام علی علیہ السلام کے اصحاب کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا تو یہ نوبت صحابیٔ رسولؐ عمر ابن حمق تک پہنچی۔ عمر ابن حمق کو جب یہ خبر ملی کہ معاویہ ان کے درپے ہے تو انہوں نے فرار اختیار کیا۔ عمر ابن حمق جب ہاتھ نہیں آئے تو معاویہ نے ان کی مومنہ بیوی کو دمشق بلوا کر وہاں قید کر دیا۔

(حیاتِ امام حسینؑ جلد ۲۔ ص ۲۷۷)

چنانچہ اپنے مقدّس قیام و نہضت کو آخری دم تک یزید اور اس کی حکومت کے ناپاک عزائم اور مکروہ سازشوں سے محفوظ رکھنے کے لئے امام حسین علیہ السلام پہلے ہی دن سے اپنے اہلِ حرم کو ساتھ لے کر نکلے۔

★ ایک اور وجہ یہ ہے کہ امام حسینؑ کو یہ احتمال بھی تھا کہ آپؑ شہید ہو جائیں گے۔ جیساکہ بارہا آپؑ اس کی خبر بھی دیتے رہے تھے اور آپؑ یہ بھی جانتے تھے کہ یزید آپؑ کو شہید کرنے کے بعد اپنے اس گھناؤنے جرم پر اور ان مظالم پر پردہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا جو اس نے آپ پر روا رکھے۔

چنانچہ امامؑ کا اپنے اہلِ حرم کو اپنے ہمراہ لے جانا انہیں سازشوں کو ناکام اور بے نقاب کرنے کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امامؑ اچھی طرح جانتے تھے کہ دشمن وہ تمام مظالم آپؑ پر ڈھائیں گے کہ جن سے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں، وہ آپؑ کو شہید بھی کریں گے۔ اور اپنے جرم کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش بھی کریں گے تاکہ امامؑ کا پیغام اور آپؑ کا مشن دب کر رہ جائے۔ امامؑ جانتے تھے کہ دشمن آپؑ کی اس عظیم قربانی اور شہادت کو اس حد تک خفیف اور غیر اہم بنانے کی کوشش کرے گا کہ نہ ظلم کی داستان لوگوں کے کانوں تک پہنچ سکے اور نہ مظلوم کی صدا۔ بس بہت سے بہت لوگ صرف اس قدر جان سکیں کہ حسین علیہ السلام کو کربلا میں قتل کیا گیا۔ لہٰذا اپنی شہادت، اپنے اوپر گزرے ہوئے مظالم اور جس راہ میں آپؑ نے شہادت پائی ان اہداف و مقاصد کو کربلا سے باہر عام کرنے اور ان کی تشہیر کے لئے امامؑ کو ایسے ترجمانوں کی ضرورت تھی جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ان مظالم کو دیکھا بھی ہو اور جو آپؑ کے اہداف سے مکمل آگاہی بھی رکھتے ہوں۔ چنانچہ ایسے ترجمان خود آپؑ کے اہل بیتؑ سے بہتر کوئی اور نہیں تھے کہ جو نہ صرف ان مظالم کے گواہ تھے بلکہ خود بھی اس ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور جو نہ صرف آپؑ کے مقدّس اہداف سے آگاہ تھے بلکہ خود آپؑ کے شریک کار تھے۔ اس مقصد کے لئے آپؑ کے اہل بیتؑ کے علاوہ اگر کوئی اور ہوتا تو ممکن تھا وہ مال کے طمع و لالچ میں یا خوف اور دھمکی سے مرعوب ہو کر مشکلات کے مقابلہ میں استقامت نہ دکھا پاتا اور امامؑ کی تحریک ناکام ہو جاتی۔

گویا امامؑ اپنے اہل بیتؑ کو ہمراہ لے جا کر اپنی شہادت کے بعد اپنی تحریک کے دوسرے مرحلہ کو شروع کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا امامؑ نے اہل بیتؑ کو اپنے ساتھ لیا

اور اہل بیتؑ کو ساتھ لے جانے کے فلسفہ کو حتیٰ آپؑ نے اپنے عزیز ترین افراد سے بھی چھپا کر رکھا تاکہ بے احتیاطی کی وجہ سے کسی وقت یہ راز فاش نہ ہو جائے اور دشمن اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا سدباب کر دے۔

اعتراض نمبر۳

قیام کے لئے طاقت و قدرت کا لزوم

"قیامِ امام حسین علیہ السلام کو حصولِ خلافت و حکومت کے خلاف سمجھنے والے افراد اس سلسلہ میں ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ

"کوئی بھی شخص اگر کسی طاقتور و قدرتمند شخص سے حکومت و سلطنت چھیننا چاہے تو اس کے لئے اس کے پاس مناسب افرادی قوت و دیگر وسائلِ جنگ وافر مقدار میں ہونا ضروری ہیں —— طاقت اور وسائل کے بغیر قیام کرنا اور کسی بڑے طاقتور و قدرتمند حاکم کی مزاحمت کرنا، اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ عقل و شرع کتاب و سنت کی رو سے ایسے قیام کی مذمت کی گئی ہے۔

لہٰذا اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد جب ہم قیامِ امام حسینؑ پر نظر کرتے ہیں تو امام حسینؑ کے پاس نہ تو وسائلِ جنگ موجود تھے نا ہی قدرت و طاقت تھی —— جبکہ یزید کے پاس وسائل کی بہتات تھی، پورے خطۂ عرب میں اس کی حکومت تھی، خزانہ اس کے ہاتھوں میں تھا، افرادی قوت اس کے پاس تھی۔

ان تمام عوامل و حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا کہ امام حسینؑ نے اس لئے

یزید کے خلاف قیام کیا کہ خلافت کو اس کے چنگل سے آزاد کرائیں' ایک غلط مفروضہ ہے ---- اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کوفہ میں پچیس ہزار مسلح افراد آپ کے ہمرکاب ہو کر یزید کے خلاف جنگ کرنے کو آمادہ تھے' پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ اس وقت کی اجتماعی وسیاسی شخصیات اہلِ کوفہ کے اس وعدے پر اعتماد نہیں کرتی تھیں۔ امام حسینؑ کو ان پر ظاہری طور پر اعتماد تھا یا شرعی نقطہ نظر سے ان پر حسنِ ظن کر کے امامؑ ان کی طرف نکلے ----- لیکن منزلِ ثعلبیہ پر پہنچنے کے بعد جب آپؑ کو حضرت مسلم اور ہانی کی شہادت نیز کوفہ والوں کی بے وفائی کی خبر ملی تو امامؑ کی یہ امید بھی ختم ہو چکی تھی ----- مزید برآں وہاں سے آگے بڑھنے پر جب حر ابن یزید ریاحی کی سربراہی میں ایک ہزار کے لشکر نے آپ کو کوفہ جانے سے روک دیا تو یہ امید اور احتمال بالکل ختم اور نقش برآب ہو گیا تھا اور اب یزید کا مقابلہ کر کے اسے سلطنتِ اسلامیہ سے ہٹانے کے سلسلے میں کوئی آس نہ رہی تھی ------ اس کے بعد جب آپ کربلا پہنچے' ہر دن کوفہ سے ہزاروں کی تعداد میں یزیدی لشکر کربلا میں جمع ہوئے اور امامؑ کے راستے کو روک لیا۔ اس کے باوجود امام حسینؑ اپنے عزم و ارادے میں استقامت وثبات سے ڈٹے رہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امامؑ کے اس قیام و نہضت کا مقصد منصبِ خلافت و امامت حاصل کرنا نہ تھا کیونکہ اس کی نہ کوئی توقع تھی اور نہ احتمال -----

اس نظریہ کی رد میں جوابات:

جواب نمبر۱

اگر کوئی جابر و ظالم' طاقتور بادشاہ مسلط ہو اور ہر روز اس کے جرم و ظلم و

تشدد میں اضافہ ہو رہا ہو تو اس کے مخالف جو اس کے خلاف آواز اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے اگر آواز اٹھائیں بھی تو میدانِ جنگ کی نوبت ہی نہ آئے گی اور انہیں ان کے گھر میں ہی قتل کر دیا جائے گا۔ تو کیا کمزور و ناتواں مومنین کو ہمیشہ خاموش رہنا چاہیے؟

اگر ایسا ہے کہ ظالم کے خلاف آواز بلند کرنے کا فرض ہمیشہ کے لئے ساقط ہو جاتا ہے تو ائمۂ اطہارؑ کے مکتب میں تربیت پانے والے صفِ اول کے شاگردوں کو اپنے زمانہ کے سفاک و شقی ظالمین کے خلاف آواز نہیں اٹھانی چاہیے تھی۔ ان کو تو یقین تھا کہ وہ ان ظالمین کے مقابلہ میں تن تنہا ہیں ان کا کوئی ساتھی وہمنوا نہیں۔ اگر وہ آواز اٹھائیں گے تو شہادت ان کے لئے لازم و یقینی ہے۔ اس سلسلہ میں بزرگ صحابیٔ رسولؐ صحابیٔ امیرالمومنین علیہ السلام و امام حسنؑ و امام حسینؑ جناب حجر ابن عدی اور ان کے یارانِ باوفا اور میثم تمار و رشید ہجری جیسی مقتدر ہستیوں نے زیاد ابن ابیہ جیسے ظالم و جابر کے مقابلہ میں قیام کیا اور اس کو مولائے کائنات علی ابن ابیطالبؑ پر سب و شتم کرنے سے روکا اور اس کے خلاف آواز اٹھائی ------ زیاد ابن ابیہ نے ان حضرات سے کہا کہ "مجھے سبِ علیؑ سے نہ روکو۔" لیکن یہ حضرات اس فریضہ یعنی آوازِ حق بلند کرنے سے باز آنے کو تیار نہ ہوئے اور محبتِ علیؑ میں شہادت کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اگر قدرت و توانائی کے بغیر جابر و ظالم کے خلاف آواز اٹھانے کی شریعت میں مذمت ہے تو ان ارواحِ پاک کا ٹھکانہ کہاں ہو گا۔ یہ حضرات شریعت کا دفاع کرنے والوں کے ساتھ محشور ہوں گے یا شریعت کے خلاف عمل کرنے والوں

کے ساتھ؟

جواب نمبر۲

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ امام حسینؑ کو منصبِ خلافت و امامت کی بازیابی کے لئے قیام نہیں کرنا چاہیے تھا' کیوں کہ خلافت و امامت ان کا حق تھا' لہٰذا اس کی بازیابی کی جدوجہد امامؑ کی اولین ذمہ داری تھی لیکن اس کے لئے اعوان و انصار کا تیار ہونا ضروری تھا۔ اسی بناء پر حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے پچیس سال تک صبر کیا' اس کے بعد جب آپؑ کو انصار و اعوان میسر ہوئے تو طلحہ' زبیر اور معاویہ جیسے خلافتِ الٰہی کے مخالفین کے مقابلہ میں قیام کیا ------ لہٰذا امام حسینؑ کو پہلے اعوان و انصار کے حصول کی تیاری کرنی چاہیے تھی۔

لیکن کیا امام حسینؑ کے انتظار کرنے سے خود بخود اعوان و انصار تیار ہو سکتے تھے۔ اگر ایسا تھا تو بیس سال جو امام حسینؑ نے صلحِ حسنؑ کے بعد سے اب تک صبر کیا کیوں انصار و اعوان تیار نہیں ہو سکے ـــــ اب تک تو کافی تعداد میں امامؑ کے اعوان و انصار تیار ہو جانا چاہیے تھے۔ کیونکہ بیس سال کا عرصہ بہت بڑی مدت ہوتی ہے۔؟

بات یہ ہے کہ انصار و اعوان حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ خلافت کو اپنا حق قرار دینے کے لئے دلائل دینے پڑتے ہیں۔ غاصب یزید جو اس وقت خلیفہ بنا ہوا ہے اس کے غلط اور غاصب ہونے کے ثبوت پیش کرنا اور اجتماعات منعقد کرنا ضروری تھا ـــــ اعوان و انصار' حیض و نفاس جیسے فقہی مسائل بیان کرنے سے پیدا نہیں ہوتے

ـــــــ سادہ پند و نصائح سے لوگ جنگ کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ لیکن اگر امام حسینؑ ایسے اجتماعات کریں' اپنی حقانیت نیز حکومت کو باطل ثابت کرنے پر دلائل دیں اور کھلم کھلا ان کے خلاف برأت و بغاوت کا اعلان کریں تو کیا ارباب حکومت امامؑ کو زندہ چھوڑ دیں گے؟

اور اگر انصار و اعوان کے نہ ہونے کی وجہ سے قیام میں تاخیر کریں یا خاموش رہیں تو ظالم و جابر حاکم یا خلیفہ اپنے خلاف کوئی معارض و مخالف حرکت نہ دیکھ کر' کوئی احتجاجی آواز نہ سن کر اور خود کو بے رقیب محسوس کر کے کیا اور زیادہ بے لگام نہیں ہو جائے گا۔ اس طرح کیا اس کے حوصلے بلند نہیں ہوں گے اور جوں جوں اس کا حوصلہ بلند ہوتا جائے گا ہر وہ شخص جو اس کے مخالفین میں سے ہے' متہم بھی ہو گا اور ظلم کا نشانہ بھی بنے گا۔ اس طرح اہلِ حق' مومنین و مخلصین کی مایوسی میں اضافہ ہوتا جائے گا' حق کی آواز دب جائے گی' خلیفۂ باطل دن بدن قوی سے قوی تر ہوتا جائے گا ـــــــ اور مومنین و مخلصین کی طاقت و قدرت روز بروز کم سے کم تر ہوتی جائے گی۔ جتنی تاخیر ہو گی اسی قدر اعوان و انصار کا حصول ناممکن ہوتا چلا جائے گا ـــــــ غرض کہ تاخیر سے اعوان و انصار میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے پہلے دن سے یزید کے خلاف مسلح قیام کا اعلان کیا' امام علیہ السلام اعوان و انصار ہی کی تلاش میں مدینہ سے مکہ تشریف لائے' مکہ میں اطرافِ عالم سے آنے والے حجاج کے سامنے مسئلہ کو رکھا اور ان سے بحث و گفتگو کی۔ بصرہ میں موجود مومنین کے نام اپنے نمائندہ کے ساتھ خط بھیجا اور نصرت طلب کی۔ اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ

کیا تا کہ وہاں اعوان و انصار کا جائزہ لیا جائے۔ مکہ سے نکلتے وقت خطبہ میں سب کو نصرت کی دعوت دی ——— مکہ سے نکل کر کربلا جاتے ہوئے راستہ میں ملنے والے بہت سے لوگوں کو نصرت کی دعوت دی ——— لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ امام علیہ السلام نے اعوان و انصار کے لئے کوشش نہیں کی بلکہ امامؑ نے مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کوفہ کی تمام مسافت انصار و اعوان کی تلاش میں صرف کی۔

اعتراض نمبر ۴

دو قبیلوں کی جنگ

بعض حلقوں کی جانب سے قیامِ امام حسینؑ کو بنی ہاشم اور بنی امیہ کی جنگ کا نام دیا گیا اور وہ کہتے ہیں کہ یہ دراصل دو قبائل کی جنگ تھی جس میں بنی ہاشم کی نمائندگی امام حسینؑ اور بنی امیہ کی یزید کر رہا تھا۔ اس سلسلہ میں وہ یہ تاریخی دلائل لاتے ہیں۔

ابو مخنف کہتے ہیں کہ:

امام حسینؑ جب عمر سعد کے لشکر کے مقابل آئے تو آپؑ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:۔

> "تم کیوں مجھ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو؟ کیا میں نے دین میں کوئی تبدیلی کی ہے؟ یا میں نے سنّتِ پیغمبرؐ کے خلاف کوئی کام کیا ہے؟"۔ تو اس پر لشکرِ عمر سعد کی طرف سے جواب ملا کہ "آپؑ کے پدرِ بزرگوار علی ابن ابی طالبؑ نے ہمارے آباؤ اجداد کو قتل کیا ہے۔ ان کا انتقام لینے کے لئے ہم آپؑ سے جنگ کرتے ہیں۔"

شہر آشوب اور بحار الانوار میں تحریر ہے کہ:

کربلا کی جنگ کے دوران کسی نے بلند آواز سے لشکرِ عمر سعد سے کہا کہ:

"وائے ہو تم پر! تم کس سے جنگ کر رہے ہو۔ (کیا تم نہیں جانتے کہ) تم عربوں کے قاتل انزاع البطین کے فرزند سے جنگ کر رہے ہو۔ تم اس پر اس طرح کبھی بھی غلبہ نہ پا سکو گے جب تک کہ تم مل کر اس پر ہر طرف سے حملہ نہ کرو۔"

(مقتلِ حسینؑ۔ عبدالرزاق مقرم۔ ص ۳۳۶)

حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کا سرِ مقدس ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تو اس نے آپؑ کے سرِ مقدس سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

"اے حسینؑ! تمہیں یہ دن بدر و احد کے انتقام کے نتیجہ میں دیکھنا پڑا۔"

(انصارِ حسینؑ۔ ص ۳۶۴)

مروان ابن حکم نے جب یزید کے دربار میں امام حسینؑ کے سر کو دیکھا تو اس نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"میں نے اپنے بزرگوں کے خون کا بدلہ لے لیا۔ میرا قرض ادا ہو گیا۔ میرے دل کا درد خونِ حسینؑ سے شفایاب ہو گیا۔"

جب اہل بیتِ اطہارؑ اور امام حسینؑ کے سرِ مقدس کو یزید کے سامنے لایا گیا تو اس نے فخریہ انداز میں ابن زبعری کا ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"کاش ہمارے آباء و اجداد جو جنگِ بدر میں قتل ہوئے آج زندہ

ہوتے اور دیکھتے کہ ہماری ضربت سے قومِ خزرج کس طرح بے
بس اور لاچار ہوئی ہے۔ بدر میں ان کے بزرگوں نے ہمارے
بزرگوں کو قتل کیا، آج ہم نے ان کی اولاد کو قتل کرکے اپنا انتقام
لے لیا۔"

"بنی ہاشم نے ملک و قوم کے ساتھ ایک کھیل کھیلا تھا، نہ کوئی خبر
آئی اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی۔ اگر میں محمدؐ کی اولاد سے بدلہ نہ
لوں تو میں قومِ خندف سے نہیں۔"

(مقتلِ حسینؑ۔ عبدالرزاق مقرم۔ ص ۳۶۱)

اسیرانِ آلِ محمدؐ کا قافلہ جب شام میں داخل ہو رہا تھا تو یزید قصرِ جیرون کے بالاخانہ سے اس کا نظارہ کر رہا تھا۔ یکایک ایک کوے کی آواز آئی۔ یزید نے کوے کی آواز سن کر اس سے مخاطب ہو کر ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"تو کتنا ہی شور مچا۔ میں نے تو محمدؐ اور علیؑ کی اولاد کو قتل کرکے
اپنے بزرگوں کے خون کا بدلہ لے لیا۔"

(مقتلِ حسینؑ۔ عبدالرزاق مقرم۔ ص ۴۴۸)

جواب

اس نظریہ کو اگر ہم کچھ دیر کے لئے صحیح مان بھی لیں تو سوال ابھرتا ہے کہ آخر اس دشمنی کی وجہ کیا تھی۔؟ جزیرۂ عرب میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کے علاوہ کیا دوسرے قبائل آپس میں عناد و دشمنی نہیں رکھتے تھے؟ کیا اوس و خزرج کے درمیان چالیس سال سے مسلسل بغض و عداوت نہیں چلی آ رہی تھی۔؟ لیکن

ان کے درمیان یہ طویل عناد و دشمنی اسلام کے طفیل و برکت سے نہ صرف ختم ہوگئی بلکہ یہ دونوں قبائل آپس میں شیر و شکر ہو کر اور ایک صف میں کھڑے ہو کر اسلام کے دشمنوں سے نبرد آزما ہوئے۔ پھر آخر بنی امیہ اور بنی ہاشم کے درمیان یہ عناد و دشمنی کا سلسلہ کیوں جاری تھا جبکہ قبلِ اسلام ان دونوں قبیلوں کے درمیان کسی دیرینہ جنگ وجدال اور قتل وغارتگری کا کوئی ایسا نمونہ بھی تاریخ میں نہیں ملتا۔؟

اس سوال کا جواب یزید بنی امیہ اور حامیانِ بنی امیہ کے ان جملوں میں با آسانی مل جاتا ہے جہاں وہ یہ کہتے ہیں کہ حسینؑ سے ان کی یہ جنگ بدر و احد کے جواب اور ان جنگوں میں ان کے کافر و مشرک آباؤ اجداد کے قتل کے انتقام میں ہے۔ لیکن اب پھر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بدر اور احد کی جنگوں کا سبب کیا تھا۔؟ کیا بدر و احد کی جنگوں کا سبب حکومت و اقتدار کے علاوہ کسی اور چیز کو قرار دیا جاسکتا ہے؟

ہاں البتہ یہ اقتدار اور حکومت ابو سفیان اس لئے چاہتا تھا کہ جزیرۃ العرب میں اس کی جاہلیت کی حکومت برقرار رہے جب کہ پیغمبرِ اکرمؐ اور ان کے ہم رکاب مسلمان مجاہدین یہ اقتدار خدا کی حکومت قائم کرنے کے لئے چاہتے تھے۔ لیکن بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بدر و احد کی جنگیں حکومت و اقتدار کے لئے تھیں۔ ان جنگوں میں محمدؐ کا ہدف روئے زمین پر خدا کی حکومت کا قیام تھا جب کہ ابوسفیان کا ہدف اور مطمع نظر اپنی اور عہدِ جاہلیت کی حکومت کی بقاء تھا۔ اپنی مسلسل اور پیہم شکست کے نتیجہ میں ابوسفیان اگرچہ فتحِ مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوگیا تھا جیساکہ اس نے فتحِ مکہ کے موقع پر پیغمبرِ اکرمؐ

کے چچا حضرت عباس ابن عبدالمطلبؑ کے سامنے اقرار کیا اور کہا:

"تمہارے بھتیجے کی حکومت اب بہت قوی ہو گئی ہے۔"

لیکن وہ اپنی حکومت اور اقتدار کی بحالی کے خواب مسلسل دیکھتا رہا۔ چنانچہ حضرت عثمان کی خلافت کے دور میں ابوسفیان نے حضرت حمزہؓ کی قبر پر ٹھوکر مار کر کہا:

"حمزہ! جس مقصد اور حکومت کے لئے تم ہم سے جنگ لڑے آج وہ حکومت ایک گیند کی مانند ہمارے بچوں کے ہاتھ میں ہے۔"

چنانچہ طلوعِ اسلام ہی سے بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان جتنی جنگیں ہوئیں وہ سب حکومت اور اقتدار کی جنگیں تھیں ----- وہ بدر و احد کی جنگ ہو یا احزاب و صفین کی۔ حتیٰ کہ معاویہ اور امام حسنؑ کے درمیان بھی جنگ کا سبب اور محرک حکومت اور اقتدار ہی تھا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ایک فریق خدا کی حاکمیت، شریعتِ اسلامی کی سربلندی اور بندگانِ خدا کو ہر قسم کی قید و بند اور انسانی بالادستی سے نجات دلانے کے لئے اقتدار چاہتا تھا جب کہ دوسرا فریق معاویہ ابن ابوسفیان اپنی اور جاہلیت کی بالادستی اور بندگان خدا کو قید و بند کی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے اقتدار کا خواہاں تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سوچا جا سکتا ہے کہ پیغمبرِ اکرمؐ کی ان جنگوں کا ہدف کچھ اور تھا اور امام حسینؑ کا مشن اس سے ہٹ کر کچھ اور؟..... کیا کربلا کی جنگ اسلام کی بقاء، خدا کی وحدانیت اور خدا کی حاکمیت قائم کرنے کے لئے نہیں تھی؟ کیا کربلا کی جنگ سیرتِ پیغمبرؐ کو زندہ کرنے کے لئے نہیں تھی کیا امام حسینؑ نے مدینہ سے نکلتے وقت یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں اپنے جد کی سیرت

پر عمل کروں گا؟ امام حسینؑ معاذ اللہ اگر کنارہ کشی اور خاموشی اختیار کر لیتے اور اس کے نتیجہ میں اگر یزید کی حکومت کو دوام اور استحکام حاصل ہو جاتا تو کیا اسلام کی بقاء ممکن تھی؟ ماننا پڑے گا کہ کربلا کی جنگ کفر کے خلاف اسلام کی جنگ تھی۔ یعنی دوسرے لفظوں میں یہ جنگ کفر کے اقتدار کے مقابلہ میں اسلام کے اقتدار کی جنگ تھی۔

چنانچہ اب یہ بات واضح اور روشن ہو کر سامنے آتی ہے کہ یزید اور بنی امیہ کی عداوت اور عناد کا سرچشمہ کوئی خاندانی اور دیرینہ دشمنی نہیں بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ بنی امیہ اسلام کے مقابلہ میں اپنی اور جاہلیت کی سربلندی اور اسلام کی نابودی کے خواہاں تھے جب کہ کربلا میں حسینؑ کی ان سے جنگ اسلام کی سربلندی، الٰہی حکومت کے قیام اور جاہلیت کی نابودی کے لئے تھی۔

اعتراض نمبر ۵

امامؑ نے معاویہ کے دور میں قیام کیوں نہ کیا؟

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ معاویہ کے جرائم یزید کے جرائم کے مقابلہ میں کسی طرح کم نہیں تھے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام حسینؑ نے معاویہ کے خلاف قیام کیوں نہیں کیا؟

اس سوال کا جواب ہمیں امام حسنؑ کی معاویہ سے صلح کے اسباب میں تلاش کرنا پڑے گا۔ جب تک امام حسنؑ کی صلح کے اسباب واضح نہ ہو جائیں، امام حسینؑ کے معاویہ کے خلاف قیام نہ کرنے کی کوئی واضح اور روشن منطق سامنے نہیں آئے گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم امام حسنؑ کی صلح کے اسباب

وعلل کا تجزیہ کریں۔

امام حسنؑ کی معاویہ کے ساتھ صلح کی تین پہلوؤں سے توجیہ کی جاسکتی ہے:

نمبر۱:۔ کہا جاسکتا ہے کہ امام حسنؑ کی نفسیات اس صلح کا سبب تھی۔ یعنی چوں کہ امام حسنؑ کی طبیعت میں صبر و حلم، صلح پسندی اور (معاذاللہ) راحت پسندی کا عنصر غالب تھا اس لئے آپؑ نے معاویہ سے صلح کرلی۔ لیکن یہ توجیہ غلط ہے کیوں کہ جو لوگ امام حسنؑ کی صلح کے جواز میں یہ مفروضہ پیش کرتے ہیں وہ امام حسینؑ کا تعارف اس زاویہ سے کراتے ہیں کہ امام حسینؑ ایک دلیر مردِ شجاع، جنگجو اور سر نہ جھکانے والی شخصیت کے مالک تھے اس لئے وہ یزید کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور اسی مفروضہ کی بناء پر یہ لوگ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے درمیان معاویہ سے اس صلح پر دونوں بھائیوں میں کشیدگی اور ناراضگی کا ادعا کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر اس مفروضہ کو صحیح مان لیا جائے کہ امام حسنؑ کی طبیعت صلح پسند تھی اور امام حسینؑ کا مزاج ان کے برخلاف تھا تو یہ امام حسینؑ کے معاویہ کے خلاف قیام نہ کرنے کی کوئی واضح دلیل نہیں بنتی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ امام حسینؑ کی طبیعت صلح پسند نہیں بلکہ جنگجویانہ تھی تو پھر تو بدرجہ اتم امام حسینؑ کو معاویہ کے خلاف قیام کرنا چاہئے تھا کیونکہ معاویہ کے مظالم شیعوں پر اور خود امامؑ پر حد درجہ بڑھ گئے تھے۔

نمبر۲:۔ معاویہ کے خلاف امام حسینؑ کے قیام نہ کرنے کا سبب امت ہو سکتی ہے۔ یعنی امت نہیں چاہتی تھی کہ معاویہ کے ساتھ جنگ کی جائے۔ جیسا کہ لوگوں نے معاویہ کے خلاف آپؑ کے بھائی امام حسنؑ کا ساتھ دینے سے تساہل برتا اور کوتاہی کی۔

یہ ایک حقیقت بھی ہے۔ کیوں کہ جب بعض حضرات نے معاویہ سے صلح کرنے پر امام حسنؑ سے اعتراض کیا تو آپؑ نے یہی جواب دیا تھا کہ "لوگ نہیں چاہتے کہ معاویہ سے جنگ جاری رکھی جائے۔" یہاں اس امر کا تجزیہ اور تحلیل بھی ضروری ہے کہ اس وقت امت معاویہ کے خلاف کیوں جنگ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے دو سبب ہیں:۔

ایک سبب یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے پانچ سالہ دورِ خلافت میں امت نے جنگِ جمل، جنگِ صفین اور جنگِ نہروان جیسی تین جنگیں لڑیں، لوگ اب جنگوں سے تنگ آچکے تھے اور چین اور سکون سے زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔

دوسرا سبب نفسیاتی ہے۔ لوگ شک اور تردد کا شکار تھے کہ مسلمانوں میں آپس میں جنگ و جدال کہاں تک درست ہے۔ لوگوں کو تردّد تھا کہ آیا معاویہ کے ساتھ جنگ کرنا صحیح ہے یا نہیں۔

کسی جنگ کے جواز کے بارے میں ہی جب امت شک اور تردّد کا شکار ہو تو ظاہر ہے وہ استقامت کے ساتھ جنگ نہیں لڑ سکتی۔ اب پھر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ شک امت میں کیوں اور کب پیدا ہوا؟ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ شک آج پیدا ہوا یا پہلے ہی سے شکوک و شبہات لوگوں کے دلوں میں پرورش پا رہے تھے ہمیں تاریخ کے اوراق الٹنے پڑیں گے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں شکوک ابتدا ہی سے چلے آرہے تھے لیکن مسلسل جنگوں نے ان شکوک میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کی دلیل میں چند واقعات قارئین کے لئے پیش کرتے ہیں:۔

● امیر المومنین امام علی علیہ السلام جب جنگ کے لئے نکلے تو سعد بن وقاص نے کہا کہ "میں آپؑ کے ہمراہ اس وقت تک جنگ کے لئے نہیں نکلوں گا جب تک آپؑ مجھے ایک ایسی تلوار نہیں دے دیتے کہ جو حق اور باطل کے درمیان امتیاز کر کے لوگوں کو قتل کرے۔"

● جنگِ صفّین میں لوگ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ حق پر کون سا فریق ہے (پیغمبرِ اکرمؐ کی پیش گوئی کے تحت) عمار یاسرؓ کو دیکھتے تھے اور ان کے پرچم کو ڈھونڈتے تھے۔ چنانچہ خزیمہ بن ثابت جمل اور صفّین دونوں جنگوں میں علیؑ کے ہمراہ تھے لیکن دونوں جنگوں میں انہوں نے تلوار نہیں نکالی اور جنگ نہیں کی۔ یہاں تک کہ جنگِ صفّین میں عمار یاسرؓ شہید ہوئے تو انہوں نے کہا کہ اب مجھے معلوم ہوا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ (کیوں کہ پیغمبرِ اکرمؐ نے پیش گوئی کی تھی کہ ایک باغی گروہ عمارؓ کو شہید کرے گا اور عمار یاسرؓ صفین کی جنگ میں معاویہ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے)۔ اس کے بعد خزیمہ بن ثابت معاویہ کے خلاف میدان میں نکلے، جنگ کی اور اسی جنگ میں شہید ہوئے۔

(اصحابِ رسول ثقلین فی ضرب الصفین۔ صفحہ ۵۹ تالیف شیخ قوام الدین قمی وشنوی، رجالِ خوئی۔ رجال نمبر ۴۲ اور ۴۳ از آیت اللہ ابوالقاسم الخوئی)

رہا یہ سوال کہ خود حضرت علی علیہ السلام نے یہ جنگیں کیسے لڑیں جب کہ مسلمانوں کے آپس میں جنگ و جدال کے مسئلہ پر لوگ شکوک و شبہات کا شکار تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امیر المومنین امام علی علیہ السلام کے پاس دو خصوصیات ایسی تھیں جو امام حسنؑ کے پاس نہیں تھیں ----- پہلی خصوصیت یہ تھی کہ علیؑ اتفاقِ امت سے مسلمانوں کے خلیفہ منتخب ہوئے تھے اور انصار و

مہاجرین نے مل کر علیؑ کی بیعت کی تھی جب کہ معاویہ نے مسلمانوں کے منتخب خلیفۃ المسلمین کو تسلیم نہیں کیا اور سرکشی کرتے ہوئے اس نے امیرالمومنین علی علیہ السلام کے خلاف مہم چلائی۔ اس کے برخلاف عموماً جس کے ہاتھ پر ایک مرتبہ بیعت ہو جاتی تھی لوگ اس کا ساتھ دیتے تھے اور اس کے مخالف کا ساتھ نہیں دیتے تھے چاہے وہ مخالف حق پر ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر کے خلیفۃ المسلمین منتخب ہونے پر جب حضرت علیؑ نے اپنے حق کی بازیابی کے لئے لوگوں سے مدد اور نصرت طلب کی تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم کو پہلے معلوم ہوتا تو ہم آپؑ کا ساتھ دیتے لیکن اب تو حضرت ابوبکر کی بیعت ہو چکی ہے اور اب وقت گزر چکا ہے۔ اسی طرح جب لوگ علیؑ کی بیعت کر چکے تھے تو انؑ کے خلاف معاویہ کے سرکشی اختیار کرنے پر لوگ معاویہ کو قصوروار قرار دیتے تھے اور پھر اس لئے بھی کہ معاویہ کی سرکشی کا کوئی جواز بھی نہ تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کی دوسری خصوصیت آپؑ کے ساتھ اصحابِ رسولؐ کا ہونا تھا۔ اس وقت تینوں جنگوں میں اصحابِ پیغمبرؐ کی اکثریت حضرت علیؑ کے ساتھ تھی جب کہ جنگِ صفّین میں معاویہ کے ساتھ گنتی کے چند اصحابِ رسولؐ تھے۔ اصحابِ رسولؐ کی اکثریت کا علیؑ کے ساتھ ہونا لوگوں کے لئے اس بات کی دلیل تھا کہ علیؑ حق پر ہیں۔

حضرت علیؑ کے پاس یہ مذکورہ دو خصوصیات تھیں لیکن امام حسنؑ کے پاس نہیں۔ کیوں کہ امام حسنؑ کی بیعت صرف کوفہ میں موجود لوگوں نے کی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے اصحابِ رسولؐ پہلے ہی ان جنگوں میں شہید ہو چکے تھے یا کنارہ کش ہو چکے تھے لہٰذا امام حسنؑ کے ساتھ افرادی اور عسکری قوت بہت

کمزور تھی جب کہ لوگ بھی شک و تردّد کا شکار ہو چکے تھے کہ آیا امام حسنؑ کے ہمراہ معاویہ کے خلاف جنگ کرنا درست ہے یا نہیں۔ البتہ نواسۂ رسولؐ اور صاحبِ علم و فضل ہونے کی حیثیت سے لوگ امام حسنؑ کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن ساتھ ساتھ وہ معاویہ کو بھی چنداں برا نہیں سمجھتے تھے۔ خصوصاً ابتدا میں لوگ معاویہ کو اتنا برا نہیں سمجھتے تھے کیوں کہ اس کے ظلم و ستم اس وقت تک اتنے کھل کر سامنے نہیں آئے تھے جتنا بعد میں لوگوں نے مشاہدہ کیا۔

نمبر۳۔ معاویہ کے خلاف قیام نہ کرنے کا تیسرا سبب خود معاویہ کی طینت، اس کا مکرو فریب اور اس کا وہ لبادہ ہے جس میں اس نے اپنی اصل شخصیت کو چھپایا ہوا تھا۔ لوگ اس کو اس حیثیت سے جانتے تھے کہ جس میں وہ بظاہر نظر آتا تھا۔ امت ابھی اس اصل معاویہ سے ناآشنا تھی کہ جس کو اس نے تہ در تہ لبادوں میں چھپا رکھا تھا۔ ہم یہاں معاویہ کے تین چہروں کو اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہیں گے۔

۱۔ معاویہ، دین و مذہب کے لبادہ میں

عموماً لوگ معاویہ کو صحابی اور کاتبِ رسولؐ سمجھتے تھے۔ معاویہ کی مجرمانہ حیثیت لوگوں پر آشکار نہیں تھی کیوں کہ وہ جرائم اور برائیوں کا ارتکاب کھلم کھلا نہیں کرتا تھا جیسا کہ اس کا بیٹا یزید علانیہ فسق و فجور کا مرتکب ہوتا تھا۔ چنانچہ معاویہ، یزید کو نصیحت کرتا رہتا تھا کہ "جو کچھ قبیح افعال تو انجام دیتا ہے اسے لوگوں کی نظروں سے چھپا کر کیا کر۔" لہٰذا لوگ معاویہ کو ایک صحابیِ رسولؐ

کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور اس کو ایک حد تک دین دار مذہبی سمجھتے تھے۔ لوگوں کو یہ سمجھانا کہ "معاویہ کا ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور۔" ایک مشکل مسئلہ تھا۔ اس لئے لوگوں کو اس کے خلاف قیام کرنے پر آمادہ کرنا ایک مشکل کام تھا۔

۲۔ معاویہ، سیاسی روپ میں

دنیائے عرب میں اس وقت چار اشخاص یعنی مغیرہ ابن شعبہ، عمرو ابن عاص، زیاد ابن ابیہ اور معاویہ ابن ابی سفیان کا شمار نامور سیاستدانوں میں ہوتا تھا۔ پہلی تین شخصیتوں کی سیاست کا مرکز و محور بھی معاویہ کی سیاست تھی۔ یہ تینوں معاویہ کے لئے کام کرتے تھے۔ انہوں نے معاویہ کو اکثر مشکل حالات سے نکالا اور اس کی حکومت کو استحکام بخشا۔

معاویہ خود بھی کٹھن سے کٹھن حالات سے چھٹکارہ حاصل کرنے کا ہنر جانتا تھا اور اس کے سیاسی مشیر بھی۔ مثلاً۔

> "جنگِ صفّین میں جب اہلِ شام نے عمار یاسرؓ کو حضرت علیؑ کے لشکر میں دیکھا تو تلواریں پھینک دیں اور کہنے لگے کہ ہم عمار یاسرؓ کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں گے۔ ان کو معاویہ نے یہ کہہ کر جنگ پر آمادہ کیا کہ اوّل تو عمار یاسرؓ قتل ہی نہ ہوں گے اور اگر قتل ہوئے بھی تو اس کے قصوروار علیؑ ہوں گے کیونکہ وہی انہیں میدانِ جنگ میں لائے ہیں۔"

> "جنگِ صفّین کا فیصلہ حضرت علیؑ کے حق میں ہوا ہی چاہتا تھا کہ

معاویہ نے عمرو عاص کی تجویز پر نیزوں پر قرآن بلند کر دیئے اور اس طرح دونوں صورتوں یعنی جنگ کا جاری رکھنا اور صلح کو حضرت علیؑ کے لئے مشکل کر دیا۔"

اس طرح کی متعدد مثالیں صفحاتِ تاریخ پر موجود ہیں۔

۳۔ معاویہ مصنوعی اخلاق اور مروّت کے پردہ میں

معاویہ کی اصل طینت اور فطرت اور خدوخال سے روشناس کرانے کے لئے اسے بھیگی بلی کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ چنانچہ وہ کہتا تھا کہ:۔

"میں کسی پر اپنی تلوار اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک میرا کام لاٹھی سے نکلتا رہے اور اس وقت تک اپنی لاٹھی استعمال نہیں کروں گا جب تک زبان سے میرا کام نکلتا رہے۔ میرے اور کسی شخص کے درمیان اگر بال برابر بھی ربط ہو تو میں اس ربط کو نہیں توڑوں گا۔"

(تاریخِ یعقوبی جلد ۲۔ صفحہ ۲۳)

ایک اور جگہ معاویہ کہتا ہے کہ:۔

"میں ہر اس شخص کو آزاد چھوڑوں گا جو میری حکومت اور اقتدار کے آڑے نہ آئے۔"

(علیؑ و مناوِہ۔ سفحہ ۲۱۰ نقل از طبری، جلد ۶۔ صفحہ ۱۸۷)

امام حسینؑ نے حجر ابن عدی اور دیگر اصحاب کو شہید کرنے پر اسے (معاویہ کو) مفسد فی الارض کہا، اس کے خلاف جنگ کو واجب قرار دیا، یہاں تک کہ

اس کے لئے لے جائے جانے والے اموال اور تحائف کو راستہ میں روک کر ان پر قبضہ کر لیا تب بھی اس نے امامؑ کے خلاف کوئی عملی اقدام نہیں کیا اور صرف زبانی تہدید پر اکتفا کیا۔

یہاں تک کہ مروان بن حکم نے جب امام حسینؑ کے خلاف ایک مکمل رپورٹ معاویہ کو روانہ کی تب بھی اس نے امام حسینؑ کو ایک خط لکھنے پر اکتفا کیا جس میں اس نے لکھا کہ "آپؑ کے خلاف مجھے یہ رپورٹ ملی ہے کہ آپؑ ہمارے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔"

دوسری طرف اس نے مروان کو لکھا کہ "تم حسینؑ کے خلاف کسی قسم کی حرکت نہ کرنا اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔" اس نے یہ نرم رویہ اس لئے اختیار کیا تاکہ امام حسینؑ کو اس کی حکومت کے خلاف قیام کرنے کا کوئی موقع اور جواز نہ مل سکے۔ وہ اپنے اقتدار کو دوام دینا چاہتا تھا اس لئے کھل کر امامؑ کے مقابلہ پر آکر اپنی اصل شخصیت کو بے نقاب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی آخری وصیت میں یزید کو لکھا کہ:۔

"میں نے تمہاری تمام مشکلات حل کر دی ہیں۔ تمہارے لئے خلافت کی راہ ہموار کر دی ہے۔ عرب کے سارے دشمنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا ہے۔ اہلِ حجاز کے ساتھ پُرسشِ احوال کرنا' ان کا احترام کرنا' اگر اہلِ عراق تم سے ہر روز ایک گورنر بدلنے کو کہیں تو ایسا ہی کرنا کیونکہ ایک گورنر کو ہٹا دینا تمہارے لئے آسان ہو گا بجائے اس کے کہ ایک لاکھ تلواریں تمہارے خلاف اٹھ جائیں۔

خلافت کے ضمن میں تمہارے لئے میں کسی سے بھی خطرہ
محسوس نہیں کرتا ہوں سوائے چند اشخاص کے اور وہ یہ ہیں:
حسینؓ ابن علیؓ 'عبداللہ ابن عمر 'عبداللہ ابن زبیر '
عبدالرحمٰن ابن ابوبکر۔ لیکن عبداللہ ابن عمر ایک ایسا شخص ہے
جس کو عبادت نے گھر میں گوشہ نشین کر رکھا ہے ــــــ اگر
بیعت کے خلاف کوئی اور نہیں رہا تو وہ تمہاری بیعت کر لے گا۔
لیکن حسینؓ ابن علیؓ زود باور فرد ہیں۔ اہلِ عراق انؓ کو نہیں
چھوڑیں گے۔ انہیں تمہارے مقابلے پر لے آئیں گے۔ اگر
حسینؓ تمہارے خلاف خروج کریں اور تم کو ان پر فتح حاصل ہو
جائے تو ان کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لینا کیونکہ یہ صلہء رحم
ہے اور وہ اس کا حق رکھتے ہیں کیونکہ پیغمبرؐ سے رشتہ اور قرابت
رکھتے ہیں ــــ اور جنگل کے شیر کی مانند جو تم پر حملہ کرنے والا
اور لومڑی کی طرح چالاک ہے 'وہ عبداللہ ابن زبیر ہے۔ اگر
تمہیں موقع ہاتھ آئے تو فوراً اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ــــ
اور اپنے خون کو اس کے شر سے بچانا۔"

یہی وصیت تاریخ دمشق صفحہ ۱۹۹ پر ابن عساکر نے امام حسینؓ سے متعلق
فقرات میں بطور حوالہ یوں نقل کی ہے۔

"دیکھو! حسینؓ ابن فاطمہ بنت رسول اللہؐ ہیں۔ لوگوں کے دل
پسند ہیں۔ ان کے صلہء رحمی کا خیال رکھنا 'ان سے دوستی اور
مدارات کرو گے تو تمہارے امور کی اصلاح ہو گی۔ اگر حالات

تمہارے خلاف رونما ہوئے تو مجھے امید ہے کہ ان کے خطرے
سے تمہیں خدا ان لوگوں کے توسط سے بچائے گا جنہوں نے
حسینؑ کے باپ کو قتل کیا اور ان کے بھائی کو تنہا چھوڑا ہے۔"

بعض سیاست نگاروں نے معاویہ کی اس وصیت کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ وصیت بنی امیہ نواز لوگوں کی طرف سے معاویہ کو یزید کی برائیوں اور جرائم کے داغ سے بچانے کی ایک ناکام سعی ہے۔ کیونکہ معاویہ سے منسوب یہ وصیت نامہ کچھ اور حقائق سے متصادم اور متضاد ہے۔

معاویہ نے یزید سے سفارش کی کہ اہلِ حجاز کے ساتھ نرم اور نیک سلوک کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارے ہی اصل اور مرکز ہیں۔ جبکہ معاویہ کی طرف سے یزید کے نام ایک اور وصیت نقل ہوئی ہے جس میں اس نے یہ کہا ہے کہ تم کو ایک دن اہلِ مدینہ کا سامنہ کرنا پڑے گا۔ ایسے حالات رونما ہوں تو تم مسلم بن عقبہ کو ان پر مسلط کرنا۔ چنانچہ جب اہلِ مدینہ نے یزید کے خلاف بغاوت کی تو یزید نے مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں ایک لشکر مدینہ روانہ کیا اور مسلم بن عقبہ نے کیا کیا اس دور کی تاریخِ مدینہ اسکی گواہ ہے۔

اس وصیت کے دوسرے فقرے میں اہلِ عراق کا لحاظ رکھنے کو کہا گیا ہے کہ اگر اہلِ عراق روز گورنر بدلنے کے لئے درخواست کریں تو بدل دینا کیونکہ ایک آدمی کو ہٹا دینا آسان ہے بہ نسبت ایک لاکھ آدمیوں کے جو تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

معاویہ کی یہ وصیت اس دوسری وصیت سے متضاد ہے کہ جب یزید کو کوفہ سے عبداللہ بن مسلم اور عمر بن سعد کے خطوط ملے کہ کوفہ میں مسلم بن عقیل

بیعت لے رہے ہیں اور نعمان بشیر کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں لہٰذا اگر تمہیں عراق کی ضرورت ہے تو نعمان کا متبادل بھیجو۔ یزید نے جب سرجون سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ اگر اس مسئلہ کا حل تمہیں معاویہ بتاتا تو کیا تم قبول کرتے۔ یزید نے کہا کیوں نہیں۔ سرجون نے یزید کو عبید اللہ ابن زیاد کا کوفہ کے لئے تقرر نامہ دکھایا۔

خود یزید نے خلافت سنبھالنے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں اہلِ شام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے اور اہلِ عراق کے درمیان ایک خون کی نہر جاری ہے۔ میں نے نہر عبور کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا لیکن عبید اللہ میرے سامنے وہ نہر پار گیا اور میں دیکھتا رہ گیا۔

سرجون کا معاویہ کی طرف سے عبید اللہ ابن زیاد کا تقرر نامہ دکھانا اور کوفہ کے بارے میں خود یزید کا اہلِ شام سے خطاب بھی اس وصیت سے متصادم ہے

اس وصیت نامہ میں چار آدمیوں سے خبردار کیا گیا ہے۔ جن میں عبد اللہ ابن عمر بھی ہیں اور بعد میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "عبد اللہ ابن عمر عبادت گزار اور گوشہ نشین ہیں اگر سب بیعت کریں گے تو وہ بھی تمہاری بیعت کرلیں گے۔" اگر عبد اللہ ابن عمر ایسے آدمی تھے تو ان سے کیوں خطرہ ہوا۔

معاویہ نے کہا کہ "حسینؑ نواسۂ رسولؐ ہیں ان کے ساتھ صلۂ رحمی کرنا" ...... جبکہ خود معاویہ نے جو سلوک حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے ساتھ روا رکھا وہ سب کے سامنے ہے۔ جو اس وصیت کے بالکل متصادم ہے۔ اگر یہ وصیت صحیح ہوتی تو یزید اتنی جلد امام حسینؑ سے بیعت لینے اور بصورتِ دیگر قتل کرنے

کا حکم نامہ ولید بن عتبہ کو نہ بھیجتا۔

ان نکات اور تضادات کی بنیاد پر سیرت نگاروں نے اس وصیت نامہ کو حقیقت سے عاری قرار دیا ہے۔ لیکن ایک احتمال اور بھی ہے کہ یہ وصیت نامہ ممکن ہے معاویہ نے چھوڑا ہو کیونکہ معاویہ اس دور کے معروف اور مشہور سیاست مداروں میں سے تھا اس دور کے بڑے بڑے سیاست مدار اس کے سامنے عاجز تھے۔ حکومت کے حصول اور اس کی راہ میں ہر طرح کی رکاوٹ کو رفع دفع کرنے کے لئے ہر چیز جائز قرار دینے کا فلسفہ سیاستِ میکاولی نے شاید معاویہ ہی سے اخذ کیا ہو۔

سیاست مدار اس دور کے ہوں یا آج کے سب کی نظر میں حکومت کے حصول کی راہ میں جھوٹ، غدر، مکر و دھوکہ بازی روا ہے۔ لہٰذا ان کی طرف متضاد احکام، ہدایات، اقوال منسوب ہونا کوئی انوکھی بات نہیں۔ ممکن ہے معاویہ نے دو وصیتیں کی ہوں۔ ایک عام لوگوں کو سنانے کے لئے رسمی وصیت اور ایک مخفی کہ جو عملی ہے اور یزید کو چھپا کے کی ہو۔ چونکہ وہ وصیت نامہ مخفی رہا ہو گا اس لئے یزید کے عمل کی صورت میں رونما ہوا۔

معاویہ نے یزید کو یوں وصیت کی کہ اگر حسینؑ نے قیام کیا تو ان سے آمنے سامنے مقابلہ سے گریز کرے کیونکہ اس صورت میں یزید کی حکومت کے لئے خطرہ لاحق ہو گا۔ بلکہ وہ حسینؑ کو غافل رکھ کے راستہ سے ہٹانے کے اقدامات کرے مثلاً خاموشی سے قتل کرے یا گرفتار کرے۔ چنانچہ ابن عساکر کے آخری جملہ میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اگر حسینؑ نے اقدام کیا تو ایسے افراد کا خدا بندوبست کرے گا جو تمہیں حسینؑ سے بچائیں گے۔

حسینؑ سے براہ راست مزاحمت کا خطرہ یزید سے پہلے خود معاویہ کو لاحق تھا چنانچہ اسی خطرہ کے پیشِ نظر معاویہ نے اپنے پاس لشکر ہوتے ہوئے اور امام حسنؑ کے پاس قلیل لشکر ہونے کے باوجود امام حسنؑ کو صلح کی پیش کش کی اور اس پر مجبور کیا لیکن بعد میں امامؑ کو زہر سے شہید کروایا۔ امام حسینؑ کے بارے میں معاویہ نے مروان کو لکھا کہ تم حسینؑ سے متعارض نہ ہونا۔ بنی امیہ اور ان کے دیگر سیاست مداروں کے لئے یہ ایک مسلّمہ بات تھی کہ حسینؑ سے آمنے سامنے مقابلہ ان کی حکومت کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔ چنانچہ ولید بن عتبہ نے جب امام حسینؑ کی مکہ سے کوفہ روانگی کی خبر سنی تو ایک خط عبید اللہ ابن زیاد کے نام لکھا کہ تم حسینؑ کے ساتھ کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کیونکہ یہ عمل بنی امیہ کے لئے ایک مصیبت کا دروازہ کھول دینے کے مترادف ہو گا۔

لہٰذا معاویہ کا یا تو ایک ظاہری اور دوسرا مخفی وصیت نامہ ہے۔ یا تاریخ عساکر کے فقرات کے تحت یہ سیاسی اور رمزی وصیت نامہ ہے۔ حسینؑ کو آمنے سامنے کر کے مقابلہ کی بجائے کوئی اور راہ تلاش کر کے انہیں راستہ سے ہٹانا ہے۔ ہمارے خیال میں یزید نے معاویہ کے اس وصیت نامہ پر بھرپور عمل کرنے کی کوشش کی کہ حسینؑ کو غفلت اور ایسے اجتماع میں نامعلوم لوگوں کے ہاتھوں قتل کرائے لیکن حسینؑ نے اس کی ہر سازش کو ناکام بنایا۔

اس وصیت نامہ کا ایک فقرہ یہ ہے کہ حسینؑ کے ساتھ معترض نہ ہونا کیونکہ حسینؑ کا رشتہ و قرابت رسول اللہؐ سے ہے اس کے برعکس وہ فقرہ کہ تمہارے لئے ایک خطرہ عبد اللہ ابن زبیر سے ہے جب تمہیں موقع ملے تو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔

اگر امام حسینؑ کو رسول اللہؐ سے قرابت کی وجہ سے چھیڑنا صحیح نہ تھا تو عبداللہ ابن زبیر کا بھی رشتہ رسول اللہؐ سے جناب خدیجہ کبریٰ اور جناب صفیہ کے وسیلہ سے ہوتا ہے۔

(حیاتِ امام حسینؑ ج ۲۔ ص ۲۳۶)

غرض امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کی اور خلافت اس کے سپرد کردی اور اس صلح کا سبب لوگوں کی جنگ سے بیزاری، خستگی، ذہنی کشمکش اور تردّد تھا اور امت کے شک و تردّد کا سبب جیسا کہ بیان کیا گیا معاویہ کی چھپی ہوئی فطرت اور شخصیت تھی۔ کیوں کہ اس وقت کا معاویہ آج کا معاویہ نہیں تھا۔ اس وقت اس کے جرائم دین اور صحابیت کے پردے میں چھپے ہوئے تھے، لوگ معاویہ کو نہیں پہچانتے تھے کیوں کہ اس کے جرائم منظر عام پر نہیں آئے تھے۔ لوگ اسے صحابیٔ رسولؐ اور دین دار سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کے خلاف جنگ کرنے کے وجوب پر بھی لوگ شکوک و شبہات کا شکار تھے۔ اس لئے امام حسنؑ اس کے ساتھ صلح کرنے پر مجبور ہوئے اور صلح کی شرط یہ تھی کہ جب تک معاویہ زندہ ہے خلافت اس کے پاس رہے گی۔ چنانچہ اب جب تک معاویہ زندہ ہے صلح اپنی جگہ باقی ہے۔ معاویہ کی حیات کے دور میں امام حسنؑ موجود ہوں یا امام حسینؑ صلح کو باقی رکھنا ضروری ہے۔ معاویہ کے مرنے تک اگر امام حسنؑ زندہ رہتے تو وہ بھی اس صلح کو معاویہ کے مرنے تک باقی رکھنا ضروری سمجھتے۔

لیکن اب معاویہ کی موت سے صلح کا ایک سبب اپنے انجام کو پہنچا۔ امت کا جنگ کے لئے آمادہ نہ ہونا اس صلح کا دوسرا سبب تھا اور امت کے جنگ سے

گریز اور بیزاری کے دو اسباب تھے:۔

- معاویہ کے خلاف جنگ کے وجوب میں شکوک و شبہات'
- مسلسل جنگوں سے تنگ آکر جنگ سے اکتاہٹ اور خستگی۔

جہاں تک پہلے سبب کا تعلق ہے — یعنی معاویہ کے خلاف جنگ کے وجوب میں شکوک اور شبہات' تو وہ شکوک اب دور ہو چکے تھے کیوں کہ معاویہ کا اصل چہرہ اپنے اس دور میں بالکل کھل کر سامنے آچکا تھا اور اس کے خلاف جنگ کرنے کے وجوب میں اب امت کو کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا تھا۔ صلح نامہ البتہ جنگ سے مانع تھا۔ تو اب معاویہ کی موت کے بعد وہ رکاوٹ بھی باقی نہیں رہی تھی۔

رہا دوسرا سبب — یعنی جنگ سے اکتاہٹ اور خستگی' تو بیس سال کے اس طویل عرصہ میں اب یہ خستگی دور ہو چکی تھی پھر اس بیس سالہ دور میں معاویہ اور اس کے کارندوں کے ظلم و ستم سے امت اتنا تنگ آچکی تھی کہ اپنی گزشتہ کوتاہیوں' تن آسانیوں اور جنگ و جہاد سے فرار پر نادم اور پشیمان تھی اور اس آیت کی مصداق بنی ہوئی تھی کہ:۔

"قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِن كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِن دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا"

"جس نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے واسطے ایک بادشاہ مقرر کیجئے تاکہ ہم راہِ خدا میں جہاد کریں۔ نبی نے فرمایا کہ اندیشہ یہ ہے کہ

تم پر جہاد واجب ہو جائے تو تم جہاد نہ کرو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم کیوں جہاد نہ کریں گے جبکہ ہمیں اپنے گھروں اور بال بچوں سے الگ نکال باہر کیا گیا ہے"۔

(سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۲۴۶)

معاویہ اور اس کے کارندوں کے ظلم و ستم سے تنگ آنے کا شاہد سلیمان ابن صرد خزاعی کا کوفہ کی برجستہ شخصیات سے خطاب ہے اور امام حسینؑ کے نام اہلِ کوفہ کے خط ہیں جن میں انھوں نے امامؑ کی معیت میں بنی امیہ کے خلاف جنگ کرنے پر آمادگی کا اعلان کیا۔

معاویہ سے صلح کے دونوں اسباب اپنے انجام کو پہنچنے کے بعد قیام کرنے میں اب کوئی چیز مانع نہیں رہی تھی اور اب وہ تمام شرائط اور وجوہات موجود تھیں جو قیام کے وجوب کے لئے ضروری ہیں۔ یعنی

★ یزید جیسا فاسق و فاجر شخص کہ جو کسی کو بھی قابلِ قبول نہیں، امت پر مسلط ہے۔

★ امت جنگ و جہاد کے لئے نہ صرف آمادہ ہے بلکہ کرب کی حالت میں بے چین ہے جس کا واضح ثبوت اہلِ کوفہ کے ۱۲ ہزار خطوط اور ۲۵ ہزار افراد کی امامؑ سے بیعت ہے۔

★ قیادت، رہبری اور امامت کے لئے عارفِ قرآن و سنّت، قائمِ قسط و عدالت، پروردۂ نبوت و امامت، رہبرِ صالح حسینؑ ابن علیؑ جیسی شخصیت لوگوں کے سامنے موجود ہے ——

لہٰذا امامؑ یہ آواز بلند کرتے ہوئے مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق کی طرف

نکل کھڑے ہوئے کہ۔

"لوگو! یزید فاسق و فاجر ہے' خلافت آلِ ابی سفیان پر حرام ہے ——— میں اپنے جد اور پدرِ بزرگوار کی سیرت کو زندہ کرنے' امت کی اصلاح کرنے اور امربالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے نکل رہا ہوں۔"

یہ تو ان اسباب و وجوہات کا تذکرہ تھا جن کی بناء پر امام حسینؑ نے معاویہ کے خلاف قیام نہ کیا اور یزید کے خلاف میدانِ جہاد میں آئے۔ اب ہم امامؑ کے چند اقوال و کلمات پیش کرتے ہیں جن سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ امامؑ کو یزید سے کوئی ذاتی پرخاش نہ تھی کہ اس کے خلاف میدان میں آئے بلکہ امامؑ پورے اموی نظام ہی کے خلاف تھے اور آپؑ کی نظر میں معاویہ اور یزید دونوں یکساں تھے۔

☆ مجلسِ ولید میں آپؑ نے یزید کے منصبِ خلافت کے لئے نااہل ہونے کی دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"یزید شراب خور ہے' نیک لوگوں کا قاتل ہے اور علانیہ فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے۔"

(عنوانِ امام حسینؑ۔ ص ۱۱ نقل از طبری ج ۷۔ ص ۲۱۶' تاریخ ابن اثیر ج ۳۔ ص ۲۶۳' ارشادِ مفید۔ ص ۲۰۰' مثیر الاحزان۔ ص ۱۰' مقتلِ خوارزمی۔ ص ۱۸۲' لہوف۔ ص ۱۹)

☆ مروان ابن حکم نے جب امام حسینؑ کو یزید کی بیعت کرنے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ:

"میں نے اپنے جدؐ سے سنا ہے کہ خلافت آلِ ابی سفیان پر حرام ہے۔"

(مخزانِ امام حسینؑ۔ص ۱۶ نقل از لہوف۔ف ۲۰، مثیر الاحزان۔ص ۱۰ اور ص ۲۰، مقتل عوالم۔ص ۹۳، مقتلِ خوارزمی۔ج ۱۔ص ۱۸۵)

☆ امام حسینؑ نے معاویہ کو لکھا کہ:

"خدا کی قسم امت میں تیرا وجود سب سے بڑا فتنہ ہے۔ تیری حکومت سے بڑھ کر کوئی فساد نہیں۔ میں اپنے لئے، اپنے دین کے لئے اور امتِ محمدیؐ کے لئے تیرے خلاف جہاد کرنے سے بہتر کوئی بات نہیں سمجھتا۔ اگر میں نے تیرے خلاف جہاد کیا تو مجھے خدا سے قرب حاصل ہو گا اور اگر میں نے اس جہاد کو ترک کیا تو میں خدا سے استغفار کروں گا۔"

(حیاتِ امام حسینؑ باقر قرشی۔ص ۲۲۶)

☆—☆

کچھ ناگزیر حقائق سے آشنائی

قیامِ امام حسینؑ کو سمجھنے اور کسی نتیجہ پر پہنچنے کیلئے اس واقعہ کے چند حقائق اور اس کے حدود و ابعاد سے آشنا ہونا ضروری ہے۔ یہ حقائق امام حسین علیہ السلام کے خطبات، کلمات اور اقوال سے واضح ہیں۔ ان حقائق سے چشم پوشی نہ صرف یہ کہ درست نہیں بلکہ اصل ہدف کی شناخت میں مانع ہے۔ اگر ان تمام حقائق کو باہم ملا کر نہ سمجھا جائے اور ایک حقیقت کو تسلیم اور دوسری حقیقت کو نظرانداز کیا جائے تو کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا جاسکتا۔ وہ حقائق یہ ہیں:۔

(۱) شہادت

(۲) مسئلۂ بیعت

(۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

(۴) اہلِ کوفہ کی دعوت

(۵) بازیابیٔ خلافت

(۶) امامؑ کا اپنے اصحاب کو واپسی کی اجازت دینا۔

یہ تمام حقائق خود امام حسین علیہ السلام اور دیگر شخصیات کی سیرت اور

کتبِ سیرو تاریخ اور مقاتل میں موجود ہیں۔

(ا) شہادت

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر رسول اللہؐ اور امیرالمومنین امام علی علیہ السلام نے خود اپنی حیات میں دے دی تھی اور امام حسینؑ بھی بار بار اپنی شہادت کی خبر دیتے رہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ کربلا میں شہادت کیا کردار رکھتی ہے؟۔

شہادت کے دو تصور ہوسکتے ہیں :۔

☆ ایک تصور یہ ہے کہ شہادت میں امام حسینؑ کا کوئی عملی کردار نہیں بلکہ یہ شہادت زمان و مکان کے لحاظ سے من عند اللہ طے اور مسلط ہے۔ امامؑ کو ہر صورت میں شہید ہونا تھا جس کیلئے زمان کے لحاظ سے ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری اور مکان کے لحاظ سے کربلا کا میدان مقرر تھا اور اس تقدیرِ الٰہی سے امام حسینؑ کیلئے فرار ممکن نہ تھا۔

اگر اس تصور کو درست تسلیم کرلیا جائے تو ایسی شہادت نہ امام حسینؑ کیلئے باعثِ فضیلت ہے اور نہ وہ افراد موردِ الزام اور قابلِ مذمت قرار دئے جاسکتے ہیں جنہوں نے امامؑ کی نصرت سے اعراض کیا اور شہادت کے درجہ پر فائز نہیں ہوئے۔ کیوں کہ شہادت ان کے مقدر میں لکھی ہی نہیں تھی۔ اس صورت میں اس جبری شہادت پر امام حسینؑ کی ذات کسی کیلئے نمونہ اور اسوۂ عمل بھی نہیں بن سکتی۔

☆ دوسرا تصور یہ ہے کہ شہادت کو اختیار کے ساتھ قبول کیا جائے۔ یعنی

راہِ خدا میں اپنے رب کی رضا کیلئے آدمی اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہو۔ شہادت کا یہ وہ تصور ہے جس میں مکان و زمان کی کوئی قید و شرط نہیں کیوں کہ ذاتِ پروردگار ازلی ہے اور وہ ہر جگہ ہے جیسا کہ قرآن میں ہے

"فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ"

"تم جس طرف بھی رخ کرلو سمجھو وہیں خدا موجود ہے۔"

(سورہ بقرہ ۲ آیت نمبر ۱۱۵)

شہادت کا یہ تصور کسی خاص زمان و مکان سے مشروط نہیں لیکن یہ کہ انسان اپنے مقصد کے حصول کیلئے کسی خاص زمان اور مکان کو خود اختیار کرے تا کہ مقصد کے حصول میں شہادت مؤثر ہو جائے۔ ایسا شخص ہمہ وقت خود کو شہادت کیلئے تیار رکھتا ہے۔

اس طالبِ شہادت کے مقابلہ میں ایک کردار اس شخص اور اس رقیب کا ہوتا ہے جو اس کو شہید کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ وہ بھی اپنے منصوبہ کے تحت مکان و زمان کا انتخاب کرتا ہے۔ زمان و مکان کا انتخاب دو طرفہ ہے۔ جس فریق کی بھی حکمتِ عملی قوی ہو وہ اپنی پسند کا زمان و مکان حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

امام حسینؑ کے مسئلہ میں یزید اور بنی امیہ کی یہ کوشش رہی کہ جلد از جلد مخفی اور ہنگامی حالات میں امام حسینؑ کو شہید کردیں۔ اس کے برخلاف امامؑ کی یہ کوشش تھی کہ آپؑ کی شہادت چھپائے نہ چھپے اور قاتل بھی رنگے ہاتھوں نظر آئے اسی لئے آپؑ نے عین ۸ ذی الحجہ کو یہ کہتے ہوئے مکہ ترک کیا کہ:

"مجھے مکہ سے ایک یا دو بالشت باہر قتل ہونا پسند ہے۔"

(۲) مسئلۂ بیعت

یزید کی طرف سے بیعت کا مطالبہ کرنے پر امام حسین علیہ السلام کا اسے مسترد کرنا' امامؑ اور ان کے حامی اور ان کے مخالفین دونوں کے نزدیک مسلّمہ امر ہے۔ معاویہ نے کہہ دیا تھا کہ حسینؑ کسی صورت میں نہیں جھکیں گے۔ عمر سعد نے شمر سے کہا کہ حسینؑ کی رگوں میں ان کے باپ کا خون ہے وہ کبھی بیعت نہیں کریں گے لہٰذا عمر سعد نے بیعت کے مسئلہ کو حسینؑ کے سامنے سرے سے رکھا ہی نہیں۔ ادہر محمد ابن حنفیہ 'عبداللہ ابن عباس 'ابوبکر مخزومی نے امامؑ سے کہا کہ آپؑ شہروں سے دور رہیں اور کسی صورت میں یزید کی بیعت نہ کریں۔ خود امامؑ نے فرمایا کہ اگر میرے لئے کوئی پناہ اور ملجا نہ ہو تب بھی میں بیعت نہیں کروں گا۔ امامؑ کا بیعت کو مسترد کرنا کسی شرط سے مشروط نہیں تھا کہ اگر انصار و اعوان مل جائیں تو میں بیعت نہیں کروں گا۔ بہر صورت امامؑ کو یزید کی بیعت مسترد کرنا تھی تاکہ یزید کو یہ سند نہ مل سکے کہ حسینؑ نے اسکی بیعت کی ہے اور ساتھ ہی امت کو بھی یہ جواز نہ مل سکے کہ جب حسینؑ نے بیعت کرلی تو ہماری کیا حیثیت۔ اس میں انصار و اعوان کی موجودگی یا غیر موجودگی کی بات نہیں۔

(۳) اہلِ کوفہ کی دعوت

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ امامؑ کو اہلِ کوفہ کی طرف سے دعوت مدینہ ہی میں مل گئی تھی۔ یہ بات تاریخی اعتبار سے غلط ہے کیونکہ معاویہ کی موت کی خبر سب سے پہلے مدینہ پہنچی اور مدینہ میں بھی سب سے پہلے والیٔ مدینہ کے توسط سے

امامؑ کو ملی۔ امامؑ بھی جلد ہی مدینہ چھوڑ کر مکہ کی طرف نکلے ۔ آپؑ کے مکہ پہنچنے اور معاویہ کے مرنے کی خبر سننے کے بعد اہل کوفہ نے آپؑ کو دعوت دی۔ لیکن یہ کہنا بھی غلط ہے کہ امامؑ کو اہلِ کوفہ کی دعوت اچانک اور غیر متوقع طور پر ملی اور یکایک امامؑ نے کوفہ روانگی کا فیصلہ کیا۔ اگر چہ ظاہری طور پر پہلی بار اہلِ کوفہ کی طرف سے دعوت معاویہ کے مرنے کے بعد ہی ملی لیکن در حقیقت دس سال کے عرصہ سے امام حسینؑ اور اہلِ کوفہ کے درمیان روابط بر قرار تھے۔ اہلِ کوفہ امامؑ کو قیام کرنے اور کوفہ تشریف آوری کی دعوت دیتے تھے۔ لہٰذا اہلِ کوفہ کی دعوت کا مسئلہ غیر متوقع اور ہنگامی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ چیز امامؑ کی نظروں میں تھی ۔ البتہ یہ ایک مشروط چیز ہے کہ اگر کوفہ والے دعوت نہ دیتے یا اہلِ کوفہ کی دعوت پر مسلم کی طرف سے اطمینان دہی نہ ہوتی تو امامؑ کوفہ نہ جاتے۔ لیکن یہ ارادہ عملی طور پر مکہ میں مصمم ہوا۔ یعنی امامؑ کا قیام دوسرے مرحلہ میں داخل ہوا۔ امامؑ مدینہ سے کوفہ جانے کے ارادہ سے نہیں نکلے تھے۔ بلکہ مکہ پہنچ کر جو حالات پیدا ہوئے ان میں امامؑ نے کوفہ جانے کا فیصلہ کیا۔

(۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

امام حسینؑ کے قیام کا ایک اہم عنصر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جیسا کہ آپؑ کے وصیت نامہ اور دیگر مواقع پر آپؑ کے بیانات میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ ہم نے اپنی اس کتاب میں بھی بیان کیا ہے ۔ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مراحل اور مراتب ہیں ۔ ہر مرحلہ کیلئے کچھ شرائط ہیں ۔ جس مرحلہ کیلئے شرائط میسر ہو جائیں اس وقت اس مرحلہ کی انجام

وہی واجب ہوجاتی ہے۔اور اگر شرائط میسر نہ ہوں تو شرائط کے حصول کی تلاش اور تگ و دو واجب ہوتی ہے۔امام حسین علیہ السلام ہر آنے والے مرحلہ کیلئے شرائط تلاش کررہے تھے۔شرائط کی تلاش اور حصول کیلئے جدوجہد زمان و مکان سے مشروط نہیں۔حتیٰ کہ طاقت و قدرت سے بھی مشروط نہیں۔ چنانچہ ہر آئندہ مرحلہ کیلئے شرائط تلاش کرنا اور مہیا کرنا واجب و ضروری ہے۔

(۵) بازیابیٔ خلافت

امام حسین علیہ السلام کے اقدامات کا اہم رخ اور تمامتر توجہ بازیابیٔ خلافت کی طرف مرکوز تھی چنانچہ اگر تلاش کیا جائے تو اس بات کے بے شمار شواہد خود امامؑ کے خطابات اور کلمات کے علاوہ آپ کے اقدامات میں ملیں گے کہ آپؑ ہر منزل اور ہر موڑ پر یزید کی حکومت کو ناجائز قرار دیتے تھے، منصبِ خلافت کیلئے خود کو متعارف کراتے تھے اور خلافت کی بازیابی کیلئے ہر ممکن سعی فرماتے تھے۔ خلافت کی بازیابی کیلئے جو شرائط مقدّم تھیں آپؑ نے ان کیلئے اقدامات بھی فرمائے۔چنانچہ

(۱) یزید کی بیعت کو مسترد کر کے آپؑ نے اس کی حکومت کو غیر شرعی اور ناجائز قرار دینے کا گویا اعلان کیا۔بازیابیٔ خلافت کی طرف آپؑ کا یہ پہلا قدم تھا۔

(۲) امت کو سکوت و خاموشی کے عالم سے نکالنے اور ان کے لبوں سے مہرِ سکوت توڑنے، قیامِ حق اور امامِ حق کی شناخت کرانے کیلئے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے۔چنانچہ امامؑ یہ کہتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے

کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے نکل رہا ہوں۔ جو اس سمت میں امامؑ کا دوسرا اقدام ہے۔

معاشرہ سے سکوت و خاموشی توڑنے کے بعد دشمن کے خلاف اعلانِ جہاد کرنے کیلئے طاقت و قدرت کا میسر ہونا تیسری شرط ہے۔ اہلِ کوفہ کی مسلسل دعوت، خطوط اور حضرت مسلم کے توسط سے ۲۵ ہزار افراد کی بیعت نے امامؑ کیلئے یہ شرط جب پوری کردی تو امامؑ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور بازیابیٔ خلافت کیلئے امامؑ کی مہم تیسرے مرحلہ میں داخل ہو گئی۔

(۶) امامؑ کا اپنے اصحاب کو واپسی کی اجازت دینا

امام حسین علیہ السلام کا شبِ عاشور اپنے اصحاب سے خطاب کتبِ مقاتل میں موجود ہے۔ آپؑ نے اپنے تمام اصحاب کو ایک خیمہ میں جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ :-

"جیسے مشفق، مہربان اور باوفا اصحاب مجھے ملے کسی کو نہیں ملے۔ مجھے تم لوگوں کی صداقت اور وفاداری پر پورا بھروسہ ہے۔ اب حالات جہاں پہنچ چکے ہیں وہ تم سب کے علم میں ہے۔ ہماری عمر میں صرف آج کی رات اور باقی ہے۔ یہ لوگ صرف میری جان کے درپے ہیں۔ میں اگر ان کے ہاتھ آجاتا ہوں تو پھر ان لوگوں کو تم سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ یہ لوگ تمہیں تلاش نہیں کریں گے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تم سب اس رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں سے نکل جاؤ اور میرے اہلِ بیت کو بھی اپنے ساتھ

لے جاؤ۔ میں اپنی بیعت تمہاری گردنوں سے اٹھاتا ہوں۔"

امام حسین علیہ السلام کا اپنے اصحاب، اعوان و انصار کو واپس جانے کی اجازت دینا اور ان کی گردنوں سے اپنی بیعت اٹھانے کا یہ عمل امامؑ کے اس عمل سے متصادم اور متضاد نظر آتا ہے کہ ایک طرف تو آپؑ مکہ سے لے کر کربلا تک مختلف لوگوں سے مدد اور نصرت طلب کرتے ہوئے آئے یہاں تک کہ عبداللہ ابنِ عمر، عبیداللہ ابن حر جعفی اور عمرِ سعد جیسے لوگوں سے بھی نصرت طلب کی۔ جنہوں نے آپؑ کی نصرت نہیں کی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اہلِ بیتؑ کے مسلک پر نہ تھے لیکن امامؑ نے اس کے باوجود ان سے نصرت طلب کی۔ جب کہ دوسری طرف آپؑ ان افراد کو کہ جو ہر چیز چھوڑ کر آپؑ کی نصرت میں شہادت کو گلے لگانے آئے تھے شب عاشورا واپس جانے کی اجازت دے رہے ہیں اور ان کی گردنوں سے اپنی بیعت کو اٹھا رہے ہیں۔

امامؑ کے یہ دونوں عمل ایک دوسرے سے متصادم اور متضاد ہیں۔ جب کہ امامؑ کا کوئی قول دوسرے قول سے اور کوئی فعل دوسرے فعل سے متناقض نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت آیت اللہ شیخ کاشف الغطا سے بھی جب امامؑ کے اپنے اصحاب کو واپسی کی اجازت دینے کے بارے میں سوال کیا گیا کہ شب عاشور امامؑ کے اپنے اصحابِ باوفا کی گردنوں سے اپنی بیعت اٹھانے کی کیا وجہ ہے جب کہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ "اگر کوئی شخص ایسی حالت میں مر جائے کہ اس کی گردن پر امامؑ کی بیعت نہ ہو تو وہ شخص گویا جاہلیت کی موت مرا"۔؟ امامؑ اپنی بیعت کو ان کی گردنوں سے اٹھا کر آخر کیوں اپنے اصحاب کو جاہلیت کی موت مرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔؟ اسکے علاوہ امامؑ کی حفاظت کرنا اور امامؑ کے

ساتھ ان کے دشمنوں سے جنگ کرنا واجباتِ شرعیہ میں سے ہے پھر آخر کیوں امام اپنے اصحاب کو ترکِ واجب کی ترغیب دے رہے ہیں جب کہ امام کی طرف سے واپس لوٹ جانے کی اجازت کو اصحاب قبول نہیں فرما رہے؟ امام کے اس اقدام کو اس بات سے بھی تعبیر نہیں کیا جاسکتا کہ آپ اپنے اصحاب کا امتحان لے رہے ہیں۔ کیوں کہ یہ باوفا اصحاب تمام امتحانی مراحل پہلے ہی طے کر چکے ہیں جیسا کہ امام خود فرما رہے ہیں کہ "میرے جیسے باوفا اصحاب کسی کو نہیں ملے۔؟"

آیت اللہ شیخ کاشف الغطا قدس سرہ اس سوال کا یوں جواب دیتے ہیں:۔

"امام علیہ السلام اچھی طرح جانتے تھے کہ دشمن صرف آپ کے خون کا پیاسا ہے اور اب حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ ان اصحابِ باوفا کی موجودگی بھی آپ کی جان محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ اگر امام اس منزل پر ان کو واپس لوٹ جانے کی اجازت نہیں دیتے تو امام پر یہ اعتراض کیا جاسکتا تھا کہ اب جب کہ ان اصحابِ باوفا کا امام کی جان بچانے میں کوئی کردار باقی نہیں رہ گیا تھا تو آپ نے ان کو چلے جانے کی اجازت کیوں نہیں دے دی۔ لہٰذا حوادثِ زمانہ نے جب یہ رخ اختیار کیا اور حالات اس نہج پر پہنچ گئے کہ جب اس مقصد کا حصول ہی ناممکن ہوگیا جس مقصد کے لئے امام اٹھے تھے اور قیام کیا تھا تو ایسی صورت میں اپنے جانثاروں کو اور خود اپنے آپ کو قتل کیلئے پیش کرنا غیر منطقی ہے۔ اسی لئے آپ نے آخری لمحات میں فرمایا کہ "مجھے واپس جانے دو"۔ البتہ امام کا واپس جانے کی خواہش کرنا اس لئے نہیں تھا کہ آپ گوشہ عزلت میں بیٹھنا چاہتے تھے بلکہ اس لئے تھا کہ اپنے مقصد اور قیام و نہضت کیلئے از سرِ نو تیاری کی جائے"۔

---☆---☆---

واقعہ کربلا سے مربوط

بعض شخصیات کا مختصر تعارف

عبداللہ ابنِ عباس

جب حضرت امام حسین علیہ السلام ۸ ذی الحجہ کو مکہ چھوڑ کر عراق روانہ ہونے کے لئے تیار ہوئے تو عبداللہ ابنِ عباس نے آپؑ کو اس سفر سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ لیکن امام علیہ السلام نے فرمایا کہ "میں عزمِ سفر کر چکا ہوں۔ اس پر ابن عباس نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو آپ اپنے ساتھ اہلِ بیت کو نہ لے جائیں۔"

امام حسین علیہ السلام کا حتمی ارادہ معلوم ہونے کے بعد 'ابنِ عباس جیسی عظیم شخصیت کا 'اسی خاندان کا فرد ہوتے ہوئے امام حسینؑ کا ساتھ نہ دینا ہر شخص کے ذہن میں ایک سوال پیدا کرتا ہے۔ ممکن ہے بعض لوگ اس مسئلہ میں ابنِ عباس کو تنقید کا نشانہ بنائیں اور اعتراض کریں کہ ایسی حالت میں انہوں نے امام کو تنہا کیوں چھوڑا۔ اس سوال نیز کتبِ سیرو تاریخ میں ابنِ عباس پر کئے جانے والے دوسرے اعتراضات "کا جواب دینے سے پہلے ہم ابنِ عباس کی زندگی پر سرسری نظر ڈالیں گے۔

عبداللہ ابنِ عباس 'حضرت رسول اللہؐ کے چچا حضرت عباس کے سب سے

بڑے فرزند ہیں۔ اس موقع سے استفادہ کرتے ہوئے اور خود عبداللہ ابنِ عباس کی شخصیت سے مکمل طور پر آگاہ ہونے کے لئے ہم آپ کے والدِ بزرگوار کی زندگی کے بارے میں چند سطور پیش کریں گے۔

عباسؓ

آپ کا نام عباس ابن عبدالمطلب اور کنیت ابوالفضل ہے۔ آپ عام الفیل سے دو یا تین سال قبل پیدا ہوئے ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دوش بدوش ہوتے تھے۔ بیعتِ عقبۂ اوّل و دوّم میں جب پیغمبرؐ نے مدینہ کے انصار سے بیعت لی اس وقت بھی آپ پیغمبرِ اکرمؐ کے ساتھ تھے۔ مدینہ سے آنے والے انصار سے آپ نے کہا کہ اگر تم اس بات کی ضمانت دو کہ تم جس طرح اپنی آل و اولاد کا دفاع کرتے ہو اسی طرح محمدؐ کا بھی کرو گے —— اور اس بات کا وعدہ کرو تو ہم محمدؐ کو مدینہ بھیجنے کے لئے تیار ہیں ورنہ آنحضرتؐ یہاں اپنی قوم و امت کے درمیان عزیز و محترم ہیں۔"

پیغمبرِ اکرمؐ کے مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد بھی آپ مکہ میں ہی رہے۔ آپ پیغمبرؐ پر ایمان لا چکے تھے لیکن جب تک آپ مکہ میں رہے اس وقت تک اپنے ایمان لانے کو پوشیدہ رکھا۔ آپ مکہ میں رہ کر مکہ، اہلِ مکہ و مشرکینِ مکہ کے حالات و واقعات سے پیغمبرِ اکرمؐ کو آگاہ کرتے رہتے تھے ----- جب آپ نے خود پیغمبرؐ سے مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت طلب کی تو پیغمبرِ اکرمؐ نے آپ کو پیغام بھیجا کہ "آپ اپنی جگہ پر رہیں، شاید خداوند عالم آپ کی ذات پر ہجرت کو تمام کرے گا، جس طرح نبوت کو مجھ پر ختم کیا۔"

جنگِ بدر کے موقع پر عباس بحالت مجبوری مشرکین کے لشکر میں شامل ہوئے اور بدر آئے اور جنگ کے دوران لشکرِ پیغمبرؐ نے آپ کو اسیر کیا اور پیغمبرِ اکرمؐ نے فدیہ دے کر آپ کو آزاد کرایا۔

پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد جناب عباس نے حضرت علیؑ سے کہا!

"میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں تاکہ لوگ کہیں کہ پیغمبرؐ کے عم نے علیؑ کی بیعت کرلی ہے ---" وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد آپ ہمیشہ حضرت علیؑ کے ساتھ رہے۔

آپ کے دس بیٹے تھے جن میں سب سے نمایاں عبداللہ ابن عباس ہیں۔

عبداللہ ابن عباس

جناب عباس کی اولاد میں سب سے بڑے فرزند عبداللہ تھے۔ عبداللہ نہایت بزرگ و محترم، فاضل، عالم، مفسر اور علم و فضل کے مالک تھے۔ آپ ہجرتِ پیغمبرؐ سے تین سال قبل جب پیغمبرؐ شعبِ ابی طالب میں تھے، پیدا ہوئے۔ پیدائش پر پیغمبرِ اکرمؐ نے اپنے لعابِ دہن سے آپ کی تحنیک کی۔ رحلتِ پیغمبرؐ کے موقع پر آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔

پیغمبرؐ کے بعد آپ (عبداللہ) ہمیشہ حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے شاگرد رہے، یہاں تک کہ آپ کو حبر امت یا مجرد امامِ مفسرین کا لقب ملا۔

کتاب "علی والحاکمون" اور دیگر کتب میں نقل ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ "اس امتِ اسلامی کے لئے مصیبت اور سب سے بڑی مصیبت اس دن پیش

آئی جس دن پیغمبرِ اکرمؐ نے امت کو ضلالت و گمراہی سے بچانے کے لئے کچھ تحریر لکھنا چاہی اور پیغمبرؐ کو تحریر نہیں لکھنے دی گئی' وہ دن جمعرات کا تھا' لہٰذا آپ بار بار فرماتے تھے الخمیس ما الخمیس 'یہ فرما کر آپ اس شدت سے گریہ فرماتے کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی تھی۔"

ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ "ایک دن عمر نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ سے کہا: "میرا خیال ہے کہ تمہارا صاحب (یعنی امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام) مظلوم ہے تو میں نے جواب میں کہا کہ اگر مظلوم ہے تو اس کا حق اس کو واپس کر دو۔ یہ سن کر عمر نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے کھینچ لیا' آگے جا کر کچھ توقف کے بعد کہا" ——میرے خیال میں علیؑ کو خلافت ملنے میں کم سنی کے علاوہ کوئی اور رکاوٹ نہیں تھی' تو ابنِ عباس نے کہا کہ خدا اور اس کے رسولؐ نے جب سورۂ برأت لے کر علیؑ کو بھیجا تو انھوں نے ان کی کم سنی کو کیوں نہیں دیکھا۔"

ابنِ عباس اور امامتِ اہل بیتؑ

ابنِ عباس بہت ہی حاضر جواب تھے' وہ ہمیشہ دشمنانِ اہل بیتؑ کو دندان شکن جواب دیتے تھے۔ آیاتِ قرآن' عقل اور روایاتِ رسول اللہؐ سے اہلِ بیت کی حقانیت کو ثابت کر کے اہلِ بیت کے دشمنوں کو لاجواب کر دیتے تھے۔

"ایک مرتبہ معاویہ نے ابنِ عباس سے کہا کہ ہم نے اپنے تمام گورنروں کو نوشتہ لکھ کر بھیجا ہے' ان کو تاکید کر دی ہے کہ آج کی تاریخ سے منبر سے علیؑ کے تمام فضائل و مناقب کا بیان بند کر دیں لہٰذا تم بھی اس سے باز آجاؤ۔

یہ سن کر ابنِ عباس نے کہا: کیا تم ہم کو کلامِ مجید کی تلاوت سے روکنا

چاہتے ہو؟ معاویہ نے کہا نہیں —— ابنِ عباس نے کہا ہم کو تاویل و تفسیر سے روکنا چاہتے ہو تو معاویہ نے کہا "ہاں تاویل نہ کرو۔" تو ابنِ عباس نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم قرآن پاک کی تلاوت کریں اور اس کے معانی و مفہوم کو نہ سمجھیں —— آیا قرآنِ پاک کی تلاوت واجب ہے یا اس پر عمل کرنا واجب ہے؟ معاویہ نے کہا! عمل کرنا واجب ہے تو ابن عباس نے کہا! قرآن کو سمجھے بغیر اس پر عمل کیسے کر سکتے ہیں، جب تک کہ خدا کا حکم ہی نہ معلوم ہو۔ تو معاویہ نے کہا کہ اس کے معانی، مطالب و تفسیر تم خود نہ کرو بلکہ ان سے پوچھو جو تمہارے مخالف ہوں۔ اس پر ابن عباس نے کہا کہ قرآن ہمارے گھر میں نازل ہوا اور تفسیر ہم آلِ سفیان اور آلِ معت (آل ابی العاص) سے پوچھیں تو معاویہ نے کہا کہ جو کچھ تفسیر و تاویل آپ کریں اس کو چھپا کر کریں تاکہ لوگوں پر ظاہر نہ ہو۔"

اسی طرح ابنِ عباس ہمیشہ حضرت علیؑ کے حامی، مدافع اور دست و بازو بن کر رہے —— جنگِ جمل میں وہ علی کے لشکر میں (بائیں طرف) میسرے کے سربراہ تھے اور طلحہ اور زبیر سے گفتگو کے لئے وہ علیؑ کے نمائندہ بن کر گئے تھے۔ صفین اور نہروان میں وہ علیؑ کے ساتھ رہے۔ تحکیم کے موقع پر حضرت علیؑ نے آپ ہی کو اپنا نمائندہ منتخب کیا لیکن گستاخ لوگوں نے آپ کی نمائندگی کو مسترد کیا۔

ابنِ عباس حضرت علیؑ کی طرف سے بصرہ میں والی رہے۔

حضرت علیؑ نے خلافت کے بارے میں جب مشہور و معروف خطبہ شقشقیہ کو روکا تو ابن عباس نے اٹھ کر عرض کیا آپؑ خطبہ کو جاری رکھیں تو حضرتؑ

نے فرمایا نہیں، یہ ایک شقشقیہ تھا جو مجھ سے نکل گیا تو ابنِ عباس نے کہا آج (خطبہ منقطع ہونے کا) جتنا صدمہ و رنج مجھے ہوا، کبھی نہ ہوا تھا۔

۲۱ رمضان شہادتِ جناب امیرؑ کی صبح ابن عباس نے مسجدِ کوفہ میں اہلِ کوفہ سے خطاب کر کے لوگوں کو امام حسن مجتبیٰؑ کی خلافت کی طرف دعوت دی۔ صلحِ امام حسنؑ کے بعد ابنِ عباس نے شام جا کر دربارِ معاویہ میں معاویہ، عمر عاص، مروان، ولید ابن عتبہ، مغیرہ ابن شعبہ کے سامنے امیرالمومنین حضرت علیؑ و اہلِ بیتؑ کے فضائل کو بیان کیا اور بنی امیہ کی سیاہ تاریخ بھی بیان کی اور ان کے سوالات اور اعتراضات کے دندان شکن جواب دیئے۔

کتبِ رجال میں ان کا شمار پیغمبرِ اسلامؐ، حضرت امیرالمومنینؑ، حضرات حسنین علیہم السلام کے نامور، جلیل القدر اور مخصوص صحابیوں میں کیا گیا ہے۔ آپ کی اہلِ بیتؑ سے دوستی، حضرت علیؑ اور حضرات حسنین علیہم السلام کی حمایت اور دفاع اور ان کے دشمنوں کو دندان شکن جواب دینے کے سبب اس وقت بنی امیہ نے اور بعد میں بنی امیہ نوازوں نے آپ کی دشمنی میں، آپ سے اہل بیت کو دور رکھنے کے لئے طرح طرح کی تہمتیں اور من گھڑت باتیں نقل کی ہیں اور بعض نے ان روایات کو غلط طور پر اہل بیتؑ سے منسوب کر کے نقل کیا ہے۔ حضرت آیت اللہ ابوالقاسم خوئی نے اپنی کتاب معجم رجال ص ۴۵/۴۹ میں عبداللہ ابن عباس کے بارے میں، رجالِ تشیع اور علامہ حلی سے نقل کیا ہے کہ ابنِ عباس کا مقام و منزلت اس درجہ اعلیٰ و ارفع ہے کہ وہ ہر اعتراض و تنقید سے بالاتر ہیں۔ آپ پر کوئی تنقید و اعتراض ممکن ہی نہیں۔

اہلِ بیت علیہم السلام کی مظلومیت پر روتے روتے جب ابنِ عباس

آنکھوں سے محروم اور نابینا ہو گئے تو اس وقت آپ نے ایک شعر پڑھا اور کہا:۔

"میری آنکھوں کا نور گیا لیکن میرے دل میں نور ہے' میری زبان میں نور ہے' میری زبان تیغِ براں ہے۔"

تاریخ امامت و سیاست میں ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ جب معاویہ نے مدینہ میں آکر یزید کی ولی عہدی کا اعلان کیا تو معاویہ پر سخت اعتراض کرنے والوں میں ایک حضرت عباس بھی ہیں ــــ آپ نے کہا کہ انتخاب یا تو قرآن اور سنّت کی رو سے کرو۔ یا سیرتِ شیخین پر چلو یا پھر اس مسئلہ کو امت پر چھوڑو۔ اس قدر سخت اعتراضات کے باوجود معاویہ یزید کی ولی عہدی کے اعلان سے باز نہ آیا۔

اپنی ہلاکت کے موقع پر معاویہ نے یزید کو جن افراد سے (یعنی عبداللہ ابنِ عمر' عبداللہ ابنِ زبیر اور امام حسین علیہ السلام) خبردار کیا تھا ان میں ابنِ عباس کا نام نہیں لیا' یہ بات اس امر کی واضح دلیل ہے کہ پہلے تین افراد الگ الگ نظریئے کے حامل ہیں اور حسینؑ اور ابنِ عباس ایک ہیں۔ ابنِ عباس جو آواز اٹھاتے ہیں' وہ امام حسینؑ ہی کے لئے اٹھاتے ہیں۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام سے عمر میں بڑے ہونے کے باوجود آپؑ کی موجودگی میں امامت کے منصبِ عظمیٰ و خلافت کے لئے کبھی خود کو پیش نہیں کیا۔

ابنِ عباس امام حسینؑ کی محبت میں فنا تھے' لہٰذا انہوں نے امام حسین علیہ السلام کا نام پیش کیا۔

امام حسین علیہ السلام نے جب مکّہ چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کر لیا تو ابنِ عباس نے ابنِ زبیر سے کہا کہ حسینؑ کے مکہ چھوڑنے سے تمہارے دل کی آگ

ٹھنڈی ہو گئی ہو گی۔ مکہ تمہارے لئے خالی ہو گیا تو اس پر ابنِ زبیر نے کہا تم لوگ دوسرں کے مقابلے میں ہمیشہ اپنے کو اس منصب کا حقدار سمجھتے ہو' جواب میں ابنِ عباس نے کہا کہ سمجھنا اور دیکھنا وہاں ہوتا ہے جہاں انسان کو کسی قسم کا شک و شبہ ہو ہم تو اس منصب کے اہل ہونے کا یقین رکھتے ہیں ------ لیکن تم بتاؤ تم خود کو تمام عرب سے زیادہ کس بناء پر حقدار سمجھتے ہو' ابنِ زبیر نے کہا کہ اپنے عزو شرف کی وجہ سے' تب ابنِ عباس نے کہا تمہیں یہ شرف کہاں سے ملا ہے؟ تمہارا شرف زیادہ ہے یا اس کا شرف جس سے تم کو شرف ملا؟

جب ابنِ زبیر نے حجلۂ عروسی میں اپنی زوجہ سے کہا کہ اس وقت تمہارے پاس قریش میں سب سے زیادہ صاحبِ شرف شخص بیٹھا ہے تو اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ اگر اس وقت یہاں قریش میں سے کوئی ہوتا تو تم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ سن کر ابنِ زبیر نے ابنِ عباس کو بلایا اور وہ حَکَم کے طور پر آئے اور ابنِ زبیر سے پوچھا کہ یہ شرف کہاں سے حاصل ہوا تو اس نے کہا کہ صفیہ اور خدیجہ کی وجہ سے' تب ابنِ عباس نے کہا کہ تو یہ بتا تیرا شرف زیادہ ہے یا ان کا شرف جن سے تو نے یہ شرف پایا ہے؟

ابنِ عباس کے اس طرح کے دنداں شکن جوابات کی بنا پر' ہر وہ شخص جو دشمنِ اہل بیتؑ ہے خواہ وہ بنی امیہ ہوں یا بنی زبیر' ان کی آنکھوں میں عبداللہ ابن عباس کانٹے کی طرح کھٹک رہے تھے' لہٰذا جب ابن زبیر نے مکہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تو اس نے ابنِ عباس اور محمد بن حنفیہ اور بنی ہاشم کے دیگر افراد کو ایک گھر میں جمع کیا اور مکان کے گرد لکڑیاں جمع کر کے ان افراد سے بیعت کا مطالبہ کیا اور بیعت نہ کرنے کی صورت میں اس گھر کو جلا ڈالنے کی

دھمکی دی۔ یہاں تک کہ مختار کے لوگوں نے آکر ان کو وہاں سے آزاد کرایا۔

اس واقعہ کے بعد ابنِ عباس مکہ چھوڑ کر طائف چلے گئے "آخری عمر تک وہیں رہے اور وہیں آپ نے وفات پائی۔

کتاب الاثر میں نقل ہے کہ آپ کی علالت کے دوران اس دور کی تمیں مقتدر شخصیات کے ساتھ "عطا" عبداللہ ابن عباس کی عیادت کے لئے گئے عطا بیان کرتے ہیں کہ ہم آپ (ابن عباس) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ گئے تو ابنِ عباس نے پوچھا کہ یہ قوم کون لوگ ہیں ؟میں نے کہا یہ شیوخ بلد ہیں ۔پھر میں نے ہر ایک کے نام ان کو بتائے اور ہم سب نے ان سے کہا کہ آپ نے رسول اللہؐ کو دیکھا ہے اور آنحضرتؐ سے آپ نے حدیث سنی ہے تو ہمیں آپ امت کے اختلافات کے بارے میں بتائیں کہ ایک قوم نے علیؑ کو دوسروں پر مقدم کیا جبکہ دوسروں نے کسی اور کو مقدم کیا اور علیؑ کو موخر کیا یہ سن کر ابنِ عباس نے ایک سرد آہ کھینچی اور کہا میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "علی حق کے ساتھ ہے اور حق علی کے ساتھ ہے 'میرے بعد علیؑ ہی میرا خلیفہ اور میرا وصی ہے 'جس نے علی کو چھوڑا وہ ضلالت اور گمراہی کے غار میں گرا' یہ بیان کر کے وہ بہت روئے۔

یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا آپ روتے ہیں ؟جبکہ رسول اللہؐ کی نظر میں آپ کا مقام و مرتبہ اس قدر بلند ہے۔تو آپ نے فرمایا میں دو وجہ سے روتا ہوں ایک تو خوفِ محشر ہے اور دوسرا سبب احباب سے جدائی و دوری ہے۔ اس کے بعد یہ لوگ چلے گئے ۔اس کے بعد ابنِ عباس نے مجھ سے کہا "میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے صحن تک لے چلو" ہم ان کو صحن میں لے گئے انہوں نے اپنے ہاتھ بلند کئے اور

بارگاہِ خداوندی میں یوں دعا کی "خداوندا! میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کو وسیلہ بنا کر تیری بارگاہ میں قرب چاہتا ہوں۔ خداوندا! اس مردِ جلیل القدر علیؑ کے توسط سے تیری بارگاہ میں قرب چاہتا ہوں۔ اتنا کہہ کر وہ زمین پر گر پڑے، تھوڑے توقف کے بعد جب ہم نے آپ کو اٹھانا چاہا تو وہ رحمتِ حق سے ملحق ہو چکے تھے۔"

یہ ہے حضرت عبداللہ ابن عباس کی زندگی کہ جن کی ساری عمر امامت کی حمایت میں بسر ہوئی۔

ان پر اعتراضات عائد کرنے والے یا تو دشمنانِ اہل بیتؑ ہیں جنہوں نے ان کی اہل بیت علیہم السلام سے وابستگی اور انؑ کے دفاع کے جرم میں ان پر اعتراض کیے یا بعض لوگوں نے ناسمجھی، نادانی اور تاریخ سے ناآشنائی کی بنا پر ایسا کیا ہے۔

جہاں تک امام حسین علیہ السلام کے سفرِ عراق کے موقع پر امامؑ کے ساتھ نہ جانے کا مسئلہ ہے تو اس کا ایک سبب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابنِ عباس اس وقت دونوں آنکھوں سے محروم ہو چکے تھے اور یہی وجہ ہوگی کہ امام حسینؑ نے بھی ان سے ساتھ چلنے کی خواہش نہیں کی بلکہ آپ کی نصیحت کے جواب میں امامؑ نے آپ سے فرمایا "خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ میں سمجھتا ہوں آپ نے عقل و فراست کی بات کی ہے، آپ میرے ناصح اور مشفق ہیں، چاہے میں آپ کے مشورے پر عمل کر سکوں یا نہ کر سکوں، میں آپ کو صحیح مشورہ دینے والوں میں شمار کرتا ہوں۔"

ابنِ عباس امام حسینؑ کے قیام کے مخالف نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے امامؑ کو اس قیام سے باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ ان کو یہ مشورہ دیا کہ خود جانے

سے پہلے اپنے نمائندوں کو بلادِ اسلامیہ میں بھیجیں۔

اگر ہم یہاں ابنِ عباس کا امام حسینؑ کے ساتھ سفر میں شریک نہ ہونے کا ایک اور سبب پیش کریں تو غلط اور ابنِ عباس کی شخصیت کے لئے نامناسب نہ ہوگا وہ یہ کہ جس طرح امام حسین علیہ السلام نے محمد ابنِ حنفیہ کو مدینے کے حالات سے آگاہ رکھنے کے لئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تھا اسی طرح ابنِ عباس کو بھی مکّہ کے حالات سے آگاہ کرنے اور ان دیگر مسائل کو کہ جو امامؑ سے مربوط تھے حل کرنے کے لئے مکہ ہی میں رہنے کا حکم دیا ہو۔ کیونکہ امام حسین علیہ السلام کا قیام دنیا کے دیگر افراد کی مانند نہیں کہ جہاں انکو حکومت ملتی ہو وہاں ان کا قیام ہے جہاں ان کو حکومت نہ ملتی ہو وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے۔

---☆---☆---

محمد ابنِ حنفیہ

جناب محمد حنفیہ کی کنیت ابو القاسم۔ آپ کی والدہ خولہ بنت جعفر ابن مسلم بن عبد اللہ بن طالبہ بن بربوع بن دول لجیم بن حنفیہ تھیں۔

جناب خولہ اسیرانِ جنگ میں سے تھیں لیکن اس امر پر اختلاف ہے کہ کس جنگ میں اسیر ہوئیں ---- مشہور ہے کہ حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں جب مالک بن نویرہ نے خلیفۂ اول کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا' تو خلیفہ نے اس کو مرتدین میں شمار کر کے خالد ابن ولید کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ کیا۔ باوجودیکہ مالک بن نویرہ اور اس کی قوم نے توبہ کر لی تھی۔ خالد بن ولید نے ان پر لشکر کشی کی' ان کے مردوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں کو اسیر کیا۔ ان اسیر عورتوں میں سے ایک جناب خولہ تھیں' جو نہایت ہی باعفت' بافضیلت خطیبہ تھیں۔ اس محترم خاتون نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ اگر ان کی قوم کے مردوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا تو اس میں عورتوں کا کیا جرم۔ غرض کہ حضرت ابوبکر نے غنائم کی تقسیم میں خولہ کو حضرت علیؑ کے حصّہ میں دیا (شرحِ نہج البلاغہ' ابن ابی الحدید۔ ج ا۔ ص ۲۴۳)

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں جب قبیلہ بنی اسد نے قبیلۂ حنفیہ پر شب خون مارا تو اس میں خولہ اسیر ہوگئیں۔ان کو مدینہ میں فروخت کیا گیا۔تو حضرت علیؑ نے خرید کر آزاد کر دیا' بعد میں ان کو اپنے عقد میں لے لیا۔

(زندگانی امیرالمومنینؑ۔ج ۲۔ص ۲۳۶)

کتاب وافیہ الائمہ جلد چہارم ص ۱۲۹ رجال ۵۵۹ میں محمد ابنِ حنفیہ کے بارے میں نقل ہے کہ پیغمبرِ اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو بشارت دی کہ میرے بعد خداوندِ عالم آپ کو ایک فرزند عطا فرمائے گا' اس کا نام میرا نام ہوگا اور اس کی کنیّت میری کنیّت ہوگی۔اسی کتاب میں مذکور ہے کہ محمد ابنِ حنفیہ حاملِ علمِ کثیر اور صاحبِ ورع تھے' زہد و تقویٰ کے مالک اور عابد و شجاع تھے۔

کتاب انساب ابی طالب ص ۳۵۲ میں تحریر ہے کہ حضرت علیؑ کی اٹھائیس اولادوں میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے بعد سب سے افضل جناب ابنِ حنفیہ اور حضرت ابوالفضل عباس تھے۔

محمد ابنِ حنفیہ کی شجاعت کی خبر سن کر عبداللہ بن زبیر پر رعشہ طاری ہوجاتا تھا۔جنگِ جمل میں محمد حنفیہ علمبردار تھے اور اس جنگ میں وہ امام حسنؑ اور مالکِ اشتر کے شانہ بہ شانہ لڑے تھے — ان کی شجاعت دیکھ کر انصار نے حضرت علیؑ سے کہا کہ اگر خداوندِ عالم نے حسنین علیہم سلام کو فضیلت نہ دی ہوتی تو ہم محمد حنفیہ پر کسی کو بھی فوقیت نہ دیتے۔

جنگِ صفین میں جناب امیرؑ محمد حنفیہ کو بار بار حملہ کے لئے میدان جنگ میں بھیجتے تھے۔اس پر کسی شخص نے محمد سے کہا کہ آپ کے والد ہمیشہ جنگ میں آپ

کو بھیجتے ہیں حسنینؑ کو نہیں بھیجتے۔ آپ نے فرمایا میں اپنے باپ کا ہاتھ ہوں اور حسنینؑ ان کی آنکھیں ہیں' جب آنکھ کو خطرہ ہو تو اسے ہاتھ سے روکتے ہیں۔

ایک اور روایت کے مطابق جنگ میں بار بار بھیجے جانے پر محمد حنفیہ نے جناب امیر (اپنے والد) سے شکایت کی کہ آپ مجھی کو بار بار بھیجتے ہیں حسنینؑ کو نہیں تو حضرتؑ نے فرمایا "تو میرا بیٹا ہے اور حسنینؑ فرزندانِ رسول اللہؐ ہیں"۔

جناب امیرؑ اپنے بیٹے محمد حنفیہ سے فرماتے ہیں "اے بیٹے! پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جائیں' مگر تم اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا' اپنے دانتوں کو مضبوطی سے ایک دوسرے سے پیوست کر لو' اپنا کاسہ سر خدا کو عاریۃً دے دو' زمین میں اپنے پاؤں میخ کی طرح جما دینا' تمہاری نگاہوں کی زد میں دشمن کے لشکر کی آخری صف رہے۔ اپنی نظر جھکائے رکھنا۔" (نہج البلاغہ خطبہ ۱۱)

غرض محمد حنفیہ ایک معروف مردِ شجاع اور اپنے دور کے قوی انسانوں میں شمار ہوتے تھے۔

معاویہ کے دور میں ایک بار بادشاہ روم نے معاویہ کو لکھا ہمارے پاس بہت سے ایسے افراد موجود ہیں جو دوسروں کے مقابلہ میں قابلِ فخر صلاحیت کے مالک ہیں۔ اور قوت و طاقت میں دوسروں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اگر ایسے کوئی افراد تمہارے پاس ہیں تو مقابلہ پر لاؤ۔ چنانچہ اس نے دو آدمیوں کو معاویہ کے پاس بھیجا جن میں ایک تو نہایت طویل القامت تھا اور دوسرا حد درجہ قوی اور قدرتمند تھا۔ معاویہ ان کو دیکھ کر حیران ہوا وہ پریشان و سرگردان تھا کہ ان کے مقابلے میں کس کو لائے۔ اس کی پریشانی اور حیرانی دیکھ کر کسی شخص نے اس سے کہا کہ افراد تو ہمارے پاس ہیں لیکن وہ تمہارے دشمن ہیں۔ شرط یہ ہے کہ

تم گوارہ کرو اور وہ لوگ بھی قبول کریں ---معاویہ نے پوچھا وہ کون ہیں۔ ؟اس شخص نے بتایا کہ طویل القامت کے مقابلہ کے لئے قیس ابنِ سعد ابنِ عبادہ کو لائیں اور قوی الجثہ قدرتمند شخص کے مقابلے کے لئے محمد حنفیہ کو لائیں۔

چنانچہ جس وقت محمد حنفیہ دربار میں وارد ہوئے تو روم کے اس قوی و قدرتمند شخص سے کہا "میں کھڑا رہتا ہوں تو مجھے بٹھا دے ---اور تو بیٹھا رہ میں تجھے اٹھاتا ہوں — یا— اس کے برعکس میں بیٹھتا ہوں تو مجھے اٹھا اور تو کھڑا رہ میں تجھے بٹھادوں"۔

وہ رومی جناب محمد حنفیہ کا مقابلہ نہ کرسکا اور اپنی ہار تسلیم کرلی۔

محمد حنفیہ کی شخصیت علم و ایمان، زہد و تقویٰ کا نمونہ تھی اور مقامِ امامت کے لئے جذبہ تسلیم اور خاضع دل رکھتے تھے۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے شہادت کے موقع پر جناب محمد حنفیہ سے وصیت کرتے ہوئے فرمایا "اے محمد میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اپنے دونوں بھائیوں (حسنؑ و حسینؑ) کی تعظیم اور ان کا احترام کرنا کیونکہ ان دونوں بھائیوں کا مقام تم سے بلند ہے۔ ان دونوں کے فیصلوں سے ہٹ کر کبھی کوئی فیصلہ نہ کرنا"۔ ---اس کے بعد امام نے حسنینؑ کو اپنی طرف متوجہ کرکے فرمایا "میں تم دونوں کو محمد کے بارے میں وصیت کرتا ہوں ---یہ تمہارا بھائی ہے تمہارے باپ کا فرزند ہے" "تم دونوں جانتے ہو کہ تمہارا باپ محمد سے بہت پیار کرتا ہے"۔

امام حسنؑ سے مروی ہے کہ حضرت امیرالمومنین نے بصرہ میں محمد حنفیہ کے بارے میں فرمایا کہ اگر میرے اوپر دنیا و آخرت میں احسان کرنا چاہتے ہو تو محمد

کے ساتھ نیکی کرنا۔

امام حسنؑ نے اپنی شہادت کے موقع پر قنبر کو بھیج کر محمد حنفیہ کو اپنے حضور طلب کیا اور فرمایا "برادر اس وقت میری وصیت کو توجہ سے سنیں"۔ آپ علم کے صندوق بنیں، تاریکیوں کے چراغ بنیں۔ خداوندِ عالم نے اولادِ ابراہیمؑ سے امامت کو قرار دیا ہے اسی اولادِ ابراہیم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ میں آپ کے بارے میں خوف و حسد نہیں رکھتا کہ آپ میں حسد آجائے کیونکہ حسد کافر ہی میں ہوتا ہے۔ خداوندِ عالم نے آپ پر شیطان کو مسلط نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا میرے بعد حسینؑ امامِ وقت ہیں۔ خدا کی کتاب اور پیغمبرؐ کی سنت کے تحت حسینؑ کو منصبِ امامت کے لئے منتخب کیا گیا۔ جس طرح پیغمبرِ اکرمؐ نے علیؑ کو منتخب کیا اور علیؑ نے مجھ کو منتخب کیا اسی طرح میں نے حسینؑ کا انتخاب کیا ہے......"

تب محمد حنفیہ نے عرض کیا آپ میرے امام ہیں، پیغمبرِ اکرمؐ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ کاش آپ سے ان جملہ کو سننے سے پہلے ہی مجھے موت آجاتی۔ حسینؑ دنیا میں ہم سب سے اعلم ہیں پیغمبر سے قریب تر ہیں۔ تخلیقِ کائنات سے پہلے وہؑ عالم و فقیہ تھے، تکلم سے پہلے (یعنی جب انسان نے بولنا بھی نہ سیکھا تھا) انھوں نے وحیٔ الٰہی کو پڑھا۔ ہم آپ کے اور خدا کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہیں جس پر آپ راضی ہیں ہم بھی راضی ہیں۔ اس کے بعد حضرت امام حسنؑ نے امام حسینؑ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "میں آپ کو محمد کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ محمد ہمارے لئے اس جلد کی حیثیت رکھتے ہیں جو دونوں آنکھوں کے درمیان ہوتی ہے۔"

کسی نے امام محمد باقرؑ سے محمد حنفیہ کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: "محامد خدا کا عصیان نہیں کرتے" اس پر امامؑ سے سوال کیا کہ محامد کون ہے؟ امامؑ نے فرمایا "محمد ابنِ جعفر، محمد ابنِ ابی بکر، محمد ابنِ حذیفہ یمانی اور محمد ابنِ حنفیہ ہے۔"

محمد ابنِ حنفیہ کے بارے میں ایک شبہ:

جب امام حسینؑ نے یزید ابنِ معاویہ کی بیعت کو مسترد کر کے مدینہ چھوڑا اور مدینہ سے مکہ کی طرف اور مکہ سے عراق کی جانب روانہ ہوئے ---- اور ہر جگہ، ہر مقام پر مختلف لوگوں سے جو افراد آپؑ کو جانتے تھے اور نہیں جانتے تھے ---- دوست سے بھی اور دشمن سے بھی طلبِ نصرت کی ---- مثلاً عبداللہ ابنِ عمر جو کہ مخالفین میں سے تھا اس سے بھی طلبِ نصرت کی۔ زہیرِ قین سے اور عبداللہ ابنِ حر جعفی سے مدد چاہی جبکہ دونوں عثمانی العقیدہ تھے۔ عمرِ سعد سے نصرت طلب کی جو لشکرِ یزید کا قائد تھا۔ آپ نے مکہ سے روانہ ہوتے وقت ایک خط خاندانِ بنی ہاشم کے نام لکھا: "جو میرے ساتھ ملحق ہو گا وہ شہید ہو گا، جو میرا ساتھ نہ دے گا وہ فتح و کامرانی تک نہیں پہنچے گا"۔

امام حسینؑ جس بے بسی اور انصار و اعوان کی کمی کے ساتھ نکلے وہ محمد حنفیہ سے پوشیدہ نہ تھا محمد حنفیہ جن کی شان میں علما اور فقہا نے تعریف کی اور حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کی زبان سے تعریف ہوئی انہوں نے کیسے امام حسینؑ کو تنہا چھوڑا اور آپ کا ساتھ نہیں دیا؟۔

کیا امام حسینؑ کے نصرت طلب کرنے کے باوجود جناب حنفیہ نے ساتھ

نہیں دیا؟۔

یا اصلاً امام حسینؑ نے ان سے نصرت طلب کی ہی نہیں ؟ اگر امامؑ نے نصرت طلب نہ کی ہو پھر بھی امامؑ کو تنہا کیوں چھوڑا؟۔

اس کا جواب چند نکات کی صورت میں یہ ہے:

○ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا امام حسنؑ نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ شیطان اور حسد آپ سے دور ہیں۔ امام محمد باقرؑ نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ محمد حنفیہ خدا کی نافرمانی کرنے والوں میں نہیں ہوسکتے۔

○ جس وقت محمد حنفیہ کو حضرت امام حسینؑ کے مدینہ سے خروج کی خبر ملی تو وہ انتہائی حزن و ملال کے عالم میں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امامؑ سے عرض کیا "میری جان آپ پر قربان ہو" آپ میرے لئے سب سے زیادہ عزیز ہیں، سب سے زیادہ محبوب و محترم ہیں، میری نصیحتوں کا آپ سے زیادہ کوئی سزاوار نہیں کیونکہ آپ میری جان و روح ہیں۔ میرے لئے آپ اہلِ بیت کی بزرگ ہستی ہیں۔ آپ کی اطاعت میری گردن پر ہے کیونکہ آپ کو خداوندِ عالم نے شرافت و بزرگی عطا فرمائی ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ یزید ابنِ معاویہ کی بیعت سے دور ہو جائیں۔ جتنا ممکن ہو بڑے شہروں سے دور چلے جائیں۔ وہاں سے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیں۔ اگر لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کی تو خدا کا شکر ہے۔ اور اگر لوگوں نے منصبِ خلافت کے لئے کسی اور کو منتخب کیا تو آپ کی عظمت و فکر میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ کسی ایسے شہر میں داخل ہوں جہاں لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں ایک گروہ آپ کے ساتھ ہو اور دوسرا کسی دوسرے کے ساتھ

اگر ایسا ہوا تو آپ دشمنوں کی تیر و تلوار کا نشانہ بنیں گے۔ نتیجتاً امتِ محمدیؐ وقت کی بہترین شخصیت سے محروم ہو جائے گی۔"

محمد حنفیہ کی اس گفتگو پر امامؑ نے پوچھا کہ میں کہاں جاؤں۔؟ محمد نے کہا "ابھی آپ مکہ چلے جائیں اگر وہاں آپ مطمئن نہ ہوں تو کسی اور شہر میں جا کر حالات کا جائزہ لیں"۔

امام علیہ السلام نے فرمایا "خدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے اچھی رائے دی ہے، صحیح راہ کی نشان دہی کی ہے"۔

(حیاتِ امام حسینؑ۔ جلد ۲، ص ۲۸۲)

○ خود حضرت امام حسینؑ کا قیام قومی، جغرافیائی، علاقائی یا گروہی قیام نہ تھا بلکہ آپؑ کا قیام بحیثیتِ امام، ایک عالمی قیام تھا۔ جہاں آپؑ کی نظریں مسلمانانِ عراق و بصرہ کی طرف تھیں وہاں مدینہ والے آپؑ کی نظرِ رحمت سے کیسے محروم رہ سکتے تھے جبکہ مدینہ مرکزِ اسلامی مہبطِ وحی و نبوت ہے۔ اگر آپؑ وہاں تشریف نہ رکھتے ہوں تو ضروری ہے کہ اپنا ایک امین اور معتمد نمائندہ چھوڑ جائیں۔

لہٰذا امام علیہ السلام نے محمد حنفیہ کو مدینہ میں اپنا نمائندہ بنایا یہی سبب تھا کہ محمد حنفیہ مدینہ نہ چھوڑ سکے۔ جیسا کہ امام حسینؑ نے فرمایا میں اپنے بھائی برادران، اور بھائی کی اولاد کے ساتھ نکل رہا ہوں لیکن آپ (محمد حنفیہ) یہیں مدینہ میں قیام کریں، آپ یہاں میرے نمائندہ ہوں گے اور یہاں گزرنے والے جو بھی حالات ہوں ان سے مجھے مطلع کرتے رہیں گے۔

یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ انسان اپنا وصی اس شخص کو بناتا ہے جو اس کی

نظر میں امین اور قابلِ اعتماد ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ نے مدینہ سے نکلتے ہوئے محمد ابنِ حنفیہ کو اپنا وصی مقرر کیا اور ایک وصیت نامہ ان کے سپرد کیا۔

○ محمد حنفیہ خروجِ امام کے وقت جسمانی علالت میں مبتلا تھے اور اسی سبب کی بناء پر وہ امام کے ساتھ خروج میں شامل نہ ہو سکے۔۔۔چنانچہ علاّمہ حلی سے جب جناب محمد ابنِ حنفیہ کے امامؑ کے ساتھ خروج نہ کرنے کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اس وقت بیمار تھے۔

ہاشم معروف نے اپنی کتاب اثناء عشر جلد دوم صفحہ ۵۶ میں لکھا ہے کہ محمد ابن حنفیہ کے امام حسینؑ کے ساتھ نہ نکلنے کی دو وجوہات ہیں:

☆ ایک تو یہ کہ آپ بیمار تھے۔

☆ دوسرے یہ کہ خود امامؑ نے آپ کو مدینہ میں اپنا نمائندہ بنا کر روک دیا تھا۔

---☆---☆---

معاویہ ابنِ ابو سفیان

معاویہ کے باپ کا نام صخر اور کنیت ابو سفیان بن حرب بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف بن قصی بن قریش تھا معاویہ کی ماں ہند عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس تھی۔ ابو سفیان ابتدائے اسلام ہی سے پیغمبرؐ کے خلاف ہر مورچہ پر مزاحمت کرتا رہا یہاں تک کہ پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد حضورؐ کے خلاف مسلسل یکے بعد دیگر جنگی محاذ کھولے' مسلسل جنگوں میں شکست کھاتا رہا۔ بالآخر فتح مکہ کے بعد خود اپنے بیٹوں کے ساتھ بادلِ ناخواستہ پرچمِ اسلام تلے آگیا۔ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد ہر موقع پر اسلام کو دبانے کیلئے سازشیں کرتا رہا لیکن مولا امیرالمومنینؑ کی فراست و سیاست نے بنوامّیہ کی سازشوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

حضرت عمر کے دورِ خلافت میں پہلی بار ان کو ایک نومسلم علاقہ میں اسلام کے نام پر اقتدار بحال کرنے کا موقع ملا۔ یزد ابنِ ابو سفیان کو حضرت عمر نے شام کا گورنر مقرر کیا۔ اسکی وفات کے بعد اسکی جگہ اسکے بھائی معاویہ کا تقرر ہوا۔

ابو سفیان کے پانچ بیٹے تھے۔ اسکا بیٹا حنظلہ جنگ بدر میں حضرت علیؑ کی

ضربت سے قتل ہوا۔ عمرابن ابوسفیان کو لشکرِ اسلام نے بدر میں اسیر کیا۔ عتبہ ابنِ ابوسفیان مصر کا امیر بنا۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد معاویہ نے اپنی خلافت کی مہم چلائی۔ طلحہ و زبیر وغیرہ کو علیؑ کے خلاف جنگ پر اکسایا۔ جب وہ اس سازش میں ناکام رہا تو خود براہِ راست صفین میں حضرت علیؑ کے مقابلہ پر آگیا۔ حضرت علیؑ کی قوتِ لشکری اور قوتِ منطق و حجت کے سامنے صفین میں پے درپے شکست کھانے کے بعد عمرابن عاص کے توسط سے ایک سازش کے ذریعہ علیؑ کی قریب الفتح جنگ کو شکست میں تبدیل کیا۔ حضرت علیؑ کے بعد امام حسنؑ پر اپنے مکرو فریب اور چال بازی سے صلح کو مسلط کیا۔ اس طرح وہ بیس سال امیرِ شام رہنے کے بعد سنہ ۴۰ ہجری میں خلیفۃ المسلمین اور مطلق العنان حکمران بن گیا۔ خلیفہ بننے کے بعد بیس سال تک اس منصب پر براجمان رہا۔ اس کے جرائم اور اسلام کے خلاف خیانت کی داستانیں بہت زیادہ ہیں۔ اس کا آخری جرم حسن بصری کے بقول یزید کو ولیعہد مقرر کرنا تھا۔ ہم یہاں پر قارئین کی خدمت میں اسکے جرائم کی ایک مختصر فہرست پیش کرتے ہیں۔

معاویہ کے جرائم:

ممکن ہے بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ہو کہ چوں کہ معاویہ کے مقابلے میں یزید بہت زیادہ مجرم تھا اس لئے امام حسینؑ نے معاویہ کے خلاف قیام نہیں کیا جب کہ یزید کے دور میں آپؑ نے بروقت اقدام کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ معاویہ یزید سے کم مجرم نہیں تھا۔ یزید کو تو تمام جرائم اپنے باپ

(معاویہ) سے ورثہ میں ملے تھے۔ معاویہ کے دل میں ذرہ برابر دینِ اسلام کا درد ہوتا تو وہ تمام اسلامی 'سیاسی 'اجتماعی شخصیات حتیٰ کہ بنی امیہ کے حامی افراد تک کے مشوروں کو نظرانداز کر کے اپنے مجرم بیٹے کو امت پر مسلط نہ کرتا جب کہ وہ اچھی طرح جانتا تھا اور اعتراف بھی کرتا تھا کہ یزید کھلے عام اور علانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرتا تھا۔

تمام سربر آوردہ شخصیات کے مشوروں کے خلاف یزید کو امت پر مسلط کرنا معاویہ کے تمام باطنی جرائم کی عکاسی کرتا ہے۔ بلکہ اس کے کچھ جرائم تو یزید کے جرائم سے بھی سوا تھے۔ اس کا مکروفریب 'سیاسی قلابازیاں 'منافقانہ طرزِ عمل 'سخت اور مشکل حالات میں عیارانہ اور مکارانہ کردار اسی کا خاصہ اور خصوصیات تھیں۔ امام حسین علیہ السلام کی نظر میں معاویہ اور یزید دونوں ہی ظالم و جابر حاکم تھے اور ان دونوں کی حکومتوں کے خلاف قیام کرنے کی ضرورت اور وجوب میں کوئی فرق نہیں تھا۔ دونوں کی حکومتوں کے خلاف قیام کرنا واجب اور ترکِ قیام ایک ناقابل معافی گناہ ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ظلم و جور کی ان دونوں ہی حکومتوں کے خلاف قیام واجب تھا تو پھر امام حسینؑ نے معاویہ کے دور میں کیوں قیام نہیں کیا اور یزید کے دور میں کیوں قیام کیا؟ اس سوال کا جواب دینے سے قبل ہم معاویہ کے جرائم کی طویل فہرست کا ایک مختصر سا جائزہ قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے تاکہ اندازہ ہو کہ معاویہ کے جرائم یزید سے کم نہیں تھے۔

معاویہ کے سیاسی جرائم

معاویہ نے حکومت کے غاصبانہ حصول اور اس کے استحکام کے لئے جن

جرائم کا ارتکاب کیا ان کی تفصیل یوں ہے:

(۱) جب حضرت عثمان کا محاصرہ ہوا اور انہوں نے معاویہ سے مدد طلب کی تو اس نے طاقت و توانائی رکھنے کے باوجود دانستہ حضرت عثمان کی مدد نہیں کی یہاں تک کہ حضرت عثمان قتل ہو گئے اور ان کے خون سے معاویہ نے اپنی خلافت کی بنیاد ڈالی۔

(۲) خلیفہ رسولؐ کے انتخاب کے طریقہ کار میں مذہب امامیہ کی رائے کو سند مانا جائے یا اہلِ سنّت کے طریقہ کار کو ہر صورت میں علی کی خلافت کو جو اکثریت ملی اور انہیں جس جوش و جذبہ اور شوق و رغبت سے امتِ مسلمہ کے عظیم اژدہام نے منتخب کیا اور انؑ کی بیعت کی وہ اکثریت سابقہ کسی خلیفہ کو نہیں ملی۔ لہذا علیؑ کی شرعی حکومتِ اسلامی کے خلاف بغاوت کا نہ کوئی دینی جواز تھا اور نہ اخلاقی۔ خود معاویہ اور اس کے دور کے حدیث ساز لوگوں نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ:-

"ایک مرتبہ جو خلیفہ بن جائے پھر اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی جا سکتی اور مزاحمت نہیں کی جا سکتی"

لیکن اس کے باوجود معاویہ نے علیؑ کے خلاف بغاوت کی اور سازشوں کا جال پھیلایا جس کے نتیجہ میں جنگِ جمل واقع ہوئی اور پھر کھل کر معاویہ صفین میں علیؑ کے خلاف جنگ کرنے نکلا۔

(۳) امیرالمومنین امام علی علیہ السلام کی شرعی اور قانونی حکومت کو کمزور کرنے کے لئے زبیر ابنِ عوام اور طلحہ ابنِ عبید اللہ کو خلافت

کی طمع اور لالچ دی۔ چنانچہ حضرت عثمان کے قتل کے بعد معاویہ نے زبیر ابن عوام کی بیعت کی اور اسے خط لکھا کہ:

"میں نے اہلِ شام سے تمہاری بیعت لے لی ہے اور وہ تمہاری بیعت پر متفق ہو چکے ہیں۔ تم کوفہ اور بصرہ کو کنٹرول کرو اور ان دونوں شہروں پر قبضہ کر کے علیؑ کو آگے بڑھنے سے روک دو۔ تمہارے بعد تمہارے ولی عہد کے طور پر میں نے طلحہ بن عبید اللہ کی بیعت کی ہے۔ خونِ عثمان کا انتقام لینے کا اعلان کرو اور اس میں سنجیدگی سے کام لو۔ خدا کرے تم دونوں کامیاب ہو اور تمہارے دشمن ناکام۔"

(اسلام اور شیعہ امام۔ جلد ۲ ص ۲۶۹ تالیف محمود شہابی خراسانی)

(۴) امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی تمام تر کوششوں کے باوجود کہ مسلمانوں میں آپس میں خونریزی اور جنگ و جدال نہ ہو، معاویہ نے حضرت علیؑ کے خلاف لشکر کشی کی یہاں تک کہ جنگ صفین میں ۷۰ ہزار جانیں ضائع ہوئیں۔

(۵) قرآن و حدیث کی رو سے خلیفۃ المسلمین کا نمائندہ اور گورنر اس شخص کو بنانا چاہئے جو عالم ہو، عادل ہو، متقی ہو اور ایسے اخلاقی جرائم سے مبرا ہو جن پر حد جاری کی جاتی ہے۔ لیکن معاویہ نے ان تمام شرعی اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جن لوگوں کو اپنا نمائندہ بنایا اس کی چند مثالیں یہ ہیں:۔

☆ رشوت کے طور پر مصر کی گورنری عمرو ابن عاص کو اس شرط

کے ساتھ پیش کی کہ وہ علیؑ کے خلاف معاویہ کا ساتھ دے۔

☆ مغیرہ ابن شعبہ جیسے شخص کو کوفہ کا گورنر بنایا جب کہ اس پر حدِ شرعی کا جاری ہونا تاریخ میں ثابت ہے۔

☆ مغیرہ ابن شعبہ کے بعد زیاد ابنِ ابیہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا جس کے ظلم کی داستانوں سے تاریخ بھری ہوئی ہے۔

☆ بصرہ میں زیاد ابنِ ابیہ کو اور سمرة ابن جندب کو گورنر مقرر کیا۔ سمرة ابن جندب وہ شخص ہے جس نے آٹھ ہزار افراد کو قتل کیا۔

☆ مکہ اور مدینہ میں عمرا بن سعید اشدق کو گورنر مقرر کیا۔

☆ اور آخر میں دنیا سے جاتے جاتے اپنے بیٹے یزید جیسے فاسق و فاجر کی ولی عہدی کا اعلان کیا جسے امت کے تمام افراد نااہل سمجھتے تھے اور جس کے فسق و فجور سے آگاہ تھے۔

☆ حکومتِ اسلامی کے عہدوں پر غیر مسلموں کو مقرر کیا جب کہ اس سے قبل خلافت کے کسی دور میں اسلامی عہدہ پر کسی غیر مسلم کو مقرر نہیں کیا گیا۔ چنانچہ حمص کے علاقہ میں خراج وصول کرنے کے لئے معاویہ نے ابن اثال نامی شخص کو تعینات کیا جو عیسائی تھا۔ خالد ابن عبدالرحمٰن نے معاویہ کے اس فعل پر اعتراض کیا تو ابن اثال عیسائی نے اسے انتقاماً قتل کر دیا۔

(تاریخِ یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۲۲۳)

دوسرا عیسائی شخص سرجون نامی تھا جو معاویہ کے خاص مشیروں میں سے تھا۔ یزید کو اس کے حامیوں نے کوفہ سے خط لکھا کہ کوفہ میں مسلم بن عقیل کے

توسط سے حسینؑ کے لئے بیعت لی جا رہی ہے اور خط میں یزید سے مطالبہ کیا کہ اگر تجھے کوفہ کی ضرورت ہے تو جلد از جلد نعمان ابنِ بشیر کو ہٹا کر کسی مضبوط شخص کو اس کی جگہ مقرر کر۔ یزید نے خط ملنے کے بعد سرجون سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ اس مسئلہ میں اگر میں تمہیں معاویہ کی رائے سے آگاہ کروں تو کیا تم اس پر عمل کرو گے؟ یزید نے کہا "کیوں نہیں۔" اس پر سرجون نے معاویہ کی طرف سے کوفہ کے لئے عبید اللہ ابن زیاد کے نام تقرر نامہ دکھایا۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ سرجون نے یزید کو عبید اللہ ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کرنے کا مشورہ اس لئے بھی دیا کہ عبید اللہ کی ماں مرجانہ عیسائی تھی۔

اس کے علاوہ دائرۃ المعارف (مادہ بنی امیہ) کے صفحہ ۱۷۶ پر لکھا ہے کہ بعض عیسائی بھی معاویہ کے مشیروں میں شامل تھے۔

معاویہ کے معاشرتی اور اخلاقی جرائم:۔

قتل و غارتگری

معاویہ نے اپنے کارندے بسر ابن ارطاۃ کو جو بڑا سفاک اور شقی القلب شخص تھا۔ یمن بھیجا اور اس سے کہا کہ "جہاں بھی تجھے علیؑ کے شیعہ نظر آئیں انہیں قتل کر دینا۔"

شام سے نکلتے وقت بسر ابن ارطاۃ کو معاویہ نے تین ہزار افراد کا لشکر دیا اور اس سے کہا کہ:

"مدینہ ہوتے ہوئے جاؤ، جہاں بھی لوگ ملیں انہیں قتل کرو، خوف زدہ کرو اور ان پر یہ واضح کر دو کہ تمہیں کہیں بھی معاویہ

سے جائے فرار اور امن نہیں ہے۔"

چنانچہ بسر ابن ارطاۃ جب مدینہ پہنچا تو اس نے اہلِ مدینہ کو سب و شتم کیا' ڈرایا' دھمکایا اور بہت سے گھروں کو جلایا۔ جن گھروں کو جلایا ان میں صحابیؓ رسولؐ حضرت ابو ایوب انصاری کا گھر بھی شامل تھا۔

(الشیعہ والحاکمون ص ۵۰' نقل از ابنِ الحدید جلد ۱' وارثِ انبیاء ص ۱۱۸ نقل از کتابِ غارات ص ۵۹۸)

اسی بسر ابن ارطاۃ نے معاویہ کے حکم سے مکّہ اور مدینہ میں تیس ہزار افراد کو قتل کیا اور ان کے گھروں کو جلایا۔

(ثورۃ الحسینؑ ص ۶۸ مہدی شمس الدین' نقل از شرح نہج البلاغہ ج ۲۔ ص ۱۷)

اس کے علاوہ ۔۔۔ ستر ہزار افراد جنگِ صفین میں قتل ہوئے جیساکہ اوپر بیان کیا گیا۔ ۲۷۹۰ افراد جنگِ نہروان میں قتل ہوئے۔ یہ جنگ معاویہ اور عمر ابن العاص کی سازشوں کے نتیجہ میں وجود میں آئی۔

ضحاک ابنِ قیس' سفیان ابنِ غامدی اور ابو ہریرہ کے ذریعہ بے شمار لوگ قتل ہوئے ضحاک ابنِ قیس اور سفیان ابنِ غامدی نے انبار میں بے شمار گھروں کو جلایا۔ زیاد ابنِ ابیہ نے کوفہ میں ۸۰ ہزار افراد کے ہاتھ پیر کاٹے۔ پچاس ہزار افراد نے زیاد ابنِ ابیہ کے خوف سے کوفہ سے ترکِ وطن کیا۔

معاویہ شراب پیتا تھا

عبداللہ ابنِ بریدہ سے نقل ہے:

"میں اور میرا باپ معاویہ کے پاس گئے تو اس نے ہمیں اپنے فرش پر بٹھایا۔ ہمارے لئے کھانا لایا اور پھر میرے باپ کو شراب پیش کی۔ میرے باپ نے کہا کہ جس دن سے رسول اللہؐ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے میں نے کبھی اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ معاویہ نے کہا کہ مجھے اپنے جوانی کے زمانہ سے اب تک تین چیزیں بہت مرغوب رہی ہیں — ایک شراب، دوسرے دودھ اور تیسرے کوئی حسین چہرہ جو میرا دل بہلائے۔

(کتاب الغدیر، جلد ۱۰۔ ص ۱۷۹ نقل از مسند احمد ابن حنبل، جلد ۵۔ ص ۳۴۷)

معاویہ سود خور تھا

معاویہ سود کھاتا تھا۔ چنانچہ:۔

"ایک مرتبہ جب معاویہ نے ایک سونے کے ظرف یا سکہ کی فروخت پر سود کھایا تو ابو دردا نے کہا کہ پیغمبرؐ کی حدیث ہے کہ ان چیزوں پر سود کھانا جائز نہیں ہے۔ معاویہ نے کہا کہ مجھے اس میں کوئی اشکال نظر نہیں آتا۔ ابو دردا کہتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ میں معاویہ سے حدیثِ رسولؐ بیان کرتا ہوں اور وہ اس کے خلاف مجھ سے اپنا فتویٰ بیان کرتا ہے۔"

(کتاب الغدیر جلد ۱۰۔ ص ۱۸۴ نقل از کتاب مالک ونسائی صحیح مسلم جلد ۵۔ ص ۴۳، سنن بیہقی، جلد ۵۔ ص ۲۷۷)

معاویہ دو سگی بہنوں کے ساتھ بیک وقت نکاح جائز سمجھتا تھا

قرآن میں واضح حکم ہے کہ "لا تجتمعوا بین الاختین۔" لیکن قرآن کے واضح حکم کے خلاف معاویہ ایک ہی وقت میں دو بہنوں کے ساتھ نکاح جائز سمجھتا تھا۔ چنانچہ ابن منظر نے قاسم بن محمد سے نقل کیا ہے کہ:۔

"ایک قبیلہ نے معاویہ سے پوچھا کہ ایک شخص کے پاس دو کنیزیں ہیں اور دونوں سگی بہنیں ہیں۔ کیا دونوں کے ساتھ ہمبستری کی جا سکتی ہے؟ تو معاویہ نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔"

(کتاب الغدیر جلد ۱۰۔ ص ۱۹۹)

منبروں سے حضرت علیؑ پر سب و شتم کرنا

۴۱ ہجری میں معاویہ نے مغیرہ کو کوفہ کا گورنر بنایا اور اس سے کہا کہ "میں بہت سے امور میں تم پر اعتماد کرتا ہوں لیکن چند باتوں کی تم کو تاکید کرنا ضروری سمجھتا ہوں ---- ایک یہ کہ علیؑ پر سب و شتم اور ان کی مذمت کرنے میں کوتاہی نہ کرنا علیؑ اور ان کے اصحاب کی مذمت کرنا' ان کے عیبوں کو نکالنا اور عثمان کی تعریف کرتے رہنا۔"

مغیرہ سات سال سے زیادہ گورنر رہا۔ یہ وہ گورنر تھا جو دوسرے گورنروں کے مقابلہ میں اپنی نام نہاد امن پسندی کے لئے بہت معروف سمجھا جاتا تھا لیکن اس نام نہاد امن پسند گورنر نے علیؑ کے خلاف اپنے سب و شتم کے وطیرہ کو کبھی نہیں چھوڑا۔ اس وقت حجر ابن عدی کی ذات تھی جو اس (مغیرہ) کے خلاف

کھڑے ہو کر برملا کہتے تھے کہ "تم خود لعن اور مذمت کے مستحق ہو۔" اور یہ کہہ کر لوگوں کو خدا کی راہ میں قیام کرنے کی دعوت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ:

"میں شہادت دیتا ہوں کہ جس ہستی کی تم مذمت اور عیب جوئی کرتے ہو وہ فضیلت کی سزاوار ہے اور جس شخص کی تم تعریف کرتے ہو وہ مذمت کا مستحق ہے۔"

معاویہ نے زیاد ابنِ ابیہ کو حکم دیا کہ حجر ابن عدی اور ان کے دوستوں کو شام بھجوا دیا جائے۔ جب وہ شام پہنچے تو ان کو شہید کر دیا۔

معاویہ کے اقتصادی جرائم

سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام کا فروغ:۔

اسلام نے ارتکاز دولت کو مذموم قرار دیا ہے۔ اسلام ایسے نظام کو مسترد کرتا ہے جہاں دولت چند ہاتھوں میں منجمد ہو جائے۔ پیغمبرِ اکرمؐ کی رحلت کے بعد آپؐ کی سنت اور سیرت کے خلاف اموال اور بیت المال کی تقسیم میں رفتہ رفتہ انحراف شروع ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں کچھ لوگ سرمایہ دار اور جاگیرداروں کی صورت میں نمودار ہوئے پھر معاویہ کے دور میں تو یہ سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ چنانچہ اس زمانہ کی چند سرمایہ دار شخصیتوں کا ہم یہاں مختصراً ذکر کرتے ہیں:

۱۔ شبعث بن ربیعی

شبث ابن ربیعی ان افراد میں سے ہے جنہوں نے امام حسینؑ کو کوفہ آنے

کی دعوت دی۔ حضرت مسلم ابن عقیل جب کوفہ پہنچے تو اس نے حضرت مسلم کی بیعت کی لیکن جب عبید اللہ ابن زیاد کوفہ میں آیا تو اس نے حضرت مسلم کو چھوڑ کر عبید اللہ کا ساتھ دیا اور بعد میں امام حسینؑ کے خلاف کوفہ سے جانے والے لشکر کا سردار بن کر امامؑ سے جنگ کرنے کے لئے نکلا۔ یہ شخص اس وقت کوفہ کا ایک بڑا سرمایہ دار تھا۔

۲۔۔۔ اشعث ابن قیس

یہ وہ شخص تھا جو جنگِ صفین میں امیر المومنین امام علی علیہ السلام کے ہم رکاب تھا۔ لیکن عین اس وقت کہ جب علی علیہ السلام کا لشکر فتح کے بہت قریب تھا اور معاویہ کے لشکر پر غلبہ پایا ہی چاہتا تھا اس نے حضرت علیؑ کو تحکیم قبول کرنے پر مجبور کر کے جنگ کا پانسہ معاویہ کے حق میں پلٹ دیا۔ یہ شخص ایک بڑا جاگیردار تھا۔

۳۔۔۔ عمر ابن حریث

یہ زیاد ابن ابیہ کا نائب تھا۔ زیاد جب بصرہ جاتا تھا تو اس کو اپنی جگہ چھوڑ جاتا تھا۔ حضرت مسلم نے جب کوفہ میں دار الامارہ کا محاصرہ کیا تو اس شخص نے ایک علم بلند کر کے اعلان کیا کہ حضرت مسلم کو چھوڑ کر جو شخص بھی اس پرچم کے نیچے آجائے گا وہ امان پائے گا۔ یہی شخص تھا جس نے حضرت مسلم کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ یہ بھی ایک جاگیردار تھا۔

اہلِ کوفہ اور اہلِ مدینہ کیلئے اقتصادی مشکلات پیدا کرنا

کوفہ اس وقت چند جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن کوفہ کی اکثریت محروم اور مستضعف طبقہ پر مشتمل تھی ـــــ کوفہ چونکہ فوجی مرکز تھا اس لئے یہاں کے عام باشندے فوجی تھے۔ یہ فوجی دو قسم کے تھے ایک وہ جو مستقل طور پر حکومت کے راشن خوار تھے اور دوسرے وہ جو حالتِ جنگ میں اگر حکومت کی طرف سے جنگ کرنے کے لئے نکلتے تھے تو انہیں حکومت سے راشن ملتا تھا ورنہ نہیں۔ جن لوگوں کو مستقل طور پر حکومت سے راشن ملتا تھا' جنگ کی حالت میں تو ان کے راشن میں اضافہ کر دیا جاتا تھا اور جب حالتِ جنگ میں نہیں ہوتے تھے تو ان کا راشن کم کر دیا جاتا تھا' لیکن اگر ان میں سے کوئی جنگ میں شریک نہیں ہوتا تھا تو اس کا راشن بند کر دیا جاتا تھا۔

اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو لوگ حکومت کے راشن خوار تھے وہ کیونکر حکومت کی مخالفت میں کسی مستقل مزاجی اور استحکام کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔

معاویہ کا دور ملوکیت اور آمریت کا بدترین دور تھا اور جہاں ملوکیت اور آمریت کا دور دورہ ہو وہاں نہ کوئی اصول ہوتا ہے اور نہ کوئی اقتصادی مسلک۔ معاویہ بیت المال کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھتا تھا۔ اپنی حمایت کرنے والوں کو بے حساب مال و دولت سے نوازتا تھا اور اپنے مخالفین کو ان کے بنیادی حقوق تک سے محروم رکھتا تھا اور ان سے کمر شکن مالیات وصول کرتا تھا۔

شام معاویہ کے مؤیدین اور حامیوں کا مرکز تھا جب کہ مدینہ اور کوفہ اس کے معارضین اور مخالفین کے مراکز تھے' مدینہ سے اس کی دشمنی کی وجہ یہ تھی

کہ مدینہ پیغمبرِ اکرمؐ کی ہجرت کا مرکز تھا۔ یہیں سے لوگ معاویہ کے آباء واجداد کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نکلے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مدینہ میں پیغمبرؐ کے بڑے بڑے اکابر اصحاب رہتے تھے اور ان میں سے بہت سے اصحاب و تابعین خود کو معاویہ کے مقابلہ میں بہتر سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے معاویہ نے اہلِ مدینہ کو ہمیشہ اقتصادی محرومی میں مبتلا رکھا۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ اس نے اہلِ مدینہ کو مجبور کیا کہ وہ اپنی املاک کو کم قیمت پر معاویہ کو فروخت کردیں یہاں تک اہلِ مدینہ اس حال کو پہنچ گئے کہ وہ اونٹ، گھوڑا یا کوئی سواری تک نہیں خرید سکتے تھے۔

اس کے علاوہ معاویہ نے مدینہ میں اپنے گورنر کو ہدایت کی کہ وہ وہاں اشیاءِ خوردنی کی قیمتوں میں اضافہ کردے۔ چنانچہ یزید نے اپنے دورِ خلافت کے پہلے مرحلے میں اہلِ مدینہ کے نام ایک پیغام بھیجا کہ اگر وہ (اہلِ مدینہ) اس کی بیعت کرلیں گے تو اس سال مدینہ میں گندم کی قیمت کم کرکے اسی سطح پر لے آئی جائے گی جس قیمت پر گندم شام میں دستیاب ہے۔

معاویہ کے ظلم و ستم کا دوسرا ہدف اور تختۂ مشق اہلِ عراق تھے جنہیں اس نے معاشی بحران میں مبتلا کیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کی اہم شخصیات اہل بیتؑ کی ماننے والی تھیں اور یہاں بکثرت شیعہ آباد تھے جو معاویہ کے اصلی حریف اور رقیب تھے۔ اس کے علاوہ خوارج بھی عراق میں رہتے تھے اور وہ بھی معاویہ کے سخت مخالفین میں سے تھے۔ چونکہ معاویہ کو عراق کے شیعوں اور خوارج سے سخت خطرہ تھا اس لئے وہ عراق کے لوگوں کو معاشی بدحالی میں مبتلا رکھتا تھا۔ (خلاصہ از حیاتِ امام حسینؑ جلد ۲۔ ص ۱۲۲)

معاویہ کا دین میں انحراف کرنا

★ نمازِ جمعہ بدھ کے دن پڑھائی گئی

معاویہ کے بارے میں اہلِ شام کی اندھی اطاعت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اس نے جنگِ صفین پر جاتے وقت نمازِ جمعہ بدھ کے دن پڑھائی۔

(کتاب الغدیر جلد ۱۰- ص ۱۹۶)

★ معاویہ نے قانونِ دیت میں ترمیم کی

ضحاک نے کتابِ دیات میں صفحہ ۵۰ پر محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ

"ہم نے زہری سے پوچھا کہ پیغمبرؐ کے دور میں اگر کسی ذمی کو قتل کر دیا جاتا تھا تو اس کی کیا دیت تھی؟ تو اس نے جواب دیا کہ "پیغمبرؐ کے دور سے لے کر عثمان کے دور تک مقتول کے وارث کو ایک ہزار دینار دیت دی جاتی تھی۔ جب معاویہ کا دور آیا تو اس نے وارث کو پانچ سو دینار دیئے اور پانچ سو دینار بیت المال میں جمع کیے۔"

★ معاویہ نے نماز میں مستحب تکبیروں کو ترک کیا

ابو ہریرہ نے نقل کیا ہے کہ

"مستحب تکبیروں کو سب سے پہلے معاویہ نے ترک کیا۔"

(کتاب الغدیر جلد ۱۰- ص ۲۰۱ نقل از طبرانی از ابو ہریرہ)

★ معاویہ نے عرفہ کے دن تلبیہ کو ترک کیا

ابن جبیر نقل کرتے ہیں کہ ـــــ

"ابنِ عباس نے عرفہ میں مجھ سے پوچھا کہ 'لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تلبیہ نہیں کہتے' تو میں نے جواب دیا کہ لوگ معاویہ سے ڈرتے ہیں۔ یہ سنتے ہی ابنِ عباس خیمہ سے نکلے اور تلبیہ پڑھا۔"

(کتاب الغدیر جلد ۱۰۔ صفحہ ۲۰۵ نقل از کتاب سنن نسائی جلد ۵۔ صفحہ ۲۵۳ اور بیہقی نے اپنے سنن میں جلد ۵۔ صفحہ ۱۱۳ میں سعید ابن جبیر سے نقل کیا)

★ معاویہ نے عیدین کے خطبہ کو نماز سے پہلے شروع کیا

عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے ہے اس کے بیان میں ابنِ عباس سے نقل ہے کہ ـــــ

"میں نے پیغمبرؐ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی ہے۔ ابوبکر اور عمر کے دور میں بھی عید کی نماز خطبہ سے پہلے ہوتی تھی۔"

محاضرات اوائل صفحہ میں لکھا ہے کہ عید کے خطبہ کو نماز سے مقدم کرنے والا معاویہ ہے۔

(کتاب الغدیر جلد ۱۰۔ ص ۲۱۱ نقل از زرقائی شرحِ موطہ ابن مالک۔ جلد ۱۔ ص ۳۲۴)

عید کے خطبہ کو معاویہ نے نماز سے پہلے اس لئے کیا تھا کہ ---اس نے خطبہ میں امیرالمومنین امام علی علیہ السلام پر سب و شتم کرنے کی رسم جاری کی تھی اور لوگ چوں کہ خطبہ میں علیؑ پر سب و شتم کو سننا گوارا نہیں کرتے تھے اس لئے عیدین کی نماز کے بعد اٹھ کر چلے جاتے تھے۔ لہٰذا معاویہ نے خطبہ کو

نماز سے پہلے کہنا شروع کیا۔

(تاریخِ یعقوبی جلد ۲۔ص ۲۲۳)

★ معاویہ پیغمبرِ اکرمؐ کی معراج کا منکر تھا

معاویہ منکرِ معراجِ پیغمبرؐ تھا اور اس کو خواب سمجھتا تھا۔

(زندگانی حضرت محمدؐ جلد ۱۰۔ص ۲۷۸ تالیف ڈاکٹر محمد حسین ہیکل)

★ فرمانِ پیغمبرؐ کی مخالفت

پیغمبرِ اکرمؐ نے فرمایا کہ "جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔"

معاویہ نے زیاد ابنِ ابیہ کو جو ثقیف کے غلام کے بستر پر پیدا ہوا تھا سنّتِ رسولؐ کے خلاف اپنے باپ ابو سفیان سے منسوب کیا۔

★ احکامِ شریعہ کی خلاف ورزی

اسلام میں ابریشم پہننا اور سونے چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنا حرام ہے۔ معاویہ نے شریعت کے خلاف ابریشم پہننے اور سونے اور چاندی کے برتنوں کو استعمال میں لانے کی سنّت جاری کی۔

★ حدیث جعل کرنے کا سلسلہ

معاویہ نے ابو ہریرہ، سمرۃ ابن جندب، عمرو بن عاص، مغیرہ ابن شعبہ اور عروہ ابن زبیر کو جعلی حدیث گھڑنے پر مامور کیا۔

★ معاویہ مذہبِ مرجیہ اور نظریۂ جبر کو وجود میں لایا

معاویہ مذہبِ مرجیہ اور نظریۂ جبر کا اظہار کرتا تھا۔

(انقلاب حسین ص ۱۱۰ تالیف شیخ مہدی شمس الدین نقل از ابن ابی الحدید)

مرجیہ وہ گروہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی بھی گناہ ضرر نہیں پہنچا سکتا جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دے سکتی۔

(معجم الفرق الاسلامی۔ صفحہ ۲۱۹)

مذہبِ مرجیہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد اور معاویہ کے خلیفہ بننے کے بعد وجود میں آیا۔

نظریۂ مرجیہ خوارج کے نظریہ کی بالکل ضد ہے، خوارج کا نظریہ یہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد مسلمان کافر ہو جاتا ہے جب کہ فرقۂ مرجیہ کے نزدیک کوئی مسلمان اگر ایمان رکھتا ہے اور وہ کوئی گناہ کرے تو اس کا وہ گناہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اسے ایمان سے خارج نہیں کرتا۔

خوارج تحکیم قبول کرنے کی وجہ سے حضرت علیؑ کی امامت کو نہیں مانتے تھے۔ ساتھ ہی وہ معاویہ کو بھی نہیں مانتے تھے اور اس کے مخالف تھے۔ خوارج چوں کہ گناہ کو موجبِ کفر سمجھتے تھے لہٰذا معاویہ خوارج کے مقابلہ میں مذہبِ مرجیہ کو وجود میں لایا تاکہ اپنے جرائم کے ارتکاب کے بعد وہ اپنی حکمرانی بھی باقی رکھ سکے اور اس کو مسلمانوں کے زمرے میں بھی گنا جائے۔

معاویہ مذہبِ مرجیہ کو وجود میں لا کر دو فائدے اٹھانا چاہتا تھا۔ ایک تو اس کے ذریعہ وہ خوارج کے خلاف محاذ قائم کرنا چاہتا تھا کہ جو معاویہ کے سخت دشمن تھے ۔دوسری طرف وہ شیعوں کے خلاف بھی محاذ قائم کرنا چاہتا تھا جو اسے غاصب سمجھتے تھے ۔اپنے ان دونوں حریفوں کے مقابلہ میں اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لئے اس نے مذہبِ مرجیہ کو فروغ دیا۔

مذہبِ جبریہ

اسی طرح معاویہ نے نظریۂ جبر کی بھی ترویج کی۔ نظریۂ جبریہ یہ ہے کہ بندہ جو اعمال انجام دیتا ہے اس میں وہ خود مختار نہیں ہے۔ تمام اعمال خدا اپنے بندوں سے کراتا ہے اور بندے مجبورِ محض ہیں۔ وہ جو بھی اعمال انجام دیتے ہیں وہ سب تقدیرِ الٰہی کے مطابق ہیں اور تقدیرِ الٰہی میں تغیّر و تبدل نہیں ہوتا۔

چنانچہ معاویہ اپنی بداعمالیوں کے جواز میں نظریۂ جبر کا اظہار کرتا تھا۔ اور اس کے علاوہ اپنی ناجائز اور ظالم حکومت کے جواز میں بھی چاہتا تھا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ سب تقدیرِ الٰہی کے مطابق ہے جو ناقابلِ تغیّر و تبدل ہے تاکہ امّت اس کے خلاف قیام کرنے اور کوئی انقلاب لانے کو بے سود سمجھے۔

یزید ابنِ معاویہ

تاریخ کا یہ مکروہ چہرہ 'ابو سفیان کا پوتا' ہند جگر خوارہ کی یادگار تھا۔ یزید کی ماں "میسون" بجدل کلبی کی بیٹی تھی۔ اور شام کی معروف عورتوں میں شمار ہوتی تھی 'معاویہ نے اس کو اپنی زوجیت میں لیا۔ یزید کا حمل ٹھہرنے کے بعد اس عورت "میسون" کو معاویہ نے ایک شعر پڑھتے ہوئے سنا جس میں معاویہ اور اس کے قصر کی تمام زیبائی و خوبصورتی و نیز شام کی آب و ہوا کی مذمت کی تھی ـــــ اور اپنے دیہات کی جھونپڑی 'وہاں کی آب و ہوا 'گلۂ گوسفند میں رہنے والے اپنے چچازاد بھائی کی مدح سرائی تھی ـــــ معاویہ نے یہ شعر سن کر "میسون" کو طلاق دے دی۔ وہ حاملہ اپنے گاؤں چلی گئی جہاں یزید کی ولادت ہوئی ـــــ ولادت کے بعد یزید کو ایک مسیحی عورت کے سپرد کیا گیا جو قبیلۂ طائف سے تعلق رکھتی تھی 'وہ اسلام سے بے خبر تھی 'برائی و قباحت کے کام اس کے معمول میں سے تھے۔ اس گندے اور فاسد خاندان میں یزید کی تربیت اور اس کی نشوونما ہوئی ـــــ وہاں اس نے کتے سے کھیلنا' شراب خوری 'جوا' قتل و خونریزی 'ڈاکے 'شقاوت 'خشونت اور سختی کی تربیت حاصل کی۔ بندر سے

کھیلنا اس کا انتہائی پسندیدہ مشغلہ تھا۔

یزید ایک بندر رکھتا تھا جس کا نام اس نے ابو قیس رکھا تھا اور کہتا تھا یہ بنی اسرائیل کا ایک شیخ ہے جو بندر کی شکل میں مسخ ہوا تھا ۔۔۔ یزید اس بندر کو نبیذ پلاتا اور پھر اس کی عجیب عجیب حرکات پر خوش ہوتا اور ہنستا تھا ــــ مورخ ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ یزید اس بندر کو ابریشم کا لباس اور سونے کی بنی ہوئی ٹوپی پہناتا تھا ۔۔۔۔ جس دن یہ بندر مرا یزید بہت ہی رنجیدہ ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ اس کو کفن پہنائیں اور اس کی تدفین کریں ــــ اور اہلِ شام سے کہا کہ اس بندر کی موت کا سوگ منائیں۔

یزید اپنے خاندان میں سب سے زیادہ دشمنی اور تعصب اہل بیتِ اطہارؑ سے رکھتا تھا۔ اگرچہ اہلِ بیتؑ کی دشمنی اس کو خاندانی ورثے میں ملی تھی لیکن ذاتی طور پر اس کی دشمنی کچھ اس سے بھی زیادہ تھی ــــ یزید اپنی دشمنی، بُغض و عناد اور عداوت کو اپنے باپ کی طرح پوشیدہ نہیں رکھ سکتا تھا بلکہ کھلم کھلا فخریہ اس کا اظہار کرتا تھا ــ ایک دن اتفاق یہ ہوا کہ جس مجلس میں امام حسنؑ تشریف فرما تھے اس میں یزید موجود تھا۔ یزید نے جناب امام حسنؑ سے کھل کر کہا کہ میں آپ سے دشمنی رکھتا ہوں تو امامؑ نے جواب دیا: "تم صحیح کہتے ہو میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے دشمنی رکھتے ہو کیونکہ شیطان تمہارے باپ کے ساتھ تمہارے نطفے کے انعقاد میں شریک ہوا۔" پھر امامؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

"شَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ" ○

جس کے نطفہ میں شیطان شریک ہو اس کی دشمنی آلِ محمدؐ

کے ساتھ یقینی ہے۔

یزید ۶۴ ہجری میں حوارین میں مرا اور اس کو دمشق میں دفن کیا گیا۔ اس نے چار بیٹے چھوڑے: معاویہ، خالد، ابو سفیان اور عبداللہ۔

(کتاب امام حسینؑ تالیف عباس راسخی صفحہ ۲۲)

مسعودی اپنی کتاب تاریخِ مسعودی (مروج الذہب) میں لکھتا ہے کہ:

یزید اس امت میں فرعون کی مانند ہے۔ یہ فرعون سے بھی بدتر ہے اور فرعون اس کے مقابلہ میں عادل تر ہے۔ یزید رقص کرتا تھا، کتے، بندر اور چیتے سے کھیلتا تھا اور شراب میں غرق رہتا تھا۔ قتلِ امام حسینؑ کے بعد ایک دن شراب کی مجلس میں جب کہ اس کے پہلو میں ابن زیاد بیٹھا تھا، یزید نے یہ شعر پڑھا: "مجھے شراب پلاؤ تاکہ میں سیراب ہو جاؤں اور میرے بعد ابن زیاد کو پلاؤ، یہ میرے صاحبِ سر وامانت ہیں۔ یہ میری آرزوں کو پورا کرنے والے اور میرے دشمن سے لڑنے والے ہیں "——

مسعودی لکھتا ہے کہ اس کے دور میں فسق و فجور اس کے عمال پر چھائے ہوئے تھے، اس کے دور میں مکہ اور مدینہ میں کھلّم کھلاّ غنا ہوتا تھا، لوگ فسق و فجور اور لہو لعب میں مشغول رہتے تھے اور علانیہ شراب پینے لگے تھے"۔

(مروج الذہب جلد سوم صفحہ نمبر ۷۷)

حسن بصری نے کہا ہے کہ

اس امت کو دو انسانوں نے فاسد کیا ہے۔ ایک عمرو ابنِ عاص جس نے جنگِ صفین میں مسئلہ تحکیم پیدا کیا ----- دوسرا مغیرہ ابنِ شعبہ جس نے معاویہ کو یزید کی ولی عہدی کا مشورہ دیا۔ وہ لکھتا ہے: "مغیرہ ابن شعبہ نے معاویہ کو یزید کی ولی عہدی کا مشورہ دینے کے بعد باہر نکل کر کہا: "میں نے معاویہ کا پاؤں ایسے گڑھے میں ڈالا ہے جس سے وہ قیامت تک نہیں نکل سکے گا۔"

(کتاب نفثت الحسین صفحہ ۱۱۴)

حسن بصری لکھتے ہیں

معاویہ کے چار جرائم اتنے سنگین ہیں کہ ان میں سے ایک جرم ہی اس کی ہلاکت کے لئے کافی ہے' ان جرائم میں سے ایک بڑا جرم اپنے بعد اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانا ہے جبکہ وہ شرابی تھا' حالتِ سکر میں رہا کرتا تھا' ریشمی (ابریشم) لباس پہنتا تھا' ہمیشہ گانا گاتا تھا۔

(الولایت والامامت ص ۳۳۶)

(تاریخ طبری جلد چہارم صفحہ ۲۴۲)

جس وقت معاویہ مرا یزید موجود نہ تھا' وہ حوارین میں تھا' اس کو معاویہ کی بیماری کے وقت پیغام بھیجا گیا۔ لیکن وہ معاویہ کے مرنے کے بعد پہنچا۔ معاویہ کی نمازِ جنازہ ضحاک ابن قیس فہری نے پڑھائی۔ یزید بعد میں پہنچا اور آکر معاویہ کی قبر پہ نماز پڑھی۔

یزید کی خلافت تین سال آٹھ ماہ رہی وہ ۱۷ صفر ۶۴ ہجری کو ۳۳ سال کی عمر

میں اپنی موت مرا۔

(مروج الذہب صفحہ نمبر ۶۵' تاریخ یعقوبی۔ جلد دوم صفحہ ۲۲۹)

یزید کی ولی عہدی

یزید کی ولی عہدی کے بارے میں دینی و اجتماعی شخصیات کی آراء

۱۔ عبداللہ ابن عمر

معاویہ نے جب اصحابِ رسولؐ اور تابعین اور دیگر شخصیات کے سامنے یزید کی ولی عہدی کا اعلان کیا تو عبداللہ ابن عمر نے کہا:

"حمد و ستائش اللہ کے لئے ہے کہ اس نے ہمیں اپنی اور اپنے نبیؐ کی امت بننے کا شرف بخشا۔ معاویہ! یہ خلافت نہ حکومتِ حرقلی ہے اور نہ یہ قیصری و کسراوی ہے جہاں یہ وراثت میں جاتی ہے اور باپ کے بعد بیٹا وارث بنتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اپنے باپ کے بعد خلیفہ بنتا۔ خدا کی قسم میرے باپ (عمر) نے جن چھ آدمیوں کو خلافت کے لئے نامزد کیا ان میں مجھے نہیں رکھا۔ خلافت قریش میں ان لوگوں کے لئے ہے جو اس منصب کے اہل ہوں اور مسلمان ان سے راضی ہوں۔" (کتاب' معارف اسلامیہ تالیف شیخ محمد علی نجفی زبیری صفحہ ۵۷)

معاویہ کے یزید کی ولی عہدی کے اعلان پر عبداللہ ابن عمر نے کہا:

"کیا ہم ایک ایسے شخص کی بیعت کریں جو کتے سے کھیلتا ہے' شراب پیتا ہے اور علانیہ فسق کرتا ہے ــــ خدا کے سامنے ہمارا کیا عذر ہوگا۔"

(تاریخِ یعقوبی جلد دوم صفحہ نمبر ۲۲۸)

۲۔ مروان ابن حکم

مروان بنی امیہ کے خاندان کے بزرگوں میں سے تھا۔ جب معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کا اعلان کیا تو اس کو غصہ آیا اور اس نے معاویہ سے کہا:

"اے فرزندِ ابی سفیان! انصاف کر۔ افسوس ہے تو نے اپنے ایک ایسے بچے کو امیر بنایا جبکہ تیری قوم میں تجھ جیسے افراد موجود ہیں۔ تو اپنے جیسی ہم پلہ شخصیات کے ساتھ دشمنی کر کے گناہ کا مرتکب ہوا۔"

معاویہ نے اس سے یزید کے بعد اس کی ولی عہدی کا وعدہ کر کے اسے مدینہ بھیجا اور پھر اسے والی کے منصب سے معزول کر دیا۔

(مروج الذہب جلد سوم صفحہ ۳۸۔ حیاتِ امام حسینؑ جلد دوم صفحہ ۲۱۳ نقل از الامامہ والسیاسہ صفحہ ۱۲۸)

۳۔ سعید ابن عثمان ابن عفان

جب معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کا اعلان کیا تو سعید ابن عثمان اس کے پاس گیا اور غصہ کی حالت میں معاویہ سے کہا: تم نے کس وجہ سے اپنے بیٹے کی ولی عہدی کا اعلان کیا ہے جبکہ میرا باپ اس کے باپ سے بہتر ہے۔ میری ماں اس کی ماں سے بہتر ہے اور میں خود اس سے بہتر ہوں۔ ہماری وجہ سے تو اس مقام پر پہنچا ہم نے تجھے اس منصب سے معزول نہیں کیا تھا۔

۴۔ مغیرہ ابن شعبہ

اگرچہ یزید کی ولی عہدی کی سوچ معاویہ کے ذہن میں ڈالنے والا خود مغیرۃ ابن شعبہ تھا لیکن جب معاویہ کو یہ فکر دینے کے بعد وہ کوفہ پہنچا تو اس نے کوفہ والوں سے کہا:

"میں نے معاویہ کے پاؤں کو ایسے گڑھے میں ڈالا ہے جو بہت ہی گہرا ہے جس سے اب وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکے گا۔ معاویہ کا یہ فعل امت پر بہت گراں گزرے گا اور امت میں ہمیشہ کے لئے شگاف پڑ جائے گا۔"

(حیاتِ امام حسینؑ جلد دوم صفحہ نمبر ۱۹۱)

۵۔ زیاد ابن ابیہ

معاویہ نے زیاد ابن ابیہ کو ایک خط میں ہدایت کی کہ وہ لوگوں سے یزید کی بیعت لے۔ جب یہ خط زیاد کو ملا تو اس نے اپنے غلام کو بلا کر کہا کہ:

"ایسی باتوں کے راز کے لئے تم کو امین بناتا ہوں جو کسی خفیہ تحریر میں بھی نہیں لائی جاسکتیں۔ تم معاویہ کے پاس جا کر میری طرف سے اس سے کہو کہ اے امیرالمومنین آپ کا خط مجھے ملا۔ میں اس کے مضمون سے آگاہ ہوا' لوگ ہم کو کیا کہیں گے اگر ہم ان کو یزید کی بیعت کی دعوت دیں گے۔ یزید کتوں اور بندرے کھیلتا ہے' ابریشم پہنتا ہے' شراب کا عادی ہو چکا ہے اور دف اور ڈھول میں مست صبح سے شام گزارتا ہے۔ جبکہ لوگوں کے درمیان حسین ابن علیؑ' عبداللہ ابن عباس' عبداللہ ابن زبیر' عبداللہ ابن عمر موجود ہیں ۔۔۔ لیکن اگر تم یہی چاہتے ہو کہ یزید خلیفہ بنے تو پہلے یزید کو حکم دے دو کہ وہ ایک دو سال اپنا

کردار درست کرے تاکہ ہم اس کی بیعت کے لئے لوگوں کو دعوت دے سکیں۔"

(حیاتِ امام حسینؑ ج دوم ص نمبر ۲۴، نقل از تاریخ یعقوبی ج دوم ص نمبر ۱۹۴)

۶۔ معاویہ پدر یزید

جب یزید کی برائیاں اور غلط حرکات منظرِ عام پر آگئیں تو خود معاویہ نے اس کو بلا کر نصیحت کی کوشش کی اور اس سے کہا کہ شہوات و خواہشاتِ نفسانی کو پوشیدہ رکھے اور یہ حرکات چھپا کر کرے تاکہ لوگوں کی نظروں میں نہ آئے۔ یزید کی ولی عہدی کے اپنے فیصلے کے بارے میں معاویہ کہتا ہے "اگر میری خواہشاتِ نفسانی یزید کو ولی عہد بنانے میں نہ ہوتیں تو شاید میں ہدایت پاتا۔"

(حیاتِ امام حسینؑ ج دوم ص نمبر ۱۲۷)

۷۔ عبداللہ ابن زبیر

عبداللہ ابن زبیر نے کہا:

"معاویہ خدا سے ڈر۔ اپنے نفس کے ساتھ انصاف کر۔ یہ عبداللہ ابن عباس ابنِ عمِ رسولؐ، عبداللہ ابن جعفر ذی الجناحین ہیں، میں خود عبداللہ ابن زبیر ابنِ عمِ رسولؐ ہوں اور حضرت علیؑ کے دو بیٹے حسنؑ و حسینؑ ہیں، تم جانتے ہو کہ یہ کون ہیں؟ ان کی کیا شان ہے ---- تو خود ہمارے اور اپنے درمیان فیصلہ کر۔"

(حیاتِ امام حسینؑ ج دوم ص نمبر ۲۰۶)

عبداللہ ابنِ زبیر کہتے ہیں:

”خدا کا عصیان کر کے کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی ۔یزید نے ہمارے دین کو خراب کیا ہے“۔

(تاریخِ یعقوبی ج دوم ص نمبر۲۲۹)

۸ــــ احنف ابن قیس

احنف ابن قیس رئیسِ عراق سے جب معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کے بارے میں کہا کہ تم بھی اپنی رائے کا اظہار کرو تو اس نے کہا: ”اگر سچ بولوں تو تم سے ڈر ہے اور اگر جھوٹ بولوں تو خدا سے ڈر ہے۔“

معاویہ سے احنف نے کہا:

”اے امیرالمومنین! جان لو 'خلافت کس کے سپرد کر رہے ہو۔ دیکھو' دھوکے میں مت آؤ کیونکہ جو تمہیں ایسے مشورے دیتا ہے وہ اپنی عاقبت پر نظر نہیں رکھتا ہے لہٰذا اس امتِ مسلمہ پر رحم کرو۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اہلِ حجاز واہلِ عراق ہرگز اس فیصلے پر راضی نہیں ہوں گے اور تمہاری بات کوئی نہیں مانے گا جب تک حسنؑ زندہ ہیں۔“

(کتاب 'حیاتِ امام حسینؑ صفحہ نمبر۲۰۲)

---☆---☆---

معاویہ نے اپنی موت سے پہلے یزید سے کہا کہ باغیوں کے ضمن میں ایک دن ایسا ہو گا جبکہ اہلِ مدینہ تمہارے خلاف کھڑے ہوں گے تو ایسے میں تم مدینہ کو مسلم ابن عقبہ (جنرل) کے سپرد کرنا وہ ہمارا نصیحت یافتہ شخص ہے ------

جب یزید کے سامنے وہ دن آیا کہ اہلِ مدینہ نے اس کے والی محمد ابنِ عثمان

و مروان ابن حکم اور دیگر بنی امیہ کے مجرموں کو مدینہ سے نکالا تو یزید نے اپنے باپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے ، مسلم ابن عقبہ کو جنرل بنایا جسے مورخین نے مسرف ابن عقبہ کا لقب دیا ہے ، مدینہ کو اس کے سپرد کیا اور اس نے وہاں جو جرائم اور مظالم کئے ، وہ یہ ہیں:

- اس نے اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں سے ۷۰ مقتدر شخصیات کو شہید کیا ، بقول ابنِ قتیبہ اس کے بعد کوئی بدری باقی نہیں رہ گیا۔
- دس ہزار دوسرے لوگوں کو قتل کیا جو کہ بچوں اور عورتوں کے قتل کے علاوہ تھا۔
- سات سو افراد جو کہ مہاجرین و انصار میں سے تھے ان کو قتل کیا جیسا کہ کتاب بدایہ و نہایہ میں زہری سے نقل ہوا ہے۔
- مدینہ کی تاراجی کی اور اہلِ ثروت کو لوٹا لیا۔
- ہزاروں بے آسرا لڑکیوں کی بکارت ضائع کی گئی ، جس کے نتیجہ میں غیر شادی شدہ عورتیں حاملہ ہوئیں۔
- مسلمانوں کی جان ، مال عزت و خون سے اس طرح کھیلا گیا گویا یہ سب یزید کی ذاتی ملکیت ہیں۔

(دروس من ثورۃ الحسینؑ ص نمبر ۲۴۲)

- مکہ کو منجنیق سے جلایا۔
- جس مدینہ کو پیغمبرؐ نے طیبہ کہا تھا یزید کے جنرل نے خبیثہ کہہ کر پکارا۔

یہ سارے جرائم یزید کے اس فوجی جنرل (مسلم ابن عقبہ) نے کئے جس کو مدینہ سپرد کرنے کی معاویہ نے یزید کو وصیت کی تھی۔

یزید کے جرائم

علامہ ہبت الدین شہرستانی اپنی نفیس کتاب نہضتِ امام حسینؑ میں لکھتے ہیں: "یزید ہمیشہ حسین و جمیل جوان لڑکیوں کی تلاش میں رہا کرتا تھا۔ اس کو خبر دی گئی کہ مدینہ میں ایک ایسی خاتون موجود ہے جو اپنے حسن و جمال میں مثال نہیں رکھتی۔ اس کا نام ارینب ہے' وہ اسحاق قریشی کی دختر ہے' ارینب عبداللہ ابنِ سلام کے عقد میں تھی۔ یزید سوچ میں تھا کہ کس طرح ان میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالی جائے۔ اس سوچ میں جب وہ خود کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا تو اس نے اپنے باپ معاویہ کو یہ خبر پہنچائی اور معاویہ سے کہا کہ اگر میری یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ معاویہ اگرچہ مشکل سے مشکل کام اپنے مکرو فریب سے حل کرنے میں مہارت رکھتا تھا' لیکن اس سلسلہ میں اس کو رسوائی نصیب ہوئی۔ معاویہ نے ایک ناپاک دھوکہ کا جال مرتب کیا اور سوچ سمجھ کر اس نے عبداللہ ابنِ سلام (اس عورت کے شوہر) کو شام بلایا' اس سے بے انتہا محبت اور مروّت کا اظہار کیا اور اس کی اس قدر خاطر و مدارات کی کہ اس کے دل و دماغ پر چھا گیا اور معاویہ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اسے اپنا داماد بنانا چاہتا ہے۔ پھر اس سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تو امیرِ وقت کا یعنی میرا داماد بنے۔ عبداللہ ابنِ سلام کو خلیفۂ وقت کے داماد بننے کے جنون نے اندھا بہرہ بنا دیا۔ آتشِ عشق فروزاں ہو گئی اور وہ بار بار معاویہ سے اس وعدہ کے ایفا کے سلسلہ میں یاد دہانی کرتا رہا۔ جب اس سلسلہ میں اس کا اصرار بڑھا تو معاویہ نے عبداللہ ابنِ سلام سے کہا کہ میری بیٹی کہتی ہے کہ میں

اریـنب کی موجودگی میں عبداللہ بن سلام کی زوجیت میں نہیں جا سکتی 'عبداللہ ابنِ سلام نے یہ سن کر خلیفہ کا داماد بننے کے شوق میں اپنی مومنہ 'صالحہ اور نیک زوجہ کو طلاق دے دی تاکہ خلیفۂ وقت (امیر معاویہ) کا داماد بنے۔

اریـنب کی عدت کا زمانہ ختم ہونے کے بعد معاویہ نے ابو ہریرہ کو مدینہ بھیجا کہ وہ اسے یزید کی زوجیت پر راضی کرے۔ لیکن اریـنب سے ملنے سے پہلے ابو ہریرہ حضرت امام حسینؑ سے ملا۔ امامؑ نے اس کے مدینہ آنے کا سبب دریافت کیا تو ابو ہریرہ نے کہا کہ میں اریـنب کے پاس یزید کی شادی کا پیغام لیکر آیا ہوں۔ تو امام حسینؑ نے اس سے کہا کہ اریـنب تک میرا بھی پیغام پہنچادیں۔

جب ابو ہریرہ نے اریـنب کے پاس یزید کی خواستگاری کے ساتھ امام حسینؑ کا پیغام بھی پہنچایا تو اس زنِ مومنہ و صالحہ نے رشتۂ آلِ رسولؐ کو رشتۂ آلِ ابی سفیان پر ترجیح دی اور امام حسینؑ کی محبت کو اپنے دل میں رکھ کر ابو سفیان کے غدار 'فاسق 'فاجر اور سفاک پوتے کی امیدوں پر ہمیشہ کے لئے پانی پھیر دیا۔

(نہضتِ امام حسین سید ہبت الدین شہرستانی صفحہ ۱۲۹)

ایک دن معاویہ نے یزید سے کہا کہ کیا کوئی ایسی لذت دنیا باقی رہ گئی ہے کہ تم اس تک نہ پہنچے ہو۔ تو یزید نے کہا ہاں۔ ام ابیہ ہند بنت سہیل ابن عامر کا میں نے رشتہ مانگا اور عبداللہ ابن عامر کریز نے بھی اس کا رشتہ مانگا تو اس کو رشتہ دیا گیا مجھ کو نہیں دیا۔ معاویہ نے فوراً عبداللہ ابن عامر کریز کو جو کہ بصرہ میں اس کا والی تھا بلایا جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اس سے کہا کہ ولی عہدِ مسلمین یزید کے لئے ہند سے دست بردار ہو جاؤ۔ اس نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا۔ معاویہ نے کہا کہ اگر نہیں کرو گے تو بصرہ سے تمہیں ہٹادوں گا 'عبداللہ ابن عامر باہر آگیا

اور اپنے ساتھی یا غلام سے مشورہ کیا۔ واپس آکر معاویہ سے کہا کہ ہند میری طرف سے مطلقہ ہے۔

(مقتلِ خوارزمی ج ا ص ۱۵ فصل سابع)

عبداللہ ابن حنظلہ صحابیؓ رسولؐ

"خدا کی قسم ہم نے اس وقت تک یزید کی حکومت کے خلاف خروج نہیں کیا جب تک ہمارے لئے خطرہ لاحق نہیں ہو گیا کہ کہیں خدا ہمیں آسمان سے پتھر کی بارش کر کے سنگسار نہ کر دے۔

یزید اپنی ماں، بہنوں اور بیٹیوں سے شادی کرتا ہے، علانیہ شراب پیتا ہے، نماز نہیں پڑھتا، اگر میرے ساتھ کوئی بھی نہ ہو تب بھی میں تنہا اس کی مخالفت کروں گا۔"

(معارفِ اسلامیہ صفحہ ا ۷، نقل از تالیفِ ابن عساکر جلد ۷)

---☆---☆---

مروان بن الحکم

مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف' حضرت عثمان بن عفان کا چچازاد بھائی تھا۔ اس کی ماں کا نام آمنہ بنت علقمہ بن صفوان بن امیہ الکنانی تھا۔

کنیت اباعبداللہ ہے۔ سنہ ۲ ہجری میں مکہ یا بعض روایات کے مطابق طائف میں پیدا ہوا۔ اس نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ پیغمبرِ اکرمؐ کی رحلت کے وقت اس کی عمر آٹھ سال تھی۔ اس کا باپ حکم بن ابی العاص اکابرینِ قریش کے سامنے حضورؐ کا تمسخر اڑاتا تھا اور پیغمبرؐ کی نقل و حرکت اور اندازِ گفتگو کی نقل اتارتا تھا۔ حکم ابن ابی العاص اسلام قبول کرنے کے بعد بھی پیغمبرؐ کے خلاف جاسوسی کرتا تھا اور حضورؐ کو اذیت پہنچاتا تھا۔ ایک دن حَکَم پیغمبرؐ کے پاس آیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ پیغمبرؐ نے فرمایا اس کو اذن دیدو' خدا ان پر لعنت کرے جو اس کے صلب سے نکلنے والے ہیں سوائے مومنین کے۔

(الغدیر ج نمبر ۸ ص ۲۴۶)

جناب عائشہ سے مروی ہے کہ پیغمبرؐ نے مروان اور اس کے باپ پر لعنت

بھیجی ہے۔ جناب عائشہ نے کہا: "پیغمبرؐ نے تمہارے باپ اور دادا کو شجرِ ملعونہ قرار دیا ہے۔"

ایک دن پیغمبرؐ نے فرمایا:

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے منبر پر بندر چڑھے ہیں۔"

(مقاتلِ اموی صفحہ ٦٦ نقل از البدایہ والنہایہ ص ۲۴۳ نقل از مستدرکِ حاکم ج نمبر۴ ص ۴۷۹)

پیغمبرؐ نے فرمایا: "یہ وزغ ابن وزغ (چھپکلی) ہے۔"

پیغمبرِ اکرمؐ نے فرمایا:

"جب آلِ مروان کی نسل تیس عدد پر پہنچے گی تو وہ اللہ کے مال کو اپنے درمیان بانٹے گی اور زمین پر فساد برپا کرے گی"۔

پیغمبرِ اکرمؐ نے پھر فرمایا:

"یہ مروان چار جابروں کا باپ ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"میں نے خواب میں بنی حَکَم کو اپنے منبر پر بندر کی طرح اچھلتے دیکھا۔" (مقتلِ خوارزمی ج ا ص ۱۸۱)

حضرت علیؑ نے مروان سے فرمایا:

"افسوس ہے تمہارے لئے اور اس امتِ محمدؐ کے لئے جبکہ تم اور تمہارے گھر کے بچّے جوان ہو جائیں گے۔"

(ابنِ ابی الحدید ج ۲۔ ص ۲۵۵)

اسلام لانے سے قبل اور اسلام لانے کے بعد بھی پیغمبرؐ کو اذیت پہنچانے اور حضورؐ کے خلاف جاسوسی کرنے کے سبب پیغمبرؐ نے مروان اور اس کے باپ حکم کو مدینہ سے طائف کی طرف شہر بدر کیا۔ (ابن ابی الحدید ج ۶ - ص ۲۴۴)

پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد حضرت عثمان نے حضرت ابوبکر اور عمر سے درخواست کی کہ مروان اور اس کے باپ کو واپس مدینہ بلایا جائے۔ تو ان دونوں خلفاء نے عثمان کی اس درخواست کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ جس کو پیغمبرؐ نے مدینہ بدر کیا ہم اس کو کیسے واپس لائیں۔

حضرت عثمان خلیفہ بنے تو ان دونوں کو طائف سے مدینہ بلایا۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو ان کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ یہ خستہ حال تھے اور چہروں سے فقروفاقہ کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت عثمان نے پیغمبرؐ کے اس پرانے دشمن کو جسے حضورؐ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے، مدینہ میں بلانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کی رگِ حیات یعنی اقتصادی تقدیر کو بھی انہی کے سپرد کیا۔ ان کو صدقات جمع کرنے پر مامور کیا۔ حضرت عثمان کے اس اقدام سے مسلمان دو لحاظ سے ناراض ہو گئے۔

- اوّل تو جس شخص کو پیغمبرؐ نے مدینہ بدر کیا ہو اور دونوں خلیفہ واپس لانے کے لئے راضی نہ ہوئے ہوں اسے حضرت عثمان نے واپس بلایا۔
- دوم مروان بن حکم کو جو دشمنِ رسولؐ اللہ تھا اسلامی خلافت کے اہم منصب اور بیت المال کے تمام اختیارات دے دیئے کہ وہ جس طرح اور جہاں چاہے خرچ کر سکتا تھا۔ اس وقت اس کے آمدن میں

جو چیزیں تھیں وہ یوں ہیں:

۱۔۔ خمسِ افریقہ جو پانچ لاکھ درہم بنتے تھے۔

۲۔۔ ایک ہزار پچاس اوقیہ سونا یا چاندی۔

۳۔۔ ایک لاکھ درہم۔

۴۔۔ پورا فدک جس کی مالیت کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ معاویہ نے اپنے دور میں فدک کی آمدنی کو تین اشخاص یعنی یزید، سعید ابن العاص اور مروان ابن حکم میں تقسیم کیا۔

(حیاتِ امام حسینؑ ج ۱۔ ص ۲۱۷)

حضرت عثمان کے پاس مصر اور عراق سے سات سو سے زائد افراد اپنی اپنی شکایات لے کر مدینہ آئے۔ مصر سے آنے والے وفد نے وہاں کے گورنر ابن ابی سرح کی شکایات کیں۔

حضرت علیؑ اور دیگر اکابرین اصحاب نے شکایات کرنے والوں اور حضرت عثمان کے درمیان طویل گفتگو کے بعد مصالحت کرانے کی کوشش کی۔ بعد میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ ابن ابی سرح کو گورنری سے ہٹا کر محمد ابن ابی بکر کو اس کی جگہ مامور کیا جائے۔ حضرت عثمان سے حکم نامہ پر دستخط لے کر مصر کا وفد محمد ابنِ ابی بکر کے ہمراہ مصر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مدینہ سے تین دن کی مسافت طے کرنے کے بعد راہ میں انہوں نے ایک شخص کو مصر کی طرف جاتے ہوئے مشکوک پایا۔ اس سے معلومات اور تفتیش پر اس کے قبضے سے ایک خط ملا جس پر حضرت عثمان کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اس خط میں ابن ابی سرح کو لکھا تھا کہ اگر محمد ابن ابی بکر تمہارے پاس ہمارا خط لے کر آئے تو خط کو پھاڑ دو اور محمد کو کسی بہانے سے

قتل کر دو اور ہماری ہدایت آنے تک تم اپنے منصب پر قائم رہو۔ اس خط کا مضمون دیکھنے کے بعد وفد دوبارہ مدینہ آیا۔ حضرت علیؑ اور دیگر اصحاب کو لے کر حضرت عثمان کے پاس گیا۔ ان سے کہا کہ یہ شخص تمہارا غلام ہے۔ اس خط پر تمہاری مہر ہے لہٰذا کیا کہتے ہو۔ اگر تمہارا ہے تو ایسا کیوں کیا؟ اگر مروان نے تمہاری طرف سے منسوب کر کے لکھا ہے تو مروان کو ہمارے سپرد کر دو۔ حضرت عثمان نے اپنی طرف سے ہونے کا انکار کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں عثمان محصور ہوئے اور قتل کر دیئے گئے۔ حضرت علیؑ اور دیگر اصحاب کی کوشش کے باوجود عثمان نہیں بچ سکے۔ ان تمام حالات کی ذمہ داری مروان پر آتی ہے۔

(مقاتلِ امتوی ص ۱۲۲)

جب اہلِ مدینہ نے حضرت عثمان کے قتل کے بعد حضرت علیؑ کی بیعت کی تو مروان فرار ہو کر مکہ پہنچا' وہاں طلحہ اور زبیر کے ساتھ جناب عائشہ کے پاس گیا اور انہیں حضرت علیؑ کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا۔ حضرت عائشہ کو مکہ سے نکال کر بصرہ لایا۔ بصرہ میں جنگ ختم ہونے کے بعد طلحہ و زبیر قتل ہو گئے اور مروان اسیر ہو گیا۔ حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ مروان کو چھوڑ دیں وہ آپ کی بیعت کرے گا۔ جس پر علیؑ نے جواب دیا کہ اس کا ہاتھ یہودی کا ہاتھ ہے۔ مجھے اس کی بیعت کی ضرورت نہیں۔ یہ اگر ایک ہاتھ سے بیعت کرے گا تو دوسرے ہاتھ سے غدر کرے گا۔ کیا اس نے مدینہ میں بیعت نہیں کی تھی؟

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۷۳)

اس کے بعد مروان کوفہ پہنچا' وہاں سے فرار ہو کر معاویہ کے پاس گیا اور جنگِ صفین میں معاویہ کا ساتھ دیا۔ جنگِ صفین کے بعد معاویہ نے اسے بحرین'

طائف، مکہ اور مدینہ کا والی بنا دیا۔

(مقاتل امتوی ص ۱۷۶)

۴۸ ہجری میں مروان کو مدینہ سے ہٹا کر اس کی جگہ اس کے چچازاد بھائی سعید ابن العاص کو گورنر بنایا گیا۔ لیکن جب تک وہ مدینہ میں گورنری پر رہا اس نے حضرت علیؑ پر سب کرنا نہیں چھوڑا یہاں تک کہ وہ عید کا خطبہ نماز سے پہلے دیا کرتا تھا۔ چونکہ لوگ حضرت علیؑ کے خلاف سب و شتم پسند نہیں کرتے تھے اس لئے وہ نماز کے فوراً بعد فرار ہو جاتا تھا اور اسی لئے خطبہ نماز سے پہلے دیا کرتا تھا۔

معاویہ اپنے بعد خلافت کے لئے یزید کی ولی عہدی کے اعلان کی راہ میں جن افراد کو رکاوٹ سمجھتا تھا ان میں سے ایک حضرت امام حسنؑ تھے کیونکہ صلح میں لکھی ہوئی ایک شرط یہ بھی تھی کہ معاویہ کے بعد خلافت امام حسنؑ کو واپس ملے گی۔ چنانچہ اس ولی عہدی کے اعلان کے لئے دمشق میں ایک خفیہ اجتماع میں اس مسئلہ کو پیش کیا گیا تو احنف ابن قیس نے صلح کی اسی شق کو بنیاد بناتے ہوئے (کہ خلافت معاویہ کے بعد امام حسنؑ کو ملے گی) اس تجویز کو مسترد کیا تھا۔ معاویہ نے دیکھا کہ جب تک امام حسنؑ زندہ ہیں یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ معاویہ نے مروان کے توسط سے جعدہ بنت اشعث زوجہ امام حسنؑ سے کہا کہ اگر وہ حسنؑ کو قتل کر دیگی تو اسے ایک لاکھ درہم ملے گا اور بعد میں یزید کے عقد میں لے لی جائیگی۔ معاویہ نے اسی مروان کے توسط سے جعدہ تک وہ زہر پہنچایا جسے امام حسنؑ کو دیا گیا۔ اور اس طرح مروان کے توسط سے فرزند رسولؐ شہید ہوئے۔

مروان کی اہل بیت اطہارؑ سے شدید دشمنی اور کینہ پروری کی ایک نمایاں

مثال یہ ہے کہ جب امام حسنؑ کے جنازے کو آپ کی وصیت کے مطابق امام حسینؑ روضۂ رسولؐ پر لے گئے تاکہ نانا کے جوار میں دفن کریں، مروان اور سعید دونوں جناب عائشہ کے پاس گئے اور کہا کہ اگر حسنؑ جوارِ رسولؐ میں دفن ہو گئے تو ابوبکر اور عمر کو جو امتیاز ملا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ دونوں کے کہنے پر جناب عائشہ گھر سے نکلیں۔ ایک خچر پر سوار ہو کر آئیں اور امام حسنؑ کی میت کو جوارِ رسولؐ میں دفن کرنے سے روکا۔ امام حسینؑ نے انتہائی ضبط و تحمل سے کام لیا۔ اپنے بھائی کی دوسری وصیت کے مطابق کہ "اگر میرے جنازے پر خون بہانے کا موقع آجائے تو مجھے بقیع میں دفن کرنا" امام حسنؑ کے جنازے کو روضۂ رسولؐ سے بقیع لے گئے۔

پیغمبرؐ اور آلِ پیغمبرؐ سے اپنی ذاتی اور خاندانی دشمنی کے علاوہ جو مروان کو ورثہ میں ملی تھی، اس نے معاویہ کو خوش کرنے کے لئے اور یہ جتانے کے لئے کہ اس کا مطیع اور فرمانبردار والی ہے، اپنے دور میں حضرت علیؑ پر سب و شتم بند نہیں کیا اور اس طرح معاویہ کی خوشنودی کے لئے اہل بیتؑ سے ہر طرح کی دشمنی برتتا رہا۔ اس کے باوجود جب معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کا اعلان کرنا چاہا تو مروان نے معاویہ کے حکم کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اہلِ مدینہ اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتے اور انہوں نے یزید کی بیعت کو رد کیا ہے۔

مروان خود شام گیا اور معاویہ سے کہا کہ اپنے بیٹے کو امیر بنانے سے باز آجائے اور اپنے خاندان کے ہم پلّہ بزرگوں سے دشمنی نہ کرے۔ معاویہ کو سخت غصّہ آیا پھر بھی اس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے مروان کا ہاتھ تھاما، اس کی انتہائی تعریف اور خوش آمد کی اور ایک ہزار دینار ماہانہ وظیفہ بڑھانے کا وعدہ کیا۔

یہ بھی کہا کہ یزید کے بعد تم خلیفہ بنو گے۔ یہ کہہ کر اس کو واپس مدینہ بھیجا۔ پہلی فرصت میں مروان کو گورنری سے ہٹا کر سعید ابن العاص کا تقرر کیا۔ معاویہ نے مرنے سے پہلے سعید کو ہٹا کر اپنے بھتیجے ولید ابنِ عتبہ ابنِ ابی سفیان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔

جب ولید ابن عتبہ کو یزید کا خط ملا جس میں معاویہ کی موت کی خبر دی گئی اور اہلِ مدینہ سے اور بالخصوص امام حسینؑ سے بیعت لینے کا حکم دیا گیا تو ولید نے مروان کو بلایا حالانکہ دونوں میں کشیدگی تھی۔ مروان کو معاویہ کی موت کی خبر دی اور اس سے مشورہ مانگا کہ ان لوگوں سے یزید کیلئے بیعت کیسے لی جائے۔ مروان نے جواب دیا کہ ان کو فوراً ابھی بلاؤ اور بیعت اور اطاعت کیلئے دعوت دو۔ اگر انکار کریں تو یہیں پر ان کے سر کاٹ دو قبل اس کے کہ لوگ معاویہ کی موت کی خبر سنیں۔ اگر معاویہ کی موت کی خبر سن لیں گے تو یہ مخالفت کریں گے اور حسینؑ کسی صورت میں بیعت نہیں کریں گے۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو حسینؑ کو ملنے نہ دیتا یہاں تک کہ ان کا سر کاٹ لیتا۔ ولید یہ سن کر حیران و پریشان ہو گیا تو مروان نے کہا پریشان ہونے کی بات نہیں 'آلِ ابو تراب ہمیشہ ہمارے دشمن رہے اور رہیں گے۔ انہی لوگوں نے امیر معاویہ کے خلاف جنگ لڑی۔ اگر جلدی نہیں کرو گے تو حسینؑ ہاتھ سے نکل جائیں گے۔

جب امام حسینؑ مجلس ولید سے رخصت ہو کر نکل رہے تھے تو مروان نے ولید سے کہا:

اگر حسینؑ تمہارے ہاتھ سے نکل گئے اور بیعت نہ کی تو پھر ہاتھ نہیں آئیں گے یہاں تک کہ تمہارے درمیان قتل و خون ہو گا۔ بہتر یہ ہے کہ ان کو

قید کرو، نکلنے مت دو تا آنکہ بیعت کریں یا قتل کر دیئے جائیں۔

اس وقت مروان کے اس تند و ترش رویہ کے چند اسباب ہیں:

۱۔ ولید ابنِ عتبہ مروان کیلئے ایک سیاسی رقیب کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ بیس سال تک مدینہ کا والی یا تو مروان رہا یا اس کا چچازاد بھائی سعید۔ یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کرنے کی وجہ سے معاویہ نے مروان کو مدینہ کی گورنری سے ہٹایا تھا۔ جو شخص خود کسی عہدے پر فائز رہا ہو اس جگہ دوسرے کو دیکھنا گوارہ نہیں کرتا۔ یہی وجہ تھی یا آپس کی کوئی اور کشیدگی جو ایک دوسرے سے میل ملاقات نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر مروان کو مجلس ولید میں دیکھ کر امام حسینؑ نے فرمایا: "اللہ آپ دونوں کے امور کی اصلاح کرے، آپس میں صلاح، فساد سے بہتر ہے، صلۂ رحمی کرنا عداوت سے بہتر ہے، الحمدللہ آج دونوں ایک جگہ جمع ہیں، خدا انکے مابین اصلاح کرے۔" دونوں نے امامؑ کے ان کلمات کا جواب نہیں دیا۔ چنانچہ ولید مروان کا ایک رقیب تھا جسے اس منبر پر دیکھنا مروان کو گوارہ نہیں تھا۔ ایسا شخص عموماً صحیح مشورہ کے بجائے الٹا مشورہ دے گا جس پر عمل کرنے یا نہ کرنے میں دو صورتیں پیدا ہوں گی۔

(الف) اگر عمل کرتا ہے تو ولید بنی ہاشم یا امام حسینؑ سے نہیں بچ سکتا اور اسطرح مروان کا دشمن بنی ہاشم کے مقابل ہو جائے گا۔

(ب) اگر عمل نہیں کرے گا تو یزید کے غم و غصہ کا نشانہ ولید ہی بنے گا اور خود مروان یزید کا خیر خواہ قرار پائے گا۔

۲۔ مروان تیس سال سے زیادہ عرصہ تک کبھی خلافتِ اسلامیہ کے مالیات کے سیاہ و سفید کا مالک رہا اور کبھی گورنر رہا۔ اور اب مسندِ خلافت کا آرزومند

تھا جس پر اس کی نگاہ جمی ہوئی ہے۔ مروان نہایت بد طینت اور چالباز آدمی تھا۔ وہ اپنے آپ کو خاندانِ بنو امیّہ کا ایک سن رسیدہ تجربہ کار خلافت کا حقدار سمجھتا تھا۔ چنانچہ یزید کی ولیعہدی کے اعلان کے موقع پر مروان کی معاویہ سے تلخ کلامی بھی ہوئی اور اس نے معاویہ کے اس اقدام کو غلط ٹھہرایا لہٰذا مروانؔ یزید کی خلافت سے خوش نہیں تھا۔ اگر ولید اسکے مشورہ پر عمل کرتا تو نتیجہ بہرحال یزید پر منتج ہوتا تھا اور یزید کی خلافت ختم ہو جاتی۔ اور اسکے بعد بنو امیّہ میں خلافت کا سب سے زیادہ اہل مروان ہی نکلتا۔ اگر قتلِ حسینؑ سے یزید پر کوئی اثر نہ پڑتا تو گویا یزید پر اس کا یہ احسان ہوا اور مروان کی اپنی خیر خواہی نیز وفاداری کا بھی اعلان ہو گیا۔

۳ــــ حسینؑ سے دشمنی مروان کے دل میں دیرینہ تھی جو اس کو اپنے باپ سے ورثہ میں ملی تھی۔ جس ماحول میں اس نے اپنی زندگی بسر کی وہاں کی تربیت کا بھی یہی اثر تھا۔ مروان اچھی طرح جانتا تھا کہ مسندِ خلافت تک پہنچنے میں اس کے لئے رکاوٹ دو شخصیتیں تھیں ' ایک یزید اور دوسرے حسینؑ۔ لیکن حسینؑ سے جتنا خطرہ لاحق تھا یزید سے نہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ مسندِ خلافت تک پہنچنے کیلئے کسی نہ کسی موڑ پر حسینؑ سے مقابلہ ناگزیر ہے۔ اسلئے اس نے سوچا کہ کیوں نہ اپنے دشمن ہی کے توسط سے حسینؑ کو راستے سے ہٹادے اور حسینؑ کے قتل کے سنگین نتائج یزید کی گردن پر ڈال دے۔

ـــ☆ـــ☆ـــ

ولید ابنِ عتبہ ابنِ ابی سفیان

ولید ابنِ عتبہ بنی امیہ میں ایک فصیح و بلیغ خطیب تھا۔ معاویہ کی طرف سے مصر میں والی رہا۔ معاویہ کی طرف سے ولید ۴۱ ہجری تا ۴۴ ہجری ہر سال امیرِ حج مقرر ہوا۔ اسکے بعد ۴۷ ہجری میں اور پھر ۵۶ ہجری تا ۵۸ ہجری ہر سال امیرِ حج مقرر ہوا (تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۲۹)۔

سن ۶۱ ہجری میں وہ مکہ کا امیر ہوا ۶۴ ہجری میں اسکندریہ میں فوت ہوا۔ وہ حضرت علیؑ سے دشمنی رکھتا تھا۔

ولید ابنِ عتبہ صاحبِ علم و حلم تھا۔ بنی امیہ کے دوسرے افراد کی بہ نسبت ایک حد تک دیانتدار کہا جاتا تھا اور بنی امیہ میں اعلیٰ مقام و منزلت رکھتا تھا۔

(اعلامِ نبلا ج ۳ ص ۵۳۴)

امام حسینؑ کے بارے میں ولید اور مروان کی سیاست کا فرق

ولید نرم سیاست کا حامی تھا۔ وہ حلم و بردباری سے مشکلات کو حل کرنے کا قائل تھا۔ جبکہ مروان کی سیاست محض خشونت اور سختی پر مبنی تھی۔ مقتلِ

خوارزمی صفحہ ۱۸۱ میں ہے کہ:

"جب یزید کی طرف سے ولید کو حکمنامہ ملا جس میں معاویہ کی موت کی خبر تھی اور اسے یہ حکم تھا کہ حسینؑ اور عبداللہ بن زبیر سے بیعت لے اور انکار کی صورت میں ان کو قتل کردے تو ولید خود اپنے نفس سے مخاطب ہوا اور کہا!

"افسوس ہے اے ولید! کس نے تجھے اس حکومت میں شامل کیا کہ تیرے اور حسینؑ کے درمیان آج یہ مسئلہ درپیش ہے۔" ولید نے بہت دیر تک سوچنے کے بعد مروان کو بلا بھیجا جبکہ عرصہ سے ان دونوں کے درمیان سخت اختلاف اور کشیدگی تھی۔ مروان کو معاویہ کی موت کی خبر سے آگاہ کیا۔ پھر اس سے مشورہ طلب کیا کہ آیا مدینہ والوں سے بالعموم اور حسینؑ اور عبداللہ بن زبیر سے بالخصوص بیعت طلب کی جائے۔ مروان نے کہا کہ اگر میں تیری جگہ ہوتا تو حسینؑ کو بلاتا اور ان سے بیعت لیتا۔ انکار کی صورت میں انھیں ملنے نہ دیتا اور قتل کردیتا۔ ولید پریشان ہوگیا سرنیچا کیا اور تھوڑی دیر سوچنے کے بعد سر اٹھا کر کہا: "اے کاش ولید پیدا ہی نہ ہوتا اور اس کا وجود نہ ہوتا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ تب مروان نے ولید سے کہا تو پریشان نہ ہو۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ آلِ ابی تراب ہمارے ساتھ قدیم دشمنی رکھتے چلے آئے ہیں؛ انھوں نے عثمان کو قتل کیا۔ امیرالمومنین معاویہ سے جنگیں لڑیں۔ اگر تم جلدی نہ کروگے تو امیر یزید کی نظروں سے تمھاری قدرو منزلت گرجائیگی۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی اور حسینؑ تمھارے ہاتھ سے نکل گئے تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے۔

مروان کے مشورہ پر ولید نے محمد ابنِ عثمان کو بھیجا۔ اس نے حسینؑ اور

عبداللہ بن زبیر کو مسجد نبوی میں پایا۔ عبداللہ بن زبیر کہیں اور چل دیا۔ جبکہ امام حسینؑ تمیں (۳۰) سے زائد مسلح جوانانِ بنی ہاشم کے ہمراہ دارالامارہ پہنچے ____ ' اپنے جوانوں کو دروازے پر ہی کھڑا کر کے فرمایا اگر میری آواز بلند ہو تو تم اندر آجانا۔ یہ کہہ کر حسینؑ دارالامارہ میں داخل ہوئے۔ ولید نے آگے بڑھ کر امامؑ کا استقبال کیا' احترام سے اپنی جگہ پر بٹھایا۔ مروان بھی وہاں موجود تھا لیکن یہ خبیث اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ پھر بھی امام حسینؑ نے جو خُلقِ عظیم کے نواسے تھے' مروان کو دیکھ کر فرمایا" ماشاء اللہ آج بڑی خوشی ہوئی کہ تم دونوں ایک جگہ جمع ہوئے۔ اتفاق و اتحاد اچھا عمل ہے' اس میں برکت ہے۔" لیکن مروان نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر امامؑ نے ولید سے معاویہ کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ "سنا تھا کہ معاویہ بیمار ہے اس کی کچھ خیر خبر تم تک پہنچی۔" ولید نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے امامؑ کی خدمت میں معاویہ کی موت کی تعزیت پیش کی' ساتھ ساتھ امیر یزید کا مطالبۂ بیعت بھی پیش کیا۔ امامؑ نے کلمۂ استرجع پڑھ کر فرمایا "یقیناً تم ہماری خفیہ بیعت پر قانع نہ ہوگے۔ جب سب لوگوں کو بلانا تو ہمیں بھی بلا لینا۔ جو فیصلہ ہونا ہوگا وہاں ایک ہی مجلس میں ہو جائے گا۔" ولید نے امام کی تجویز کو سراہا کہا بہت اچھی تجویز ہے اور امامؑ کو رخصت کی اجازت دی۔ اسوقت مروان جلدی سے بولا: "حسینؑ کو یہیں روک لو' ابھی بیعت پر مجبور کرو یا قتل کر دو۔ اگر اس وقت یہ ہاتھ سے نکل گئے تو کبھی تمہارے ہاتھ نہیں آئیں گے"۔

یہ سننا تھا کہ امامؑ نے مروان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "اے فرزندِ زرقا! تیری یا ولید کی کیا مجال کہ مجھے قتل کر سکے۔" پھر ولید کی طرف متوجہ ہو کر

فرمایا: "اے امیر! ہم خاندانِ رسالت و نبوّت اور بیتِ وحی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملائک کی آمد و رفت ہمارے گھر میں ہوتی رہی ہے' یزید فاسق و فاجر ہے شراب پیتا ہے۔ مجھ جیسا شخص ایسے فاسق و فاجر کی بیعت نہیں کر سکتا۔ تاہم اس مسئلہ پر سوچنے کے لئے وقت درکار ہے۔ تم بھی سوچو ہم بھی سوچیں گے"

جب امامؑ نے یہ کہا تو ولید اس پر قانع ہوا اور امامؑ دار الامارہ سے نکل گئے۔ تب مروان نے ولید سے کہا: تم نے میری بات نہیں مانی' حسینؑ تیرے ہاتھ سے نکل گئے' اب وہ تیرے ہاتھ کبھی نہیں آئیں گے تو ولید نے مروان سے کہا!" افسوس ہے اے مروان' تو نے مجھے مشورہ دیا کہ حسینؑ کو قتل کروں جب کہ حسینؑ کا قتل میری اور میرے دین و دنیا کی نابودی ہے اگر مجھے تمام دنیائے مشرق و مغرب کا مالک بھی بنا دیا جائے تب بھی میں حسینؑ کے خون سے ہاتھ رنگین نہیں کروں گا۔ مجھے یقین ہے جو شخص بھی خونِ حسینؑ میں ہاتھ رنگین کرکے قیامت کے دن حاضر ہو گا اس کا میزانِ عمل خفیف ہو گا خداوندِ تعالیٰ کی نظرِ رحمت سے وہ محروم ہو گا"۔

یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں۔ وہ یہ کہ مروان کا اس قدر سخت دشمنی کا مظاہرہ کرنے کی وجوہات کیا ہو سکتی ہیں؟ ان وجوہات کو ہم نے مروان کی سیرت بیان کرتے ہوئے پیش کیا' لیکن ولید کہ جو معاویہ کا چچازاد بھائی ہے' اہلِ بیت سے دشمنی رکھنے والے خاندان کا ایک بڑا سیاست مدار شخص ہے علاوہ ازیں اس سے پہلے معاویہ کی طرف سے مسلسل امیرِ حج رہا اور آج بھی والیٔ مدینہ جیسے اعلیٰ منصب پر فائز ہے' ان ساری باتوں کے باوجود امامؑ کے ساتھ نرمی برتنے پر یزید کا موردِ عتاب نہیں قرار پایا بلکہ ۶۱ ہجری میں وہ والیٔ مکہ بنا اور ۶۴ ہجری میں وفات

پائی۔

ان تمام حالات وواقعات کے پیش نظر غور طلب بات ہے کہ امام حسینؑ سے ولید کے اس درجہ خاضع اور نرم رویئے کے اسباب ووجوہات کیا ہو سکتے ہیں؟ اس بارے میں تاریخ وسیرت نگاروں نے مختلف توجیہات کی ہیں۔

(۱)۔ جیسا کہ تاریخ میں لکھا ہے بنی امیّہ کے دیگر افراد کی بہ نسبت ولید متدین 'صاحبِ دیانت تھا اور اس احتمال کو رد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ لازمی نہیں ہے کہ ایک خاندان کے سارے افراد بے دین ہوں' اس میں دیندار بھی پیدا ہو سکتے ہیں لیکن ولید اتنا دیندار اور اتنادیانتدار بھی نہ تھا کہ امام حسینؑ واہلِ بیت کو منصبِ خلافتِ الٰہی کے لئے حقدار سمجھتا اور بنی امیّہ کو غاصب و ظالم قرار دیتا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ فوراً اپنے عہدے سے مستعفی ہو جاتا جس سے حضرت امام حسینؑ کو ایک سیاسی برتری حاصل ہوتی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا' اس منصب پر قائم رہا اور یزید کی ملازمت سے دست بردار نہیں ہوا یہاں تک کہ امام حسینؑ شہید ہوگئے۔

(۲)۔ ولید مروان کی بہ نسبت امام حسینؑ کی زیادہ معرفت رکھتا تھا۔ اس کی بھی کوئی معقول توجیہ نہیں کی جاسکتی کیونکہ معرفت نزدیکی اور قربت سے پیدا ہوتی ہے لیکن مروان اگرچہ عرصہ' تیس سال سے شہرِ مدینہ میں امام حسینؑ اور اہلِ بیت کے جوار میں رہا جب کہ ولید مدینہ سے دور رہا۔ اس لحاظ سے مروان کو اہلِ بیت کی معرفت زیادہ ہونی چاہیے تھی۔ اگر زیادہ نہیں تو ولید سے کم بھی نہیں ہونی چاہیے تھی

یقیناً وہ حسینؑ کی معرفت رکھتا تھا لیکن جو انسان چند لقمے یا چند روزہ کرسئ اقتدار کے لئے ایسی مقدّس اور برگزیدہ ہستیوں کو قربان ہوتے ہوئے دیکھے اور برداشت کرے اسکے لئے معرفت کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔

(۳)۔۔۔ البتہ ایک وجہ معقول ہے اور وہ ہے جوانانِ بنی ہاشم کی موجودگی جو بیت الامارہ کے دروازہ پر امام حسینؑ کے باہر آنے یا آواز بلند کرنے کے منتظر تھے۔ اگر ذرا بھی امامؑ کی آواز بلند ہو جاتی تو نہ ولید بچ سکتا اور نہ مروان۔

لہٰذا ولید مجبور تھا کہ امامؑ کے سامنے زیادہ سے زیادہ نرم سلوک کرے تاکہ خود اپنے آپ کو اور اپنے دار الامارہ کو بچا سکے۔

(۴)۔۔۔ حکمران ہمیشہ دوہری شخصیت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنی اصل خشونت اور رعونت کو چھپا کر نرم مزاجی اور حلم و بردباری کا اظہار کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنی شخصیت کا مصنوعی چہرہ پیش کر سکیں اور مرکزی پالیسی کا تحفظ بھی کر سکیں۔ مرکزی حکومت بھی کبھی کبھی بعض جگہوں پر جہاں سختی کا مظاہرہ کرتی ہے وہاں اس سختی کو لوگوں کے ذہنوں سے دور کرنے اور لوگوں کو خوش کرنے کے لئے نرم دل حاکم بھی مقرر کرتی ہے تاکہ لوگوں کی دشمنی مول نہ لے' چنانچہ معاویہ نے زیاد ابنِ ابیہ کے کوفہ پر مسلسل ظالمانہ تسلط کے بعد آخری دنوں میں نعمان ابنِ بشیر کو کوفہ کا والی بنایا۔۔۔۔ ولید بھی ایسی ہی شخصیات میں شمار ہوتا ہے۔

(۵) ولید مسئلۂ بیعت کے مطالبہ میں کسی حد تک بنی امیہ کی مرکزی پالیسی کو یزید کی شخصی پالیسی پر ترجیح دیتا تھا۔ ولید چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح نرمی سے حسینؑ سے بیعت لی جائے یا حسینؑ سے اس مسئلہ میں یزید کی حکومت کے بارے میں سکوت کا کوئی وعدہ لیا جائے تاکہ تشدد کا بہانہ بنا کر حسینؑ کو قیام کرنے کا جواز نہ مل سکے۔

ولید جانتا تھا کہ حسینؑ کو تشدد سے قابو نہیں کیا جا سکتا۔ اگر حسینؑ پر سختی کی جائے گی تو وہ بنی امیہ کی حکومت کی بدنامی کا سبب اور حکومت کے زوال کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ اس بات کی تائید ولید کے اس اقدام سے ہوتی ہے کہ جب اس کو بیعت لینے کا حکم نامہ ملا تو اس نے فوراً مروان ابنِ حکم سے مشورہ لیا۔ ولید بہتر جانتا تھا اور یہ بات ثابت بھی تھی کہ مروان اس کے ساتھ بھی دشمنی رکھتا تھا اور امام حسینؑ کا ازل سے دشمن تھا۔ وہ صحیح مشورہ نہیں دے گا۔ اس نے اس خیال سے مروان کو بلایا تھا کہ شاید وہ بھی اس کی طرح حکومت کی مرکزی پالیسی کے مدِ نظر بنی امیہ کے حق میں کوئی صالح مشورہ دے گا کیونکہ وہ عرصہ سے بنی امیہ کی حکومت کی کرسی پر فائز رہا تھا، تجربہ کار سیاست مدار تھا، ولید کو گمان تھا کہ وہ ذاتی دشمنی کی بناء پر بنی امیہ کے مفادات کو داؤ پر نہیں لگائے گا۔

☆☆

عمرابنِ سعد

عمرِ سعد کا باپ سعد ابنِ ابی وقاص 'قریشی تھا' زہری تھا' اس کی کنیت ابو اسحاق تھی۔ وہ انیس سال کی عمر میں مسلمان ہوا(۔ رجالِ صحیح مسلم۔ ص ۴۹۷ ' رجالِ صحیح بخاری۔ ص ۴۹۸)

سعد ابنِ ابی وقاص جنگِ بدر و دیگر جنگوں میں بھی مسلمانوں کے دوش بدوش برابر کا شریک رہا ـــــ وہ قادسیہ عراق کا فاتح تھا۔ حضرت عمر اور عثمان ' دونوں ہی کی طرف سے وہاں کا والی رہا ـــــ اصطلاحِ اہلِ سنّت کے تحت وہ عشرۂ مبشّرہ میں سے ہے۔ حضرت عمر نے اپنے بعد خلافتِ اسلامی کے لئے جن افراد کے نام دیئے ان میں سے ایک سعد ابنِ ابی وقاص بھی تھا۔

جب حضرت علی علیہ السلام خلافت کے منصب پر فائز ہوئے تو اس نے انؑ کی بیعت نہیں کی ـــــ جب حضرت علیؑ نے اسے جنگ میں اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو اس نے علیؑ سے کہا" مجھے ایک تلوار دے دو کہ جو حق و باطل کی تمیز کر کے قتل کرتی ہو"۔

بقولِ امیرالمومنینؑ اس شخص نے اپنی آخری عمر میں حق کی حمایت نہیں کی

تاہم باطل کا ساتھ بھی نہیں دیا۔

معاویہ اور عمرِعاص کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ معاویہ نے جب حضرت علیؑ پر لعن کا حکم دیا کیا تو اس نے سختی سے اس کی مخالفت کی اور حضرت علی علیہ السلام کے جو فضائل اس نے حضرت پیغمبرِ اکرمؐ سے سُنے تھے وہ معاویہ کو سُنائے۔

سعد ابنِ ابی وقاص نے پیغمبرِ اکرمؐ کی زبانِ اطہر سے اپنے بیٹے عمر کے لئے مذمّت کے الفاظ سُننے کے بعد اپنے تمام اعزا و اقربا سے کہا کہ میرے بعد میری وراثت میں سے عمر کو کوئی حصّہ نہ دیا جائے۔

نبیؐ اور عمر ابن سعد

ایک مرتبہ عمر ابن سعد ادھر سے گزرا جہاں پیغمبرِ اکرمؐ تشریف فرما تھے۔ آنحضرتؐ نے اس کو دیکھ کر اس پر نفرین کی اور اس کی عاقبت خراب ہونے کی پیش گوئی کی۔ آپؐ نے فرمایا۔

"یہ اس قوم کے ساتھ ہوگا جو دنیا کو اس طرح کھائے گی جیسے گائے زمین کو چاٹتی ہے۔"

اس کے باپ سعد ابنِ ابی وقاص نے جب اس کے بارے میں پیغمبرِ اکرمؐ کے اس قول کو سنا تو اس کو اپنی وراثت سے محروم کردیا۔

عمر ابن سعد اور امیر المومنینؑ

ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے عمر ابنِ سعد کو غرور و تکبر

کے عالم میں حق کی توہین کرتے ہوئے دیکھا تو آپؓ نے اس سے فرمایا۔

"تیرے لئے وہ دن کتنا سخت ہوگا جب تو جنّت اور جہنّم کے درمیان کھڑا ہوگا اور اپنے لئے جہنّم کا انتخاب کرے گا"۔

عمر سعد اور امام حسینؓ

ایک دن عمر ابنِ سعد نے امام حسینؓ سے کہا کہ بعض بے وقوف لوگ یہ کہتے ہیں کہ میں آپؓ کا قاتل ہوں۔ امامؓ نے جواب دیا وہ سچ کہتے ہیں اس کے بعد فرمایا۔

"میرے بعد تم کو عراق کی گندم کھانا بہت کم عرصہ نصیب ہوگا"۔

(تہذیب التہذیب۔ رقم ۷۴۷۔ ص ۳۹۶)

عمر ابنِ سعد اور بنی امیّہ نوازی

جب حضرت مسلم ابنِ عقیل کوفہ میں امام حسینؓ کے لئے بیعت لے رہے تھے تو والیٔ کوفہ نعمان ابنِ بشیر نے جمعہ کے خطبے میں کہا کہ:

"جو ہمارے راستہ میں حائل نہیں ہوگا اس سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ لیکن میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ فتنہ و فساد برپا نہ کرو"۔

نعمان کے اس نرم رویّہ سے ناراض ہو کر لوگوں نے یزید کو خط لکھا کہ:

"مسلم ابنِ عقیل کوفہ میں حسینؓ کے لئے بیعت لے رہے ہیں اور نعمان ابنِ بشیر اس پر کوئی مزاحمت نہیں کر رہا ہے۔ وہ ضعیف

اور کمزور شخص ہے۔ تم کو اگر کوفہ بچانا ہے تو کسی قوی شخص کو کوفہ بھیجو"۔

جن لوگوں نے یہ خط لکھا ان میں عمر ابنِ سعد بھی شامل تھا۔

عمر ابنِ سعد کی خیانت کاری

نفسیاتی طور پر عمر ابنِ سعد حد درجہ خائن تھا۔ جب حضرت مسلم کو دارالامارہ میں اپنی شہادت کا یقین ہو گیا تو آپ نے دربار پر ہر طرف نظر ڈالی کہ کہیں کوئی قریشی نظر آئے۔ آپ کی نظر عمر ابنِ سعد پر پڑی۔ اس کو ایک طرف بلا کر کہا کہ:

"میری ایک حاجت ہے، کیا تو میری اس حاجت کو پورا کرے گا؟" تو عبیداللہ ابن زیاد کے ڈر سے عمر ابنِ سعد نے انکار کر دیا۔ عبیداللہ نے اس کے انکار پر اس کو ملامت کی اور کہا کہ "تو کیوں اس کی بات نہیں سنتا؟" ابنِ زیاد کے کہنے پر وہ راضی ہو گیا تو حضرت مسلم نے اس کو ایک گوشہ میں لے جا کر کہا کہ — "میں سات سو درہم کا مقروض ہوں، تم میری تلوار اور زرہ فروخت کر کے میرا قرض ادا کر دینا اور جب مجھے شہید کر دیا جائے تو میرے جنازے کو دفن کر دینا۔ اس کے علاوہ کسی شخص کو مکہ روانہ کر دینا تاکہ امام حسینؑ کو جہاں کہیں ملیں، کوفہ آنے سے منع کر دے، کیونکہ میں امامؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دے چکا ہوں۔"

عمر ابن سعد نے یہ راز عبیداللہ ابنِ زیاد پر فاش کر دیا۔ عبیداللہ ابنِ زیاد جیسے شقی نے بھی عمرِ سعد کے اس افشائے راز اور خیانت کاری پر اس کی مذمت

کی۔

عمر ابن سعد سالار لشکر دستبی و دیلم

بنی امیہ اور ان کی حکومت کے حامی اور دوسرے تمام لوگ عمر ابن سعد کی نفسیات سے خوب واقف تھے۔ عمرِ سعد کا باپ ابنِ وقاص اس عراق کو فتح کرنے والوں میں سے تھا۔ عمرِ سعد کو اپنے باپ کے اس مقام و منزلت سے استفادہ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے اور اس کی ہوس کے پیشِ نظر ابنِ زیاد نے اس کو اہلِ دیلم سے جنگ کرنے کے لئے چار ہزار سواروں کے لشکر کا سالار بنایا اور اسے لالچ دی کہ دیلم کی فتح کے بعد اسے "رے" کی حکومت دے دی جائے گی۔

عمرِ سعد اور قیادتِ لشکر یزید

عمر سعد فوجی کیمپ لگا کر ابھی دیلم روانگی کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ عبید اللہ ابن زیاد نے امام حسینؑ کی آمد کی خبر سنی۔ اس نے عمرِ سعد سے کہا کہ پہلے حسینؑ سے فارغ ہو لیں اس کے بعد تم دیلم کی طرف جانا۔ عمرِ سعد نے اس کے لئے معذرت طلب کی اور اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ عبید اللہ ابنِ زیاد چونکہ اس کی نفسیات سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ عمر سعد پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے کہا کہ: "کوئی بات نہیں اگر تم نہیں جانا چاہتے تو نہ جاؤ لیکن حکومتِ "رے" کی تقرری کا فرمان ہم کو واپس کر دو۔" جب عمر سعد نے یہ سنا تو پریشان ہو گیا کیونکہ ایک طرف تو وہ حسینؑ سے جنگ کو بہت بڑا جرم اور گناہ سمجھتا تھا

دوسری طرف "رے" کی حکومت سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لہٰذا عبیداللہ ابن زیاد سے مہلت طلب کی اور کہا کہ "میں اپنے مشیروں اور ناصحوں سے مشورہ کرکے کل جواب دوں گا۔"

گھر پہنچ کر اس نے اپنے عزیز و اقارب اور بیٹوں سے مشورہ کیا' ان مشاورین میں عمر سعد کا بھانجا ابنِ شعبہ کا بیٹا بھی شامل تھا جو بنی امیّہ کے سخت ترین حامیوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے باوجود اس نے عمرِ سعد کو نصیحت کی کہ حسینؑ سے جنگ قبول نہ کرنا چاہیے اس کے بدلے تمہیں اس دنیا کے مال و اقتدار میں سے تمام روئے زمین بھی پیش کی جائے۔ بہتر ہے کہ تم اس سے دست بردار ہو جاؤ تاکہ روزِ قیامت تم کو خونِ حسینؑ کا حساب نہ دینا پڑے۔

فضیلت و رذالت' حق و باطل کی اس جنگ کے بارے میں عمر سعد تمام رات سوچ میں مبتلا رہا۔ وہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ یہاں تک کہ شر اس پر غالب آگیا۔ وہ تردّد کی حالت میں عبیداللہ ابنِ زیاد کے دربار میں حاضر ہوا اور اس کو یہ تجویز پیش کی کہ بہتر ہے کہ کوفہ کے افراد میں سے کسی فرد کو منتخب کرے۔

عبیداللہ ابنِ زیاد نے عمرِ سعد کی اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اس سلسلہ میں تم سے مشورہ نہیں طلب کیا اگر تم حسینؑ سے جنگ کرنے سے انکار کرتے ہو تو "رے" کی حکومت کا فرمان واپس کردو۔ عمرِ سعد تردّد کے عالم میں اقتدار و ریاست کی ہوس و رغبت میں لشکر کی قیادت قبول کرنے پر تیار ہوگیا اور چار ہزار کے ایک لشکر کے سربراہ کی حیثیت سے امام حسینؑ سے جنگ کے لئے سوئے کربلا روانہ ہوا اور یہ اشعار پڑھے کہ:

"میں حیران ہوں، واللہ میں نہیں جانتا، میں خود کو خطرات کے دہانے پر دیکھتا ہوں۔ کیا "رے" کی حکومت کو ٹھکرا دوں جبکہ میرا مقصود و مطلوب یہی ہے۔ یا حسینؑ کو قتل کرکے بدبخت و گنہگار ہو جاؤں --- حسینؑ میرا ابنِ عم ہے اس کے خون سے ہاتھ رنگنا بہت بڑی مصیبت ہے ---- لیکن "رے" کی حکومت میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

خدائے عرش، اگر میں حسینؑ کو قتل کروں میرے گناہ بخش دے گا۔ اگر میں اسکے حضور ساری دنیا کے جن و انس کے گناہ لے کے جاؤں۔ بتحقیق دنیاوی جزا و مال کا حصول نقد ہے اور وہ شخص عاقل نہیں جو نقد چھوڑ کر ادھار کا سودا کرے ... معلوم نہیں کہ کوئی جنت و نار ہو ... لوگ کہتے ہیں کہ خدا مالکِ روزِ جزا ہے، جنت ہے، نار ہے، عذاب ہے، شکنجہ ہے .... اگر لوگوں کی یہ بات سچ ہے تو میں مرنے سے دو سال پہلے توبہ کرلوں گا.... اگر یہ جھوٹ ہے تو یہ دنیا بھی میرے ہاتھ رہے گی اور یہ ملک و سلطنت جو ہمیشہ کے لئے عروس ہے میرے ساتھ ہوگی"۔

عمر ابن سعد کو لشکر کی قیادت کے لئے منتخب کرنے کے اسباب

عمر ابن سعد کوئی شجاع و دلیر شخص نہیں تھا جو ایک بڑے لشکر کی قیادت کرسکتا ہو خصوصاً جو اس دور کے مانے ہوئے شجاعان سے مقابلہ کی صلاحیت رکھتا ہو، بلکہ اس کے منتخب کئے جانے کا فلسفہ مندرجہ ذیل نکات سے واضح ہو جائے گا:

☆ وہ فاتحِ عراق سعد ابنِ ابی وقاص کا فرزند تھا جو ایک زمانہ میں خلافتِ اسلامی کے امیدوار مقرر ہوئے تھے۔

☆ وہ قریشی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور یہ جنگ اس وقت کے قریشیوں میں افضل ترین ہستی حضرت امام حسینؑ سے لڑی جا رہی تھی۔

☆ عمر ابنِ سعد کی نفسیات سے عبید اللہ ابنِ زیاد بخوبی واقف تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ایسے جرم کا ارتکاب ہر شخص سے ممکن نہیں، سوائے اس کے جس کی طینت ہی انتہائی خسیس ہو، جو اپنے آقا کی خوشنودی کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار ہو اور ہر قسم کی جنایت کا ارتکاب کر سکے۔

عمر سعد اور امام حسینؑ کو پیغام

اگر چہ ابنِ سعد پر حبِ اقتدار اور حکومت کی لالچ کا بھوت سوار تھا، وہ ہوسِ اقتدار میں غرق تھا۔ پھر بھی وہ امام حسینؑ کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ اس کی تمام تر کوشش یہ رہی کہ امام حسینؑ سے جنگ کئے بغیر اس کو "رے" کی حکومت مل جائے۔ اور بنی امیہ کی حمایت بھی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ

☆ جب اسے حکم ملا کہ وہ حسینؑ سے جنگ کرنے کو نکلے تو اس نے معذرت خواہی کر کے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی۔

☆ جب وہ کربلا پہنچے تو اس نے پہلی بار اپنا نمائندہ امام حسینؑ کی طرف بھیجا کہ انؑ سے پوچھے کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں۔؟ امامؑ نے اس کے قاصد کو جواب دیا کہ "تمہارے شہر کے لوگوں نے مجھے دعوت دی ہے۔ اگر تم لوگ

میری آمد پر راضی نہیں ہو تو میں یہیں سے واپس چلا جاتا ہوں۔" قاصد نے عمرِ سعد کو جب امامؑ کا یہ جواب سنایا تو اس نے فوراً دعا کی "مجھے امید ہے کہ خداوندِ عالم مجھے حسینؑ سے جنگ کرنے سے بچائے گا۔"

عمرسعد اور امام حسینؑ سے ملاقات

امام حسینؑ نے عمرِسعد کو پیغام بھیجا کہ آج رات دونوں لشکروں کے درمیان ایک دوسرے سے ملاقات رکھیں۔ چنانچہ امامؑ اپنے بیس اصحاب و انصار کی ساتھ نکلے ادھر عمرسعد بھی اپنے ساتھ بیس آدمیوں کو لے کر آیا۔ دونوں نے اپنے اپنے ساتھیوں کو پیچھے رکھا۔ عمرسعد کے ساتھ اس کا بیٹا حفص اور اس کا غلام آئے 'امامؑ' کے ساتھ حضرت ابوالفضل العباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ تھے۔ دونوں خیمہ میں رات دیر تک مذاکرات کرتے رہے۔ حضرت امام حسینؑ نے پہلے عمرسعد کو اپنے ساتھ ملنے کی دعوت دی لیکن جس کا تمام وجود حبِ اقتدار و حکومت ہو وہ بھلا شہادت کے لئے کب آمادہ ہو سکتا تھا۔ غرض تاریخ بتاتی ہے کہ امام حسینؑ اور عمرسعد کے درمیان اس طرح کی ملاقاتیں چند بار ہوئیں۔ امام حسینؑ کے ساتھ مذاکرات پر عمرسعد کی آمادگی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حسینؑ سے جنگ کرنے سے احتراز کر رہا تھا۔

عمر ابن سعد اور اس کے مقاصد میں شمر حائل

آخری ملاقات میں امام حسینؑ نے جو تجاویز پیش کیں ان میں اپنی طرف سے دو اور تجاویز کا اضافہ کر کے اور انہیں امامؑ کی طرف منسوب کرتے ہوئے

عبید اللہ ابنِ زیاد کو عمرِ سعد نے درجِ ذیل مضمون کا خط لکھا:

"خداوندِ عالم نے فتنہ کی آگ کو بجھا دیا ہے، حسینؑ آمادہ ہو چکے ہیں کہ یا تو انھیں وہاں واپس جانے دیا جائے جہاں سے وہ آئے ہیں یا کسی اور شہر جانے دیا جائے جہاں وہ عام مسلمان شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کریں گے۔ وہ اس پر بھی رضامند ہیں کہ سیدھے یزید کے پاس جا کر اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنے معاملے کو طے کریں۔ میرے خیال میں آپ ان تجاویز سے اتفاق کریں گے اور اس پر راضی ہو جائیں گے"۔

یہ آخری تجویز جو عمرِ سعد نے اپنی طرف سے امام حسینؑ سے منسوب کر کے عبید اللہ ابنِ زیاد کو پیش کی امام حسینؑ کے خلاف جنگ سے فرار حاصل کرنے کی اس کی ایک کوشش تھی لیکن عمرِ سعد جیسے ایک اور شقی شمر ابنِ ذی الجوشن نے اس کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا اور عین اس وقت جب عبید اللہ ابنِ زیاد ان تجاویز پر راضی ہو چکا تھا شمر نے ان تجاویز کو مسترد کر کے اسے جنگ جاری رکھنے کے لئے مجبور کیا۔

یہاں پر کچھ ذکر اس گفتگو کا بھی کرتے چلیں کہ جو امام حسینؑ اور عمرِ سعد کے درمیان ملاقاتوں میں ہوئی:

"امامؑ نے پہلے تو عمر ابنِ سعد کو اپنے لشکر میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ لیکن جب اس نے اپنے گھر پر عبید اللہ ابنِ زیاد کے قبضہ کر لینے کا خدشہ ظاہر کیا تو امامؑ نے فرمایا کہ ایسا گھر اور اتنی جائداد تم کو میں اپنی جائداد سے دوں گا۔ لیکن وہ راضی نہ ہوا اور کہا کہ "رے" کی حکومت جو مجھے مل چکی ہے میرے ہاتھ سے

نکل جائے گی۔ امامؑ نے فرمایا یہ تمہیں نصیب نہ ہوگی۔ عمر ابنِ سعد نے کہا کہ اگر میں آپ کی طرف آؤں تو عبیداللہ میری آل اولاد کو قتل کرا دے گا۔ اس کی اس بات پر امامؑ خاموش ہو گئے۔

دوسری بات جو ان ملاقاتوں میں زیرِ بحث آئی وہ یہ ہے کہ امام حسینؑ نے اس سے کہا کہ اگر ایسا ہے تو مجھے یہاں سے واپس جانے دو۔ اس بات پر امام حسینؑ اور عمر ابنِ سعد کے درمیان اتفاق ہو گیا اور عمرِ سعد نے یہ تجویز عبیداللہ ابنِ زیاد کو بھجوا دی لیکن مندرجہ ذیل مزید دو تجاویز عمرِ سعد نے اپنی طرف سے بڑھا دیں اور ان کو حسینؑ کی طرف منسوب کیا:

☆ پہلی یہ کہ میں کسی اور شہر میں جا کر عام شہری کی سی زندگی بسر کروں گا۔

☆ دوسری یہ کہ حسینؑ اس بات پر آمادہ ہیں کہ براہِ راست یزید کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

یہ دونوں تجاویز عمرِ سعد کی طرف سے امام پر افتراء ہیں جس کا ثبوت ذیل میں درج ہے۔

(۱) عقبہ ابنِ سمعان جو امام حسینؑ کے خاص غلاموں میں سے تھے کربلا کی جنگ میں زخمی ہو گئے تھے۔ امامؑ کی شہادت کے بعد جب گرفتار ہو گئے اور یزیدیوں نے ان کو شہید کرنا چاہا تو انہوں نے کہا میں غلام ہوں چنانچہ وہ چھوڑ دیئے گئے۔ عقبہ ابن سمعان کہتے ہیں "میں امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے مکہ آیا اور مکہ سے عراق آیا۔ میں ہمیشہ امامؑ کے ساتھ رہا یہاں تک کہ کربلا کی جنگ میں امام حسینؑ شہید ہوئے۔ ہم نے امامؑ کے تمام خطبات اور کلام سنے ہیں لیکن ہم نے امامؑ کو یہ کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا کہ میں یزید سے بیعت

یا صلح کرنا چاہتا ہوں۔"

(۲) دوسری یہ کہ:

امام حسینؑ نے صبحِ عاشور اپنے خطاب میں فرمایا "خدا کی قسم میں ذلت کے ساتھ کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دوں گا۔ میں غلام کی طرح فرار نہیں کروں گا۔"

(۳)۔۔ مدینہ میں محمد حنفیہ سے امامؑ نے فرمایا "اگر میرے لئے اس روئے زمین پر کوئی بھی پناہ گاہ نہ ہو پھر بھی میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔"

(۴)۔۔ مشہور و معروف دانشور، سینکڑوں کتابوں کے مصنف عباس محمود عقاد نے اپنی کتاب حسینؑ ابوالشہداء میں عمر ابن سعد کی اس تہمت و افتراء پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عمر ابن سعد نے امام حسینؑ پر یہ افتراء صرف اس لئے باندھی کہ کسی طرح اسے جنگ سے فرار کی راہ مل جائے۔

عمر ابنِ سعد موردِ خسران الدنیا والآخرۃ

عمر ابنِ سعد کہا کرتا تھا کہ قتلِ حسینؑ کے مقابلہ میں دنیا ایک خیرِ معجل ہے (یعنی جلدی ملنے والی نیکی) آخرت تو اس کی برباد ہوئی ہی لیکن امامؑ کی پیش گوئی کے مطابق کہ "اے پسرِ سعد تجھے عراق کی گندم کھانا زیادہ دن نصیب نہیں ہوگا۔" دنیا بھی اسے نصیب نہیں ہوئی۔

کربلا سے واپسی کے بعد عمر ابنِ سعد نے دیکھا کہ عبداللہ بن عفیف نے کہ جو دونوں آنکھوں سے نابینا تھے عبیداللہ ابنِ زیاد کے جبرو فرعونیت کو للکارا۔ اس کے تخت و حکومت کے تشدد کی پروا نہیں کی۔ یہ منظر دیکھ کر جب عمر سعد گھر

واپس آیا تو خود سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے ایک فاسق وفاجر اور ظالم ابن زیاد کی اطاعت کی 'خداوند عادل کی مخالفت کی' اپنے رشتہ کو توڑا' لوگوں کی نظروں میں نفرت زدہ انسان بنا۔"

جو بھی اس کے پاس سے گزرتا تھا اسے نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ جب وہ مسجد میں ہوتا تو لوگ مسجد سے باہر آجاتے تھے۔ جب اس کو دیکھتے تو اس کو لعنت کرتے تھے (سبطِ ابنِ جوزی۔ ص ۲۳۳)۔

عمر ابنِ سعد جب کربلا سے کوفہ واپس پہنچا تو عبید اللہ ابن زیاد نے اس سے "رے" کا تقرر نامہ واپس طلب کیا۔ اس نے کہا "وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے"۔ جب ابنِ زیاد نے سختی کی تو عمرِ سعد نے کہا کہ میں نے اسے بوڑھی عورتوں کے پڑھنے کے لئے چھوڑا ہے۔ اور ابنِ زیاد سے کہا کہ حسینؑ کے بارے میں میں نے تم کو اتنی نصیحت کی کہ اگر یہ نصیحت میں نے اپنے باپ سعد کو کی ہوتی تو میں نے اپنا حق ادا کیا ہوتا۔

ایک طرف تو وہ کوفہ میں شہر بند تھا دوسری طرف مختار نے کچھ عورتوں کو مامور کیا تھا کہ جا کر عمر سعد کے دروازے پر امام حسینؑ کو روئیں۔ ان خواتین کا وہاں رونا لوگوں کو متوجہ کر رہا تھا کہ یہ قاتلِ حسینؑ کا گھر ہے۔ عمر سعد نے تنگ آکر مختار سے شکایت کی کہ ان عورتوں کو میرے گھر کے سامنے سے ہٹاؤ۔ تو مختار نے پوچھا کہ کیا حسینؑ پر رونا بھی نہیں چاہئے۔

یزید کے مرنے کے بعد کچھ اہلِ کوفہ نے عمر سعد کو امیر بنانا چاہا تو ہمدان اور بنی ربیعہ کی خواتین روتی ہوئی مسجد میں داخل ہوئیں۔ وہ روتے ہوئے کہتی تھیں کہ کیا عمرِ سعد کا دل قتلِ حسینؑ سے نہیں بھرا کہ اب ننگ و عار کے بعد ہم

پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔

عمر ابنِ سعد کا انجام

جس وقت مختار ثقفی حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کو باری باری کیفر کردار تک پہنچا رہے تھے عمر سعد کو اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اس شہر سے باہر نہیں جائے گا۔ لیکن ہر دن وہ اس انتظار میں رہتا تھا کہ اس کی باری کب آئے گی۔

آخر ایک دن مختار نے اس کو قتل کرنے اور اس کا سر لانے کے لئے اپنے کسی کارندے کو بھیجا۔ عمر سعد کو اس کے بستر پر قتل کر کے اس کا سر مختار کو پیش کیا گیا تو عمر سعد کا بیٹا حفص وہاں موجود تھا امیر مختار نے حفص سے پوچھا: تم اس سر کو پہچانتے ہو؟ تو اس نے کہا ہاں پہچانتا ہوں لیکن زندگی کی کوئی قیمت نہیں کہ میں اس کے بعد زندہ رہوں ..... مختار نے کہا کون کہتا ہے کہ تم اس کے بعد زندہ رہو گے یہ کہہ کر مختار نے اسے بھی قتل کرنے کا حکم دیا، قتل کے بعد اس کے سر کو عمر سعد کے سر کے پاس رکھا اور کہا: عمر سعد کا سر حسینؑ کے سر کے بدلے میں ہے اور حفص کا سر علی اکبر کے سر کے بدلے میں ہے۔ یہ کہہ کر مختار رونے لگے اور کہا کہ اگر میں امام حسینؑ کے بدلے میں ایک تہائی قریش کو بھی قتل کر دوں تو گویا میں نے حسینؑ کی ایک انگلی کا بھی قصاص نہیں لیا ...... امیر مختار نے ان دونوں سروں کو حضرت امام سجاد علیہ السلام کے پاس مدینہ بھیج دیا۔

(ائمہ اثنا عشر، ہاشم معروف ج ۲ ص ۱۰۴)

---☆---☆---

نعمان ابنِ بشیر

نعمان ابنِ بشیر ابنِ سعد ابنِ ثعلبہ بن خلاص ابو عبداللہ انصاری خزرجی کی پیدائش پیغمبرؐ کی مدینہ ہجرت کے ایک سال دو ماہ بعد ہوئی۔

(رجالِ صحیح بخاری ج ۲ ص ۔ ۷۵۱)

نعمان انصار میں اور عبداللہ ابنِ زبیر مہاجرین میں پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے لڑکوں میں سے تھے۔ نعمان اور اس کے باپ نے سقیفہ میں انصار کی مخالفت کرتے ہوئے سب سے پہلے حضرت ابوبکر کی بیعت کی۔ جب حضرت علیؑ خلیفہ بنے تو اس شخص نے امیرالمومنینؑ کی بیعت نہیں کی بلکہ عثمان کی قمیص اور ان کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلی لیکر معاویہ کی طرف فرار ہو گیا۔ معاویہ نے ابوہریرہ اور نعمان کو اس مطالبہ کے ساتھ حضرت علیؑ کے پاس بھیجا کہ قاتلانِ عثمان کو ان کے سپرد کر دیں تاکہ ان سے قصاص لیا جائے۔

معاویہ جانتا تھا کہ علیؑ ایسا نہیں کریں گے لیکن اس کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ دونوں واپس آئیں گے اور اپنی زبان سے علیؑ کی مذمت کریں گے تو اہلِ شام کو متنفر کرنا آسان ہو جائے گا اور یہ دونوں بھی علیؑ سے دور ہو جائیں گے۔

جب یہ دونوں حضرت علیؑ کے پاس پہنچے تو آپؑ نے فرمایا کہ تم (نعمان) اپنی قوم میں ہدایت یافتہ انسان ہو' تمہاری قوم (انصار) کے چار پانچ کے سوا تمام افراد میری پیروی کرتے ہیں۔ کیا تم ان چند افراد کے ساتھ رہو گے؟

تو اس نے کہا:

خدا آپؑ کے امور کی اصلاح کرے۔ میں آپؑ کے ساتھ رہنے کے لئے آیا ہوں۔ میں معاویہ کا پیغام اس لئے لایا تاکہ آپؑ کے پاس آنے کا بہانہ مل جائے۔ اس کے بعد نعمان حضرت علیؑ کے پاس رہا جبکہ ابوہریرہ دمشق واپس چلا گیا۔

چند ماہ بعد نعمان پھر فرار ہو گیا۔ معاویہ کے پاس جاتے ہوئے عین التمر نامی جگہ پر حضرت علیؑ کے گورنر نے اس کو گرفتار کرکے زندان میں ڈال دیا' وہاں قرضہ بن کعب نے جو انصار سے تھے' سفارش کرکے اس کو آزاد کرایا۔ یہ جلد ہی فرار ہو کر معاویہ کے پاس پہنچ گیا۔ نعمان بن بشیر عثمانی العقیدہ تھا۔ معاویہ سے ایک ہزار کا لشکر لیکر عین التمر پر حملہ آور ہوا لیکن شکست کھا کر واپس چلا گیا۔

(شرحِ نہج البلاغہ ابنِ ابی الحدید ج ۲ ص ۲۰۰)

نعمان ابنِ بشیر اُن اشخاص میں سے تھا جو معاویہ کے فائدے کے لئے حدیث جعل کیا کرتے تھے۔ جنگِ صفّین میں معاویہ کے ساتھ انصار میں سے نعمان ابنِ بشیر اور مسلمہ بن خویلد کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔

معاویہ کے مرنے سے پہلے یہ شخص کوفہ میں معاویہ کی طرف سے گورنر تھا۔ یہاں تک کہ معاویہ مر گیا۔ کوفہ کے شیعوں نے حضرت امام حسینؑ کو کوفہ

آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے خط میں لکھا کہ ہم نعمان ابنِ بشیر کے ساتھ جمعہ وجماعت نیز عیدین میں شرکت نہیں کرتے۔ جب حضرت مسلم ابنِ عقیل کوفہ میں وارد ہوئے تو آپ نے مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر میں قیام فرمایا اور کوفہ والوں سے امام حسینؑ کے لئے بیعت لی۔

کوفہ والوں کی مسلم ابن عقیل کے ساتھ اجتماعات اور سرگرمی دن بہ دن بڑھنے کے باوجود نعمان بن بشیر لاتعلقی اور تجاہل سے کام لیتا رہا اور کوفہ والوں کے امام حسینؑ کے نمائندہ کے ساتھ اظہارِ عقیدت کے اعلان اور ان کے گرد جمع ہونے کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ چنانچہ کوفہ میں موجود بنی امیّہ نواز شخصیات جن میں عمر ابن سعد، عبداللہ ابن مسلم بن ربیعہ خزرمی، امارہ بن عقبہ وغیرہ تھے، سب نے مل کر نعمان سے مطالبہ کیا کہ وہ کوفہ میں بنی امیّہ کے خلاف ہونیوالی ان حرکات کے بارے میں اپنے مؤقف کا واضح اعلان کرے تاکہ اس تحریک کا سدباب کیا جاسکے۔ اس وقت نعمان ابنِ بشیر منبر پر گیا اور حمد وثنائے الٰہی کے بعد اس نے کہا:

"اے لوگوں! میں کسی سے جنگ نہیں کروں گا جب تک کوئی مجھ سے نہ لڑے، میں کسی پر حملہ نہیں کروں گا سوا اس کے کہ جو مجھ پر حملہ آور ہو، میں کسی پر تہمت نہیں لگاؤں گا۔ خدا کے بندو خدا سے ڈرو، فتنہ و فساد کی طرف جلدی نہ کرو جس میں خونریزی اور انسان کی ہلاکت اور تباہی اور اموال کا زیاں ہے۔ اگر تم نے مجھ سے منہ موڑ لیا اور بیعت کو توڑ لیا اور اپنے امام یزید کے خلاف اقدام کیا تو میں تمہیں تلوار سے قتل کروں گا جب تک یہ تلوار

میرے ہاتھ میں رہے گی میں اس سے تنہا لڑوں گا چاہے میرا کوئی مددگار ہو یا نہ ہو۔ اور چاہے میرا کوئی ساتھ دے یا نہ دے۔ میں جانتا ہوں کہ تم میں حق کو چاہنے والے باطل کے چاہنے والوں سے زیادہ ہوں گے۔"

یہ خطبہ سننے کے بعد عبداللہ بن مسلم بن سعید خزرمی نے کہا:

تمہاری یہ گفتگو غلط ہے۔ یہ بات جو تم نے کہی ہے اس میں دشمن کے خلاف رعب و دبدبہ نہیں تمہاری گفتگو سے کمزوری جھلکتی ہے۔ نعمان نے جواب دیا کہ خدا کی اطاعت کرتے ہوئے کمزوروں میں سے ہونا میرے لئے بہتر ہے بجائے اس کے کہ معصیت میں رہ کر طاقتور ہو جاؤں۔

عبداللہ بن مسلم اور عمر بن سعد نے فوراً یزید کو خط لکھا کہ اگر کوفہ کو اپنے قبضہ میں رکھنا ہے تو نعمان بن بشیر سے قوی تر شخص کو گورنر بنائے جو یہاں کی تحریک کو کچل سکے۔

(مقتلِ حسینؑ تالیف آیت اللہ سید محمد تقی آل بحرالعلوم ص ۲۱۸ نقل از تاریخِ طبری ،کامل ابنِ اثیر ج ۳ ص ۲۶۷،ارشادِ مفید ص ۱۸۷ ،مقتلِ خوارزمی فصل عاشر۔ بحار ج ۴۴ ص ۳۳۶ بلاذری ج ۲ ص ۷۷)

نعمان ابن بشیر کے اس تجاہل اور نرم رویّہ کی وجوہ پر غور کرنے سے پہلے حسبِ ذیل نکات قابلِ توجہ ہیں:

دنیا میں قدیم زمانے سے لے کر دورِ حاضر تک حکومتوں کے ذیلی اداروں کے مسئولین کا رویّہ اور سلوک اپنی ماتحت رعیت کے ساتھ مختلف ہوتا ہے اور اپنے رئیس اور حاکم کے بارے میں نظریہ بھی مختلف ہوتا ہے۔

۱۔۔ مرکزی سیاست کی پاسداری

یعنی مرکزی سیاست کے کیا مقاصد ہیں۔ مرکز کو کس طریقہ سے بچایا جائے۔ مرکزی سیاست کا اجراء اور نفاذ کیسے کیا جائے۔

۲۔ ذاتی اور شخصی سیاست

ایک شخص خود لوگوں میں کس طرح محبوب القلوب رہے گا۔ کس طرح لوگوں پر اس کا تسلط رہے گا۔ لوگ اسے کیسے اور کیونکر پسند کریں گے۔

۳۔۔ مرکز سے اختلاف نظر

مرکزی سیاست کے نفاذ کو مرکز کے مفاد میں نہیں پاتا بلکہ اس وقت کا یہ اقدام مرکز کے خلاف سمجھتا ہے۔وہ وقتی طور پر مرکز کی ناراضگی کو مول لے لیتا ہے۔مرکز کی طرف سے ہونے والے عتاب کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ رہتا ہے۔

اگر مرکز کو یہ احساس ہو جائے کہ یہ شخص مرکز کا مخالف ہے مرکز کے حق میں نہیں تو مرکز اس کو کچل دیتا ہے یا ختم کر دیتا ہے۔ لیکن اگر مرکز نے درک کیا کہ وہ مرکز کے خلاف نہیں بلکہ وہ مرکز کے حق میں ہے لیکن مرکز کی پالیسی سے اختلافِ نظر رکھتا ہے تو اس وقت اس کو وقتی طور پر اس کے منصب سے ہٹا دیتا ہے اور کسی اور کو اسکی جگہ تعینات کر دیتا ہے۔ اس کے حق میں اتار چڑھاؤ کر کے اس پر اور اس کے ردِ عمل پر کڑی نگاہ رکھتا ہے۔

بعد میں اس کو معزول و برطرف کر دیتا ہے یا ترقی دے دیتا ہے۔ لہٰذا کسی

بھی سیاسی شخصیت کے بارے میں جلدی کوئی رائے قائم کرنا درست نہیں۔
کبھی کوئی انسان حقیقتاً دیانتدار اور باضمیر ہوتا ہے وہ وقتی مصلحت کے تحت کسی حکومت میں آتا ہے اور جونہی اس کا ایمان خطرے میں پڑتا ہے وہ اس عہدے کو خیرباد کہہ دیتا ہے۔ مثلاً حر بن یزید ریاحی جو عمر بن سعد کا ساتھ دیتے رہے۔ حسینؑ کا راستہ روکا، کوفہ نہ جانے دیا، کربلا میں لشکر ابنِ سعد میں رہے لیکن جب انھیں یقین ہو گیا کہ حسینؑ قتل کر دیئے جائیں گے، خود کو جنت اور جہنم کے درمیان پایا، ایمان کو خطرہ میں پاکر لشکرِ سعد سے نکلے اور امام حسینؑ کی خدمت میں آئے اور راہِ خدا میں جان دے دی۔

لہٰذا جب تک کسی کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا گہرا مطالعہ نہیں کیا جائے اچھائی یا برائی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کریں۔

ان تمام نکات کو سامنے رکھ کر نعمان ابنِ بشیر کے تجاہل اور نرمی کا تجزیہ و تحلیل کرنے کے بعد ہی ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

نعمان کے تجاہل کے اسباب

۱ — بہت سے سیاستدان ضعفِ ارادہ اور قوتِ فیصلہ نہ رکھنے کی وجہ سے ہنگامی حالات میں جلد فیصلہ نہیں کرپاتے۔

۲ — نعمان ابنِ بشیر حجازی تھا۔ حجازیوں کی طبیعت میں غفلت، جمود اور عدمِ تحرک ہے۔

۳ — وہ اپنی صحابیٔ رسولؐ کی حیثیت کو محفوظ رکھنے کا خواہاں تھا کیوں کہ صحابیٔ رسولؐ ہوتے ہوئے عام مسلمانوں کا خون بہانا مناسب

نہیں سمجھتا۔ چہ جائیکہ وہ امام حسینؑ نواسۂ رسولؐ کا خون بہانے میں شریک ہو۔ وہ اس بات سے گریز کرتا تھا اگرچہ صحابیٔ رسولؐ کا احترام اس کے اندر بہت ضعیف اور کمزور تھا۔ ممکن ہے اس نے اپنی صحابیت کو بچانے کے لئے کوئی ایسا اقدام کرنے سے گریز کیا ہو کیوں کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ کوفہ امام حسینؑ کے بارے میں بیتاب ہے اگر کوئی اقدام کرے گا تو خون خرابہ کے بغیر مسئلہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔

۴ -- مسلم بن عقیل کا قیام مختار کے گھر تھا اور مختار نعمان ابن بشیر کا داماد تھا۔ اگر وہ کوئی اقدام کرتا تو زد میں اس کی بیٹی اور داماد آجاتے۔ ممکن ہے مسلم بن عقیل کا مختار کے گھر کو اپنی قیام گاہ بنانے کی وجہ بھی یہی ہو۔

۵ -- وہ یزید سے خاص خوش نہیں کیوں کہ بنی امیہ بالعموم اور یزید بالخصوص انصار کو حقیر اور ذلیل سمجھتے اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جس کی دو وجہ ہیں۔

(الف) جب پیغمبرؐ نے دعوتِ اسلام دینا شروع کی تو ابو سفیان مشرکین کی قیادت کرتے ہوئے پیغمبرؐ کی مخالفت میں کھڑا ہوگیا۔ اہلِ مدینہ نے پیغمبرؐ کو اپنے یہاں پناہ دی اور جب ابو سفیان نے حضرت محمدؐ کے خلاف جنگ کی تو انصار نے حضورؐ کا ساتھ دیکر معاویہ کے آباو اجداد کو بدر اور احد میں قتل کیا۔

(ب) جنگِ صفین اور دیگر جنگوں میں انصار نے علیؑ کا ساتھ دیا جبکہ

معاویہ کے ساتھ نعمان ابنِ بشیر اور مسلمہ بن مخلد کے سوا کوئی نہیں تھا۔

۶ -- بہت سے سیاستدان حلم، صبر و تحمل اور نرم مزاجی سے مشکل سے مشکل مسائل کو حل کرتے ہیں اور اسی میں مشکلات کا حل مضمر سمجھتے ہیں۔ جس طرح خود معاویہ اس کام میں ماہر تھا۔ نعمان ابنِ بشیر کی سیاست کا رخ اور اس کا سیاسی مزاج نرمی پر قائم تھا۔ معاویہ نے اس کو اس نرم مزاجی کے سبب کوفہ کی گورنری پر مقرر کیا تھا۔ کیونکہ سفاک اور قسی القلب زیاد ابن ابیہ کے دور کی سفاکی نے اہلِ کوفہ کے دلوں میں بنی امیہ کے خلاف نفرت پیدا کردی تھی۔ وہ بنی امیہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے لہٰذا معاویہ نے نعمان ابن بشیر کی نرم مزاجی کی بناء پر اس کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ نعمان اپنی نرم مزاجی سے حالات کو ڈھیل دیتا رہا۔ ادھر کوفہ میں امام حسینؑ کے حق میں آواز بلند ہو چکی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر ان حالات میں کوئی قدم اٹھایا گیا تو ممکن ہے بنی امیہ کی حکومت کے زوال کا سبب بنے۔ اگر ایسا ہوا تو خود یزید کی حکومت کی طرف سے موردِ عتاب قرار دیا جا سکتا ہے اور دوسری طرف اہلِ کوفہ کی طرف سے بھی موردِ عتاب قرار پائے۔ دوسری صورت میں چونکہ اپنے آقا کا نمک خوار تھا اور اس کے سامنے جوابدہ تھا۔ ان حالات کے پیش نظر یہ بڑی حرکت تھی، یہ بنی امیہ کے خلاف ایک چھوٹی سی جھڑپ نہ تھی۔ لہٰذا اس کے بارے میں مرکزی حکومت کو فیصلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ مرکز سے فیصلہ

صادر ہونے تک نعمان مسئلہ کو ڈھیل دیتا رہا۔ اس کی پالیسی کے دلائل یہ ہیں:

(الف) اس نے اپنے خطبہ میں کہا کہ اگر لوگ دارالامارہ کی طرف بڑھیں گے اور حکومت کے زوال کے لئے قدم اٹھائیں گے تو میں ان سے آخری دم تک تن تنہا لڑوں گا۔

(ب) جب عبیداللہ ابن زیاد دارالامارہ کے دروازہ پر پہنچا تو اس نے اسے امام حسینؑ سمجھا اور امام حسینؑ سمجھ کر کہا کہ دارالامارہ میرے پاس امانت ہے میں آپ کے سپرد نہیں کروں گا، برائے مہربانی یہاں سے چلے جائیں۔

(ج) اس نے اہلِ کوفہ سے کہا کہ "اپنے امامِ وقت یزید کی اطاعت کریں اور بیعت نہ توڑیں"۔ اگر وہ شریف انسان ہوتا تو یزید کو کسی صورت اپنا امام قرار نہ دیتا۔ اگر وہ خود کو جمہوریت کا علمبردار سمجھتا تھا تو یزید کی حکومت کے جبر و تشدد اور رشوت ستانی پر قائم ہونے کے باوجود وہ یزید کی اطاعت کی دعوت کیوں دیتا ہے۔ اس عمل سے تو وہی خوش ہو سکتا ہے جو یزید کے ساتھی کو اہلِ حق اور اس کے مخالف کو اہلِ باطل کہتا ہو۔

(د) وہ اگر امام حسینؑ کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتا اور دل سے یزید کی حکومت کا مخالف ہوتا تو کوفہ کی گورنری چھوڑ کے امام حسینؑ کے ساتھ مل جاتا یا کم از کم مستعفی ہو جاتا لیکن آخری دم تک اس نے دارالامارہ کو بقول اس کے بنی امیہ کی امانت سمجھا اور اس کی

حفاظت کرتا رہا۔

(ر) اگر اس کی یہ نرم مزاجی اور سستی یزید کی مخالفت پر مبنی ہوتی تو یزید اس کو اس سستی کے نتیجے میں اس منصب سے ہٹا کر موردِ عتاب قرار دیتا اور اس کو حمص کا گورنر نہ بناتا۔ بلکہ نعمان تو یزید کے مرنے تک حمص کا گورنر رہا۔ یزید کے مرنے کے بعد اس نے عبداللہ ابنِ زبیر کی بیعت کی۔ جب اہلِ حمص نے عبداللہ ابنِ زبیر کے خلاف بغاوت کی تو نعمان وہاں سے فرار ہو گیا۔ جس پر خالد نے اس کا تعاقب کر کے حمص ہی میں قتل کر دیا۔

اس تمام تجزیہ و تحلیل کے بعد اس کا یہ جملہ کہ "اطاعتِ خدا میں مستضعف ہونا مجھے پسند ہے اور معصیتِ خدا میں مبتلا ہو کر صاحبِ عزّت ہونے سے بہتر ہے۔" محض منافقت پر مبنی ہے اور اس کے عقیدے کی ترجمانی نہیں کرتا۔ اگر وہ امام حسینؑ کے قیام کے موقع پر امامؑ کے خلاف اقدام کو معصیت سمجھتا تھا تو امامؑ کو شہید کئے جانے کے بعد وہ کیوں یزید کے پرچم تلے رہا۔

---☆---☆---

اس کتاب کی تالیف میں

مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے

(۱) قرآنِ کریم

(۲) نہج البلاغہ، سید شریف رضیؒ

(۳) شرحِ نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید

(۴) قاموسِ نہج البلاغہ، محمد علی شرقی

(۵) معجم نہج البلاغہ، سید محمد کاظم محمدی

(۶) اصولِ کافی، شیخ کلینیؒ

(۷) انوارِ نعمانیہ، سید نعمت اللہ جزائری

(۸) بحار الانوار، علامہ مجلسیؒ

(۹) الغدیر، علامہ امینیؒ

(۱۰) مستدرک سفینۃ البحار، شیخ علی قاضی شہرودی

(۱۱) تحف العقول، حسین ابن حربہ شعبانی

(۱۲) معجم رجالِ حدیث، آیت اللہ سید ابوالقاسم خوئیؒ

(۱۳) میزان الحکمۃ، محمدی رے شہری

(۱۴) الحیاۃ، حکیمی برادران

(۱۵) نہج الشہادہ

(۱۶) معالم المدرستین، علامہ سید مرتضیٰ عسکری

(۱۷) حیاتِ امام حسینؑ، باقر شریف قرشی

(۱۸) ثورۃ الحسینؑ، محمد مہدی شمس الدین

(۱۹) اعیان الشیعہ، سید محسن امین

(۲۰) ائمہ اثنا عشر، ہاشم معروف حسنی

(۲۱) اسد الغابہ، علامہ ابن اثیر

(۲۲) رجالِ نجاشی، ابی العباس احمد ابن علی نجاشی کوفی (متوفی سنہ ۴۵۰ھ)

(۲۳) اعلام الوریٰ، طبرسی

(۲۴) کتاب الارشاد، شیخ مفیدؒ

(۲۵) مقاتل الامویین، محمد الحسینی

(۲۶) وارثِ انبیا، محمد مہدی شمس الدین

(۲۷) فروغِ ولایت، آیت اللہ جعفر سبحانی

(۲۸) ائمہ اثنا عشر، استاد عادل ادیب

(۲۹) امام حسینؑ، عبداللہ علائلی

(۳۰) ائمتنا، علی محمد علی دخیل

(۳۱) غارات، ابی اسحاق ہلال ثقفی

(۳۲) رجال صحیح مسلم

(۳۳) رجال صحیح بخاری

(۳۴) تنزیہ الانبیاء والائمہ، سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ

(۳۵) حیاتِ امام حسنؑ، باقر شریف قرشی

(۳۶) حیاتِ سیاسی امام رضاؑ، جعفر مرتضیٰ عاملی

(۳۷) ابن عباس، جعفر مرتضیٰ عاملی

(۳۸) فقہ سیرہ، غزالی

(۳۹) فقہ سیرہ، رمضان لوطی

(۴۰) حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم اصفہانی

(۴۱) تذکرۃ الخواص، علامہ سبط ابن جوزی (وفات سنہ ۶۵۴ھ)
(۴۲) فروغ ابدیت، آیت اللہ جعفر سبحانی
(۴۳) اہل بیتؑ کی زندگی، شہید سید محمد باقر الصدرؒ
(۴۴) نہج الصباغہ، محقق الحاج شیخ محمد تقی تستری
(۴۵) تاریخ اسلام، شمس الدین محمد ابن احمد ابن عثمان ذہبی (وفات سنہ ۷۴۸ھ)
(۴۶) تحقیق دربارہ روزِ اربعین، محمد علی
(۴۷) بدایہ ونہایہ، حافظ ابن کثیر (متوفی سنہ ۷۷۴ھ)
(۴۸) تہذیب التہذیب، شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی (متوفی سنہ ۸۵۴ھ)
(۴۹) مروج الذہب، حبیب ابن علی مسعودی (متوفی سنہ ۳۳۶ھ)
(۵۰) سیر اعلام نبلا، احمد ابن عثمان ذہبی (متوفی سنہ ۷۴۸ھ)
(۵۱) ابوالشہدا حسین ابن علیؑ، عباس محمود عقاد
(۵۲) تاریخ طبری، محمد ابن جریر طبری
(۵۳) تاریخ ابن خلدون
(۵۴) تاریخ ابن عساکر (دمشق)
(۵۵) تاریخ کامل ابن اثیر
(۵۶) ناسخ التواریخ، محمد تقی سپہر
(۵۷) تجارب الامم، ابو علی مسکوی رازی
(۵۸) العواصم من القواصم، قاضی ابی بکر بن عربی مالکی
(۵۹) الامامہ والسیاسہ، ابن قتیبہ
(۶۰) تاریخ یعقوبی، یعقوبی
(۶۱) ملل ونحل، شہرستانی
(۶۲) تاریخ بغداد، سعید بن بسیونی زغلول
(۶۳) تاج العروس، سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی
(۶۴) وفیات الاعیان، ابی العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر خلکان (وفات سنہ ۶۰۸ھ)

(۶۵) معجم البلدان 'یعقوب ابن عبداللہ حموی رومی بغداد (متوفی سنہ ۶۲۶ھ)

(۶۶) لسان العرب 'علامہ ابن منظور

(۶۷) دائرۃ المعارف 'فرید وجدی

(۶۸) تاریخ ادب العربی 'ڈاکٹر محمود

(۶۹) مجمع البحرین

(۷۰) المنجد

(۷۱) مقائیس اللغۃ

(۷۲) مقتل الحسینؑ 'آیت اللہ سید محمد تقی آل بحر العلومؒ

(۷۳) مقتل الحسینؑ 'سید محسن امین

(۷۴) مقتل الحسینؑ 'عبدالرزاق مقرم

(۷۵) مقتل الحسینؑ 'ابی مخنف

(۷۶) مقتل الحسینؑ 'عبدالزہرا کعبی

(۷۷) نفس المہموم 'شیخ عباس قمیؒ

(۷۸) حماسہ حسینی 'شہید استاد مرتضیٰ مطہریؒ

(۷۹) الایقاد 'سید محمد علی شاہ عبدالعظیمی

(۸۰) الیوم العبری 'ابراہیم البیانجی

(۸۱) بررسی تاریخ عاشورا 'ڈاکٹر محمد ابراہیم آیتی

(۸۲) محاضرات فی المجالس الحسینیہ 'عبدالوہاب کاشی

(۸۳) الحسینؑ والسنۃ 'عبدالعزیز طباطبائی

(۸۴) الحسینؑ فی طریقہ الی الشہادۃ 'علی بن الحسین الہاشمی

(۸۵) امام حسینؑ 'سید ہاشم رسولی محلاتی

(۸۶) بیان الاول للثورۃ الحسینؑ 'طاہر السید حسن الخطیب

(۸۷) مسلم بن عقیل 'عبدالرزاق مقرم

(۸۸) نہضت الحسینؑ 'جلالی حسینی

(۸۹) انصار الحسینؑ 'محمد علی عابدی

(۹۰) مبعوث الحسینؑ 'محمد علی عابدی

(۹۱) مثیر الاحزان 'شیخ شریف الجواہری

(۹۲) ثورۃ الحسینؑ فی الوجدان شعبی 'محمد مہدی شمس الدین

(۹۳) انصار الحسینؑ 'محمد مہدی شمس الدین

(۹۴) یوم عاشورہ 'موسسہ البلاغ

(۹۵) عوالم العلوم 'شیخ عبداللہ بحرانی

(۹۶) عنوانِ امام حسینؑ 'شیخ محمد صادق نجمی

(۹۷) لہوف فی قتل الطفوف 'سید ابن طاؤسؒ

(۹۸) مع الحسینؑ فی نہضتہ 'اسد حید رکوفی

(۹۹) خطبۂ امام حسینؑ در منیٰ 'محمد صادق نجمی

(۱۰۰) نہضت امام حسینؑ 'محمد رضا جلالی

(۱۰۱) حسینؑ فی الفکر المسیحی 'انطون بارا

(۱۰۲) حسین ابن علیؑ 'محمد یزدی

(۱۰۳) مقاتل الطالبین 'ابی الفرج اصفہانی

(۱۰۴) زندگانی امام حسینؑ 'عمادزادہ

(۱۰۵) منتخب طریحی 'شیخ طریحی نجفی

(۱۰۶) معالی السبطین 'شیخ مہدی مازندرانی

(۱۰۷) ثورۃ الحسینؑ 'سید محمد باقر العلوم

(۱۰۸) سیاست الحسینؑ 'عبدالعظیم ربیعی

(۱۰۹) ماہیت قیام مختار 'سید ابو فاضل رضوی

(۱۱۰) زندگانی امام حسینؑ 'فضل اللہ کمپانی

(۱۱۱) الشہید والثورہ 'ھادی المدرسی

(۱۱۲) محاضرات فی ثورۃ الحسینؑ 'سید محمد ہاشمی

(۱۱۳) دروس من ثورۃ الحسینؑ 'شہید سید عباس موسوی'

(۱۱۴) نظام سیاسی فی الاسلام 'باقر شریف قرشی

(۱۱۵) نظام الحکم والادارہ شیخ مہدی شمس الدین

(۱۱۶) نظام الحکم فی الشریعہ والتاریخ الاسلامی 'ظافر قاسمی

(۱۱۷) ولایت فقیہ ' آیت اللہ منتظری

(۱۱۸) دروس ثورۃ الحسینؑ 'علامہ سید حسن شیرازی

(۱۱۹) علیؑ والحاکمون ' آیت اللہ شیخ محمد صادقی تہرانی

(۱۲۰) ابصار العین فی انصار الحسینؑ

(۱۲۱) جنت الماویٰ شیخ محمد حسین الکاشف الغطاؒ

(۱۲۲) مبانی سیاسی 'اسد اللہ بادامچیان

(۱۲۳) الحوار فی الفکر السیاسی 'اسعد حیدر کونی

(۱۲۴) امر بالمعروف ونہی عن المنکر' آیت اللہ حسین نوری

(۱۲۵) مجلہ ثقافۃ الاسلامیہ از انتشارات رائیزنی جمہوری اسلامی ایران (دمشق)

(۱۲۶) مجلہ توحید (عربی) از انتشاراتِ سازمان تبلیغاتِ اسلامی (جمہوری اسلامی ایران)

(۱۲۷) رسالۃ الحسینؑ

(۱۲۸) رسالہ الاضواء

(۱۲۹) رسالۃ الثقلین از انتشاراتِ مجمع جہانی اہل بیتؑ (جمہوری اسلامی ایران)

(۱۳۰) پاسدار اسلام از انتشارات دفتر تبلیغاتِ اسلامی (قم)

-----☆-----☆-----☆-----

واقعہ کربلا کے مصادر وماخذ

⚫ ۔معاویہ کی تقریر کا جواب

۱۔ معالم المدرستین ج ۳۔ص ۱۹

۲۔ الامامہ والسیاسہ ج ۱ص ۲۰۸۔ ۲۰۹

مطبوعہ ایران ۱۳۱۳ھ

⚫ ۔امام کے نام معاویہ کا تہدید آمیز خط

۱۔ تاریخ اسلام ذہبی (۶۰ تا ۸۰ھ) ص ۶

۲۔ مقتل ابو مخنف ص ۱۱

۳۔ تاریخ ابن عساکر ص ۱۹۸

⚫ ۔امام حسینؑ کا خط معاویہ کے جواب میں

۱۔ الاحتجاج ۱ص ۲۰۵

۲۔ تاریخ ابن عساکر ص ۱۹۰

⚫ ۔امام حسینؑ کا معاویہ کے اموال پر قبضہ کرکے معاویہ کو خط لکھنا

☆ نہج الشہادۃ ص ۲۶۹

⚫ ۔عبداللہ ابن جعفر نے یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کی اور معاویہ کے سامنے ۳ تجاویز رکھیں

☆ الامامہ والسیاسہ ج ۱ ص ۳۹

◒۔ معاویہ کی طرف سے عبیداللہ ابن زیاد کا تقرر نامہ

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۱۸

۲۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۲

۳۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۲

۴۔ الامامہ والسیاسہ ج ۲ ص ۴

۵۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۰

◒۔ معاویہ کی یزید کو تین افراد سے محتاط رہنے کی وصیت

☆ مقتل الحسینؑ "محمد تقی بحرالعلومؒ" ص ۱۱۰

نقل از

۱۔۱۔ تاریخ طبری ج ۵ طبع قاہرہ

۱۔۲۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ طبع بیروت (سن ۶۰ ہجری کے واقعات میں)

۱۔۳۔ العقد الفرید ج ۳ ص ۲۷۳ طبع ثانی (قاہرہ)

۲۔ نفس المہموم ص ۲۶

۳۔ مقتل ابو مخنف ص ۱۳

۴۔ تاریخ ابن عساکر ص ۱۹۹

۵۔ بحارالانوار ج ۴۴ ص ۳۱۱

◒۔ عبداللہ ابن زبیر کا معاویہ سے کہنا کہ "انصاف کرو یزید کی بیعت صحیح نہیں"

۱۔ الامامہ والسیاسہ ج ۱ ص ۳۹

۲۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۱۹

◒۔ عبداللہ ابن عمر کا معاویہ سے کہنا کہ "یہ (خلافت) بادشاہت نہیں جو وراثت میں دی جائے اگر ایسا ہو تا تو میں اپنے باپ کا وارث بنتا"

☆ الامامہ والسیاسہ ج ۱ ص ۱۵۰

◒۔ کوفیوں کی طرف امام حسینؑ کو معاویہ کے خلاف قیام کی دعوت اور امامؑ کا صلح کو دلیل بنا کر انکار

۱۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۰

۲۔ نفس المہموم ص ۶۳

۳۔ مقتل ابو مخنف ص ۱۰

۴۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۸۷

◒۔ معاویہ کی موت اور امامؑ کی جانب سے انکار بیعت کی خبر سننے کے بعد اہلیانِ کوفہ کے خصوصی اجلاس سے سلیمان بن صرد خزاعی کا خطاب

۱۔ نفس المہموم ص ۸۰

۲۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۸۹

۳۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۳۳

۴۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۶۱

۵۔ مقتل ابو مخنف ص ۲۶

◒۔ یزید کا خط ولید کے نام کہ بیعت طلب کرو اور حسینؑ کے ساتھ شدت سے پیش آؤ

۱۔ نفس المہموم ص ۶۷

۲۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۴۵

۳۔ مقتل ابو مخنف ص ۱۷

◒۔ یزید کا اپنی قوم سے خطاب اور مشورہ ---

☆ نفس المہموم ص ۸۷-۸۸

◒۔ ولید نے مروان کو مشورہ کیلئے طلب کیا

☆ نفس المہموم ص ۶۸

◒۔ امام حسینؑ نے بنی ہاشم کے مسلح جوانوں کو دار الامارۃ کے دروازے پر منتظر رہنے کا حکم دیا۔

۱۔ کتاب الارشاد شیخ مفیدؒ ص ۲۰۶
۲۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۳۶
۳۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۸۸ (معمولی سے اضافہ کے ساتھ)
۴۔ تاریخ طبری ج ۵
۵۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ (سن ۶۰ ہجری کے واقعات میں)
۶۔ مقتل الحسینؑ محمد تقی آل بحرالعلومؒ ص ۱۲۹
۷۔ نفس المہموم شیخ قمی ص ۶۸
۸۔ مقتل ابو مخنف ص ۱۹
۹۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۸۷
۱۰۔ بحارالانوار ج ۴۴ ص ۳۲۴

۔ مروان کا ولید کو مشورہ کہ امامؑ کو یہیں قید کرلو

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۳۵
۲۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۵۲
۳۔ مقتل الحسینؑ سید محمد تقی آل بحرالعلومؒ ص ۱۲۹ نقل از
۳۔۱۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۸۸
۳۔۲۔ کامل ابن اثیر ج ۳ (سن ۶۰ ہجری کے واقعات میں)
۳۔۳۔ نفس المہموم شیخ قمی ص ۶۹
۳۔۴۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۰
۵۔ مقتل ابو مخنف ص ۴۰
۶۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۸۷
۷۔ بحارالانوار ج ۴۴ ص ۳۲۴

۔ ولید سے امامؑ کا خطاب

۱۔ تاریخ طبری ج ۷ ص ۲۱۶-۲۱۸

۲۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶۳-۲۶۴
۳۔ لهوف ابن طاؤس ص ۲۳ طبع ایران
۴۔ مقتل خوارزمی ص ۱۸۲
۵۔ مقتل الحسین "سید محمد تقی آل بحرالعلوم" ص ۱۳۰ طبع بیروت
۶۔ عوالم العلوم ص ۱۷۴
۷۔ کتاب الارشاد شیخ مفید علیہ الرحمہ ص ۲۰۰
۸۔ عنوانِ امام حسین "شیخ محمد صادق نجمی" ص ۱۱
۹۔ مقتل ابو مخنف ص
۱۰۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۸۸
۱۱۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۱۲-۳۲۵

◒۔ مروان بن حکم کا امامؑ کو یزید کی بیعت کا مشورہ اور امامؑ کا جواب

۱۔ لهوف ابن طاؤس ص ۲۳-۲۴
۲۔ مقتل خوارزمی ج ۱ ص ۱۸۵
۳۔ عوالم العلوم ص ۱۷۵
۴۔ مقتل الحسین "سید محمد تقی آل بحرالعلوم" ص ۱۳۱ طبع بیروت
۵۔ عنوانِ امام حسین "شیخ محمد صادق نجمی" ص ۴۲
۶۔ ارشاد مفید ص ۲۱۰
۷۔ نفس المہموم شیخ قمی ص ۷۱
۸۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۳۶
۹۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۸۸

◒۔ امامؑ کا مجلسِ ولید میں مروان سے خطاب

۱۔ مقتل ابی مخنف ص ۶ طبع ایران
۲۔ ارشاد مفیدؒ ص ۲۱۰

⊖۔امام نے ولید سے کہا کہ تم ہماری مخفی بیعت سے قانع نہیں ہو گے لہٰذا ہمیں سب کے ساتھ بلاؤ

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۳۶

۲۔ مقتل الحسینؑ "محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۱۲۹ نقل از

۲۔۱۔ تاریخ طبری ج ۵

۲۔۲۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ (سن ۶۰ ہجری کے واقعات میں)

۲۔۳۔ مقتل خوارزمی ج ۱ فصل ۹

۲۔۴۔ نفس المہموم شیخ قمی ص ۶۹

۲۔۵۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۰

۳۔ مقتل ابو مخنف ص ۲۰

۵۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۸۷

۷۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۲۴

⊖۔ولید نے مروان سے کہا "وہ شخص جسے خونِ حسینؑ کا حساب دینا ہو گا اس کا میزانِ عمل بہت خفیف ہو گا۔"

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۵۲

۲۔ الفتوح 'ابن اعثم الکوفی ج ۵ ص ۱۸

۳۔ مقتل خوارزمی ج ۱ فصل ۹

۴۔ لهوف 'ابن طاؤس ص ۱۰ طبع نجف

۵۔ النہایہ الارب للنویری ج ۲۰ ص ۳۷۹ طبع قاہرہ

۶۔ مقتل الحسینؑ "محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۱۳۰ طبع بیروت

۷۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۰

۸۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۲۵

⊖۔امام حسینؑ کا روضۂ رسولؐ پر پیغمبرؐ سے خطاب

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۴۷

۲۔ عوالم العلوم ص ۱۷۷

۳۔ مقتل الحسینؑ "سید محمد تقی آل بحر العلوم" ص ۱۳۳

۴۔ نفس المہموم شیخ قمی ص ۷۲

۵۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۲۷

◒۔ امام حسینؑ کی روضۂ رسولؐ پر خدا سے دعا و مناجات

۱۔ مقتل خوارزمی ج ۱ ص ۱۸۶ فصل ۹ طبع نجف

۲۔ مقتل عوالم العلوم ص ۵۴

۳۔ مقتل الحسینؑ "سید محمد تقی آل بحر العلوم" ص ۱۳۲

۴۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۲۷

◒۔ محمد بن حنفیہ کا امامؑ کو دوسرے شہروں میں نمائندہ بھیجنے کا مشورہ اور امامؑ کا اظہارِ تشکر

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۳۸

۲۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۵۴

۳۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶۵

۴۔ نہایۃ الارب للنویری ج ۲۰ ص ۳۸۱ طبع قاہرہ (عبارت کے معمولی اختلاف کے ساتھ)

۵۔ مقتل الحسینؑ "محمد تقی آل بحر العلوم" ص ۱۳۶-۱۳۷

۶۔ کتاب الارشاد شیخ مفید علیہ الرحمہ ص ۲۱۰

۷۔ نفس المہموم ص ۷۱

۸۔ مقتل ابو مخنف ص ۲۲

۹۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۸۸

۱۰۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۲۷

۱۱۔ لہوف ابن طاؤس ص ۶۴-۶۵ طبع ایران

۱۲۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۸۸

۱۳۔ مقتل خوارزمی ج ۱ ص ۱۸۹

۱۴۔ مقتل العلوم للبحرانی ص ۵۴

○ ۔ امام حسینؑ کا وصیت نامہ محمد بن حنفیہ کے نام

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۵۰

۲۔ مقتل الحسینؑ سید محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۱۳۸ طبع بیروت نقل از

۲۔۱۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۵۸

۲۔۲۔ مقتل عوالم العلوم للبحرانی ص ۱۷۹

۲۔۳۔ مقتل خوارزمی

۳۔ نہج الشہادۃ ص ۲۶۹

۴۔ نفس المھموم ص ۷۴

۵۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۲۷

○ ۔ عمر اطرف کا امامؑ کو یزید کی بیعت کا مشورہ

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۴۸

۲۔ مقتل الحسینؑ محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۱۳۸

○ ۔ ابن عباس کا امام حسینؑ کو مشورہ کہ آپؑ یمن تشریف لے جائیں

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۵۷

۲۔ تاریخ اسلام ذہبی ص ۸ (۶۰ تا ۸۰ ھ)

۳۔ مقتل الحسینؑ سید محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۱۵۵
طبع بیروت نقل از

۳۔۱۔ تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۸۳

۳۔۲۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۷۵

۳۔۳۔ مقتل خوارزمی ص ۲۲۱

۳۔۴۔ مروج الذھب ج ۳ ص ۶۴

۳-۵۔ تاریخ ابن عساکر ص ۲۰۵

۴۔ مقتل ابو مخنف ص ۶۲

● ۔ عبداللہ مطیع کا امامؑ کو سفر سے باز رہنے کا مشورہ

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۵۱

۲۔ تاریخ اسلام ذہبی ص ۷ (۶۰ تا ۸۰ ھ)

۳۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۹۸

۴۔ نفس المہموم ص ۷۸

۵۔ مقتل ابو مخنف ص ۳۶

۶۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۳

۷۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۷۱

● ۔ عبداللہ ابن جعفر کا امامؑ کو نہ جانے کا مشورہ

۱۔ تاریخ اسلام ذہبی ص ۹ (۶۰ تا ۸۰ ھ)

۲۔ مقتل الحسینؑ، سید محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۱۷۳-۱۷۴

۳۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۸

۴۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۵۸

۵۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۹۱

● ۔ عمر ابن مخزومی کا امامؑ کو مشورہ دینا اور امامؑ کا انہیں مشفق قرار دینا

۱۔ مقتل الحسینؑ، سید محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۱۵۳ طبع بیروت نقل از

۱-۱۔ تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۸۲

۱-۲۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۵

۱-۳۔ مروج الذہب ج ۳ ص ۶۳

۱-۴۔ ترجمہ امام حسینؑ ابن عساکر ص ۲۰۲

● ۔ عبداللہ ابن عمر کا امام حسینؑ کو بیعت کا مشورہ

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۶۰

۲۔ تاریخ اسلام ذہبی ص ۸ (۶۰ تا ۸۰ ھ)

۳۔ تاریخ ابن عساکر ص ۱۹۲

۴۔ مقتل ابو مخنف ص ۶۲

۵۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۶۵

◒۔ عبداللہ ابن عمر سے امامؑ کا خطاب

۱۔ لھوف ص ۲۶ طبع نجف

۲۔ مثیر الاحزان ص ۲۰

۳۔ عنوانِ امام حسینؑ ص ۳۹

۴۔ نہج الشہادۃ کلمات ۸۱ ص ۴۷۳

۵۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۳

◒۔ امام حسینؑ کا خط بنی ھاشم کے نام

۱۔ مقتل الحسینؑ سید محمد تقی آل بحرالعلومؒ ص ۱۳۶ طبع بیروت

۲۔ لھوف ص ۲۷

۳۔ تاریخ ابن عساکر ج ۱۳ ص ۱۷

◒۔ ابن عباس کا امامؑ کو مشورہ کہ اہلِ کوفہ کو لکھیں کہ پہلے نعمان ابن بشیر کو نکالیں پھر حسینؑ آئیں گے

☆ مروج الذھب ج ۳ ص ۶۴

◒۔ ولید کا ابن زیاد کے نام خط کہ امام کو تکلیف پہنچانے سے گریز کرے

☆ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۶۸

◒۔ شیعانِ کوفہ کی امام حسینؑ کو دعوت

۱۔ کتاب الارشاد شیخ مفید ص ۲۰۳

۲۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۶۱

۳۔ مروج الذھب ج ۳ ص ۶۴
۴۔ عوالم العلوم ص ۱۸۲
۵۔ مقتل الحسینؑ سید محمد تقی آل بحرالعلومؒ ص ۱۵۱
۶۔ الامامہ والسیاسہ ج ۲ ص ۴
۷۔ نفس المھموم ص ۸۰
۸۔ مقتل ابو مخنف ص ۲۸
۹۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۸۹
۱۰۔ بحارالانوار ج ۴۴ ص ۳۳۳

◒۔ امام حسینؑ کا خط اہالیانِ کوفہ کے نام (مسلم کے ہمراہ)

۱۔ کتاب الارشاد شیخ مفیدؒ ص ۲۰۴
۲۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۶۴
۳۔ نہج الشہادۃ مکتوب ۱۸ ص ۲۸۸
۴۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶۸
۵۔ مقتل خوارزمی ج ۱ ص ۱۹۵-۱۹۶
۶۔ عنوانِ امام حسینؑ ص ۵۱
۷۔ عوالم العلوم ص ۱۸۳
۸۔ مقتل الحسینؑ سید محمد تقی آل بحرالعلومؒ ص ۱۵۲
۹۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۵۳
۱۰۔ احتجاج ۱ ص ۲۰۷
۱۱۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۱
۱۲۔ مقتل ابو مخنف ص ۳۱
۱۳۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۰
۱۴۔ بحارالانوار ج ۴۴ ص ۳۳۴

◒۔ امام حسینؑ کی جانب سے کوفہ روانگی کے موقع پر حضرت مسلم کو وصیت

☆ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۸۹

● ۔ کوفیوں کا آخری خط

☆ لہوف ص ۱۵

● ۔ سفر عراق کے وقت کوفیوں کے نام امام کا خط (قیس بن مسہر صیداوی کے ہمراہ)

۱۔ احتجاج ۱ ص ۳۰۷

۲۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۹۷

۳۔ عوالم العلوم ص ۲۲۰

۴۔ ارشاد مفیدؒ ص ۲۲۰

۵۔ مقتل ابو مخنف ص ۶۳

۶۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۳

۷۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۹

۸۔ ینابیع المودۃ قندوزی باب ۶۱

۹۔ انساب الاشراف بلاذری ج ۳ ص ۱۶۸ طبع بیروت

۱۰۔ نہایۃ الارب نویری ج ۲۰ ص ۴۱۳ طبع قاہرہ

۱۱۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۶۹

● ۔ امام حسینؑ کا خط اہالیان بصرہ کے نام

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۶۶

۲۔ جوان امام حسینؑ ص ۲۸

۳۔ مقتل الحسینؑ سید محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۱۳۶

۴۔ مقتل ابو مخنف ص ۳۶

۵۔ نفس الشہادۃ ص ۲۸۰

۶۔ نفس المہموم ص ۹۰

۷۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۳۷

◒۔ یزید ابن مسعود کا جواب امامؑ کی خدمت میں

۱۔ مقتل الحسینؑ، سید محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۱۳۹ نقل از

۱۔۱۔ لہوف ابن طاؤس ص ۱۸ طبع نجف

۱۔۲۔ مثیر الاحزان ص ۱۳

۲۔ نفس المہموم ص ۸۹

۳۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۰

◒۔ امامؑ کا مکہ میں خطبہ

۱۔ لہوف ص ۲۵ طبع نجف

۲۔ مثیر الاحزان ص ۲۱

۳۔ کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۲۱ طبع قم

۴۔ مقتل الحسینؑ، سید محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۱۵۳

۵۔ عنوانِ امام حسینؑ ص ۵۶

۶۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۶۱

۷۔ عوالم العلوم ص ۲۲۶

۸۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۶۹

◒۔ عبد اللہ ابن زبیر کا امامؑ کو عراق جانے کا مشورہ اور بعد میں نا جانے کا اظہار کرنا

☆ مقتل الحسینؑ، سید محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۱۵۶، نقل از

۱۔۱۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۸۸

۱۔۲۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۱

۱۔۳۔ انساب الاشراف ج ۳ ص ۱۶۳

۱۔۴۔ مقتل ابو مخنف ص ۹۴

۱۔۵۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۳۸

۱۔۶۔ کامل الزیارات ص ۷۴

۲۔ مخزنِ امام حسینؑ ص ۷۶

۳۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۸

۴۔ نفس المہموم ص ۷۹

◓۔ مکہ میں عمرے کیلئے آنے والوں کی امامؑ کے پاس آمد و رفت

☆ مقتل الحسینؑ "سید محمد تقی آل بحرالعلوم" ص ۱۳۳

◓۔ ابن عباس کے نام یزید کا خط (امامؑ کو عراق کی طرف جانے سے روکنے کو کہا)

۱۔ مقتل الحسینؑ "سید محمد تقی آل بحرالعلوم" ص ۱۳۴

۲۔ تاریخ ابن عساکر ص ۲۰۳

◓۔ ابن عباس کا جواب یزید کے نام

☆ مقتل الحسینؑ "سید محمد تقی آل بحرالعلوم" ص ۱۳۵

◓۔ یزید نے عمر ابن سعید کو مکہ کا گورنر بنا کر بڑے لشکر کو مکہ روانہ ہونے کا حکم دیا ------ اور یہ حکم بھی دیا کہ "حسینؑ کو گرفتار کرو یا انھیں شہید کرو" ---

☆ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۳

◓۔ عمر ابن سعید کی امامؑ کو روکنے کی کوشش

۱۔ مقتل الحسینؑ "سید محمد تقی آل بحرالعلوم" ص ۱۷۲-۱۷۳

۲۔ الامامہ والسیاسہ ج ۲ ص ۵

◓۔ عبداللہ ابن عمر نے حضرت امام حسینؑ سے کہا کہ آپ اپنا گلو بلند کیجئے تاکہ میں بوسہ لوں -----

☆ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۳

◓۔ جب حضرت امام حسینؑ مکہ سے نکلے تو عمر ابن سعید اشدق سے امام حسینؑ کے ساتھیوں کی جھڑپ ہوئی ---- اس نے امامؑ سے کہا! "خدا سے ڈریں 'جماعت سے خارج نہ ہوں 'امت میں افتراق نہ پھیلائیں"

۱۔ اعیان شیعہ ج۱ ص۵۹۵

۲۔ تاریخ ابن عساکر ص ۲۰۳

۳۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۶۸

◒۔امام حسینؑ نے ابن عباس سے فرمایا! "میرے نزدیک مکہ سے باہر قتل ہونا حرم میں قتل ہونے سے بہتر ہے"

☆ تاریخ ابن عساکر ص ۱۹۰ (دمشق)

◒۔ابن زبیر سے امامؑ نے فرمایا! "مکہ سے باہر قتل ہونا مجھے مکہ کی ہتکِ حرمت سے زیادہ پسند ہے"

☆ تاریخ ابن عساکر ص ۱۹۲ (دمشق)

◒۔ شبث ابن ربعی وغیرہ کا خط امامؑ کے نام

☆ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۳۴

◒۔ عبداللہ ابن عباس نے ابن زبیر سے کہا کہ مکہ خالی ہوا تو تم خوش ہوگے ــــــ

☆ تاریخ ابن عساکر ص ۲۰۴ (دمشق)

◒۔امامؑ کو مکہ میں ہنگامی قتل کا خطرہ

☆ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۶۴

◒۔امام نے مکہ سے نکلتے وقت اس آیت کی تلاوت فرمائی:

خرج منها------------------------

☆ اعیان شیعہ ج۱ ص۵۸۸

◒۔ مسلم ابن عقیل کا کوفہ سے امامؑ کے نام خط

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۵۳

۲۔ مروج الذھب ج ۳ ص ۶۴

۳۔ نفس المھموم ص ۱۱۳

۴۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۵۹ (۴ ہزار افراد کی خبر)

۵۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۲ (۴ ہزار افراد کی خبر)

۶۔ الامامہ والسیاسہ ج ۲ ص ۴ (۳۰ ہزار افراد کی خبر)

۷۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۳۳

◒۔امام کا خط سرداران بصرہ کے نام

☆ مقتل الحسین "سید محمد تقی آل بحر العلوم" ص ۱۴۶ نقل از تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۵۷ طبع دار المعارف ' مصر

◒۔نعمان ابن بشیر کا اہلِ کوفہ سے خطاب ۔۔۔

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۶۴

۲۔ مقتل ابو مخنف ص ۳۴

۳۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۸۹

۴۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۳۶

◒۔جب بنی امیہ کے حامیوں نے نعمان ابن بشیر پر تنقید کی کہ تم کمزوری کا مظاہرہ کر رہے ہو تو اس نے کہا کہ "مجھے خدا کی اطاعت میں رہ کر ضعیف ہونا پسند ہے 'اس کی معصیت میں قوی ہونے کے مقابلے میں۔"

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۵۸

۲۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۲

◒۔کوفہ سے عمر سعد اور حامیانِ بنی امیہ کے خطوط یزید کے نام ۔۔۔

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۰۵

۲۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۸۹

۳۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۳۶

۴۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۲

۵۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۶۵

۶۔ مقتل ابو مخنف ص ۳۳

◒۔ابن زیاد کا مسلم کی تلاش کیلئے معقل کو مقرر کرنا

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۷۰

۲۔ نفس المہموم ص ۹۰

۳۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۳

۴۔ مقتل ابو مخنف ص ۳۴

۵۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۰

۶۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۴۲

◒۔ عمر ابن سعد نے ابن زیاد کے پاس مسلم کے اسرار فاش کئے

۱۔ نفس المہموم ص ۱۱۶

۲۔ مقتل ابو مخنف ص ۵۶

◒۔ مسلم کا مختار کے گھر سے ہانی کے گھر منتقل ہونا۔

۱۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۳

۲۔ نفس المہموم ص ۹۰

◒۔ مسلم ابن عوسجہ کا اظہار افسوس۔

۱۔ مقتل ابو مخنف ص ۳۵

۲۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۴۶

◒۔ حضرت مسلم کا دار الامارہ کا محاصرہ کرنا اور کثیر ابن شہاب کا لوگوں کو مسلم سے برگشتہ کرنا

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۷۷

۲۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۰

۳۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۴۸

◒۔ حضرت مسلم کا فرمانا کہ "ہمیں یقین ہے کہ خلافت ہمارا حق ہے۔"

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۸۳

۲۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۸

۳۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۵۶

●۔ حضرت مسلم کا ابن زیاد سے کہنا کہ تمہارے باپ نے نیک لوگوں کو قتل کیا اور قیصر و کسریٰ کے ظلم ڈھائے

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۸۲

۲۔ نفس المہموم ص ۱۱۷

۳۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۵۷

●۔ حضرت مسلم کی عبید اللہ ابن زیاد سے گفتگو

☆ ارشاد مفید ؒ ص ۲۱۹

●۔ امام حسین ؑ کا اپنے اصحاب سے خطاب کہ "مسلم شہید ہو چکے ہیں اگر تم لوگ واپس جانا چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔"

۱۔ مقتل ابو مخنف ص ۶۶

۲۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۵

۳۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۶۵

●۔ فرزدق اور امام ؑ میں مکالمہ

۱۔ انساب الاشراف ج ۳ ص ۱۶۵

۲۔ تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۸۶ طبع دار المعارف ، مصر

۳۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۷

۴۔ کتاب الارشاد شیخ مفید ؒ ص ۲۱۸

۵۔ مقتل الخوارزمی ج ۱ ص ۲۲۳

۶۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۸

۷۔ عنوانِ امام حسینؑ ص ۸۶
۸۔ صواعق محرقہ ص ۱۱۸
۹۔ مقتل الحسینؑ، سید محمد تقی آل بحرالعلوم ص ۱۷۶
۱۰۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۳۶
۱۱۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۷
۱۲۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۳
۱۳۔ تاریخ ابن عساکر ص ۲۰۸
۱۴۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۶۵

◒۔ ابوہرم سے ملاقات

۱۔ مقتل الخوارزمی ج ۱ ص ۲۲۶
۲۔ لہوف ص ۴۲
۳۔ مثیر الاحزان ص ۳۶
۴۔ عنوانِ امام حسینؑ ص ۱۳۴
۵۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۵
۶۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۱۴

◒۔ مقام زبالہ پر عوام سے خطاب

۱۔ تاریخ طبری ج ۷ ص ۲۹۴
۲۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۶۷
۳۔ الارشاد مفیدؒ ص ۲۲۳
۴۔ عنوانِ امام حسینؑ ص ۱۱۱

◒۔ مقام ذی حسم پر لشکر حُر سے خطاب

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۰۳
۲۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۰

۳۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۹۶ طبع قم

۴۔ کتاب الارشاد شیخ مفیدؒ ص ۲۲۳

۵۔ انساب الاشراف ج ۳ ص ۱۷۱ طبع بیروت

۶۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۴۲

۷۔ اعلام الوریٰ ص ۲۲۹

◒ ۔وادیٔ عقیق پر بشر ابن عدید نے امامؑ سے ملاقات کے موقع پر کہا کہ میں لوگوں کے دل آپ کے اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ چھوڑ آیا ہوں ۔۔۔

۱۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۳

۲۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۶۷

◒ ۔وادیٔ تنعیم میں یزید کیلئے یمن سے آنے والے تحائف پر امامؑ کا قبضہ

۱۔ مقتل الحسینؑ، سید محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۱۷۵ نقل از

۱۔۱۔ انساب الاشراف ج ۳ ص ۱۶۴

۱۔۲۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۹۰

۲۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۳

۳۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۶۷

◒ ۔مقام بیضہ پر لشکر حُر سے امامؑ کا خطاب (جس میں جائر سلطان کے سامنے خاموشی کی مذمت کی)

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۷۱

۲۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۰۴

۳۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۰

۴۔ مقتل خوارزمی ص ۲۳۴

۵۔ انساب الاشراف ج ۳ ص ۱۷۱

۶۔ عنوانِ امام حسینؑ ص ۱۲۷

۷۔ نہایہ الارب للنویری ج ۲۰ ص ۴۱۹ طبع قاہرہ

۸۔ مقتل الحسینؑ "سید محمد تقی آل بحرالعلوم" ص ۱۹۳۔۱۹۴

۹۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۶

۱۰۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۸۲

◒۔ حُر سے ملاقات کے موقع پر امام حسینؑ نے لشکرِ حُر سے خطاب میں فرمایا: "میں تمہاری طرف نہیں آیا جب تک تمہارے خطوط مجھے نہیں ملے۔"

☆ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۶

◒۔ زہیر ابن قین نے امامؑ کو لشکرِ حُر سے جنگ کرنے کی تجویز پیش کی تو امامؑ نے فرمایا "میں جنگ کا آغاز نہیں کروں گا۔"

☆ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۸

◒۔ قصرِ بنی مقاتل پر عبداللہ بن حُر جعفی سے ملاقات اور گفتگو

☆ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۰۷

◒۔ امامؑ بطنِ عقبہ پر لوزان سے ملے 'لوزان نے امامؑ سے کہا کہ "نیزے اور تلواریں آپ کے منتظر ہیں"۔

☆ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۹

◒۔ قیس ابن مسہر صیداوی کی حصین بن نمیر کے ہاتھوں قادسیہ کے مقام پر گرفتاری ــــــــ

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۹۷

۲۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۹

۳۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۴

۴۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۸۱

◒۔ کوفہ کی طرف سے آنے والے خالد صیداوی اور مجمع بن عائذی نے امامؑ سے کہا 'اشرافِ کوفہ' ابن زیاد کے قابو میں آگئے ہیں 'ان کو ابن زیاد نے استعمال کیا ہے۔

☆ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۷

◒۔ ترماح نے امامؑ کو اپنی قوم کے پاس جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ ہم سب وہاں آپ کی حفاظت کریں گے تو امامؑ نے فرمایا "میرے اور اس قوم کے درمیان معاہدہ ہے ہم اس معاہدے سے منہ نہیں موڑ سکتے"

☆ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۷

◒۔ یزید کا خط عبید اللہ زیاد کے نام کہ حسینؑ عراق کی طرف آ رہے ہیں یہ تمہارے لئے آزمائش کا موقع ہے

۱۔ تاریخ اسلام ذہبی ص ۱۰ (۶۰ تا ۸۰ھ)

۲۔ مقتل ابو مخنف ص ۳۵

۳۔ تاریخ ابن عساکر ص ۲۰۸

◒۔ اصحاب با وفا سے امامؑ کا خطاب (جس میں موت کو سعادت قرار دیا)

۱۔ مقتل الحسینؑ سید محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۲۹۳ نقل از

۱۔۱۔ لہوف ابن طاؤس ص ۳۳ طبع نجف

۱۔۲۔ تاریخ اسلام ذہبی ج ۲ ص ۳۴۵

۱۔۳۔ حلیۃ الاولیاء ابی نعیم ج ۲ ص ۳۹

۱۔۴۔ تاریخ ابن عساکر ص ۲۱۴ طبع بیروت

۱۔۵۔ مجمع الزوائد ہیثمی ج ۹ ص ۱۹۲ طبع ثانی

۱۔۶۔ ذخائر عقبیٰ محب الدین طبری ص ۱۳۹

۱۔۷۔ العقد الفرید اندلسی ج ۴ ص ۳۸۰ طبع ثانی (قاہرہ)

۱۔۸۔ مقتل خوارزمی ج ۲ ص ۵ طبع نجف

۱۔۹۔ الاتحاف بحب الاشراف زبیدی ج ۱۰ ص ۳۲۰ طبع مصر

۲۔ لواعج الاشجان سید امین ص ۹۰ طبع نجف

۳۔ عوالم العلوم ص ۲۳۱

◒۔ کوفیوں سے امامؑ کا خطاب

☆ مقتل الحسینؑ، سید محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۲۷۲ طبع بیروت

◒۔ کوفیوں کی مذمت اور ان کی غداری کا انکشاف

☆ عنوانِ امام حسینؑ ص ۱۹۷

◒۔ شبث ابن ربعی نے لڑنے سے اپنے آپ کو معذور ظاہر کیا

☆ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۸۶

◒۔ شبِ عاشور اصحاب کے سامنے امامؑ کا خطاب

۱۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۶۰۱

۲۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۹۰

۳۔ عوالم العلوم ج ۱۷ ص ۱۹۵

۴۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۱۸

۵۔ اعلام الوریٰ ص ۲۳۵

◒۔ امامؑ نے خیموں کے پیچھے خندق کھودی

☆ اعلام الوریٰ ص ۲۳۷

◒۔ لشکر یزید کے سامنے امامؑ کا خطاب

☆ مقتل الحسینؑ، سید محمد تقی آل بحر العلومؒ ص ۲۷۸ طبع بیروت

نقل از لہوف ص ۲۷ طبع نجف

◒۔ لشکرِ عمر سعد سے امام حسینؑ کا خطاب

۱۔ احتجاج ۱ ص ۱۹۷

۲۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۹۹

۳۔ عوالم ج ۱۷ ص ۱۹۷

۴۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۲۳

۵۔ اعلام الوریٰ ص ۲۳۷

۶۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۷۹

◒۔ لشکرِ عمر سعد سے امام حسینؑ کا دوسرا خطاب

۱۔ احتجاج ۲ ص ۲۰۱

۲۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۱۰۰

◒۔ امامؑ کا عمر سعد کے سامنے تین تجاویز رکھنا

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۲

۲۔ اعلام الوریٰ ص ۲۳۳

◒۔ امام حسینؑ اور عمر سعد کے درمیان ملاقات امامؑ نے اس سے فرمایا ان کو چھوڑو اور ہمارے ساتھ ہو جاؤ

۱۔ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۵۹۹

۲۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۸۹، ۳۸۸

◒۔ عمر سعد نے ابن زیاد کو خط لکھا کہ امام حسینؑ کی تین تجویزیں ہیں

☆ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۶۰۰

◒۔ شمر نے عبید اللہ ابن زیاد کو ان تجاویز پر عمل سے روکا۔

☆ اعیان شیعہ ج ۱ ص ۶۰۰

◒۔ عمر سعد کا امامؑ سے جنگ کرنے سے انکار بعد وہ اس نے قبول کیا

☆ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۲

◒۔ صبح عاشورا امام حسینؑ کی درگاہِ خدا میں مناجات

۱۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۹۵

۲۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۲۱

-----☆-----☆-----☆-----

دار الثقافة الاسلامية
۱۴۰۳ھ
کراچی پاکستان

[illegible]

واقعۂ کربلا کے مختلف پہلوؤں پر ہماری مستند و معتبر کتب

حسین شناسی

(ترجمہ) ——— آیت اللہ محمد یزدی

واقعہ کربلا کے حقیقی پس منظر اور حکام کے خلاف امام حسین علیہ السلام کے لائحۂ عمل کی تاریخی حوالوں کے ساتھ توضیح و تشریح پر مبنی منفرد تالیف

قیمت : ۲۵ روپے

تفسیرِ عاشورا

(ترجمہ) ——— سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

قیامِ حسینؑ کے علل و اسباب کی مختلف تعبیروں اور تفاسیر پر کلام امام حسینؑ کی روشنی میں تجزیہ و تحلیل اور ان تفاسیر کا تقابلی جائزہ۔ مقصدِ قیام حسینی پر ایک منفرد تحقیقی تالیف۔ قیمت ۳۰ روپے

عاشورا اور خواتین

(تالیف) ——— ڈاکٹر علی قائمی

کربلا ایک باطل نظام اور فاسد معاشرے کے خلاف انقلاب تھا۔ اس انقلاب کی کامیابی اور پیش رفت میں خواتین کا کردار نمایاں حیثیت کا حامل رہا ہے۔ کتاب ہذا میں خواتین کے اسی کردار کا تذکرہ نہایت دلنشین پیرائے میں کیا گیا ہے

خواتین کے لیے ایک بیش بہا کتاب ——— قیمت ۲۵ روپے

عزاداری کیوں؟

(ترجمہ) ——— سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

عزاداری کے موضوع پر اپنے طرز کی منفرد تالیف جس میں عزاداری امام حسینؑ کے مقصد و مدعا کو ائمہ علیہم السلام کے کلام کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے ——— قیمت ۱۰ روپے

پیامِ شہیداں

(تالیف) ——— ڈاکٹر علی قائمی

ڈاکٹر علی قائمی کی منفرد تالیف۔ جس میں قصہ کے انداز میں شہدائے کربلا کی زبانی واقعہ کربلا کے اسباب، اس دور کے حالات اور شہدائے کربلا کے مقاصد کو بیان کیا گیا ہے ——— قیمت ۲۰ روپے

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

۲-جے ——— ۵/۴ ——— ناظم آباد ——— نمبر ۲ ——— کراچی